www.KitaboSunnat.com
صراطِ مستقیم کی حقیقت
اور
جنت کا راستہ
(تمام مکاتبِ فکر کے لئے)
تخریج وتدوین
انجنیئر مرزا محمد علی
تہذیب ونظر ثانی
انجنیئر اعجاز ریاض
تالیف
انجینئر حافظ محمد جعفر

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ○ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ

صراط مستقیم کی حقیقت

اور

جنت کا راستہ

سچائی کی دعوت

اختلافات کا حل

(تمام مکاتب فکر کے لئے)

تالیف

انجینئر حافظ محمد جعفر

(ھمارا عزم)

اصلاح و اتحاد اُمۃ

(اسلام آباد۔ پاکستان)

(Email: nijat63@gmail.com)

نام کتاب: صراط مستقیم کی حقیقت اور جنت کا راستہ

تالیف: انجینئر حافظ محمد جعفر

کمپوزنگ: مختار احمد

اشاعت اول: ستمبر ۲۰۰۸ ، رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ

اشاعت دوم: مئی (۲۰۱۱ء)، (۱۴۳۲ھ)

قیمت: ---------------------

نوٹ

اگر کہیں کوئی غلطی نظر آئے تو فوراً ہمیں اطلاع دیں ہم آپ کے بے حد ممنون ہوں گے۔ اسکے علاوہ ہماری کوئی بات قرآن وسنت سے عدم مطابقت رکھتی ہو تو ضرور ہماری رہنمائی فرمائیں اگر واقعی ایسا ہوا تو ہم ان شاء اللہ عزوجل فوراً رجوع کریں گے اور ایسے لوگ ہمارے محسن ہوں گے۔

اہم گزارش!

آپ کی آسانی کے لیے ہر موضوع کے آخر پر مذکورہ گفتگو کا خلاصہ آسان الفاظ میں بیان کر دیا گیا ہے اور کتاب کے آخر پر پوری کتاب کا خلاصہ بھی لکھ دیا گیا ہے تاکہ عام لوگوں کو سمجھنے میں آسانی ہو باقی ماندہ تحریر میں دلائل بیان کیے گئے ہیں۔

احادیث کی نمبرنگ: انٹرنیشنل نمبرنگ کی بنیاد پر کی گئی ہے۔

اعتدال اس تحریر کا طرہ امتیاز

دین میں بگاڑ اور باہمی اختلافات کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ کچھ لوگ حد سے تجاوز کر جاتے ہیں جبکہ کچھ تفریط کی راہ اپنا لیتے ہیں۔ اعتدال ہی وہ پیمانہ ہے جسے تھامنے پر حق بات کی توفیق نصیب ہوتی ہے۔ اپنے اپنے پسندیدہ گروہ افراط و تفریط پر مجبور کرتے ہیں۔ چونکہ ہمارا اسلام کے علاوہ کوئی اور گروہ نہیں اسلئے ہر ممکن کوشش کی گئی ہے کہ حق بات واضح کی جائے۔ اگر کہیں ہمیں غلطی پر پائیں تو رہنمائی کریں حق بات تسلیم کرنے میں ذرا بھی تامل نہ کریں گے۔

اعتدال ضروری مگر!

اعتدال پر رہنا ضروری ہے لیکن اسکا یہ مطلب بھی نہیں کہ مصلحت کا شکار ہو کر حق بھی بیان نہ کیا جائے اور جن خرابیوں پر مائل کروا کر ظالم شیطان نے لوگوں کا نقصان کیا ہے ان سے چشم پوشی کر لی جائے۔ سچا مسلمان ہونے کے ناطے خدا اور رسول ﷺ سے وفاداری کا بنیادی تقاضا ہے کہ: 'سچ اور جھوٹ'، 'حق اور باطل' کو واضح کرنے میں کسی بھی رکاوٹ کو خاطر میں نہ لایا جائے۔ یہی اس فانی دنیا میں امتحان ہے جسکا اعلیٰ درجہ برائی کو ہاتھ سے روکنا پھر زبان سے اور کمزور ترین درجہ دل میں برا جاننا ہے۔ اپنے پسندیدہ گروہ سے محبت مجبور کرتی ہے کہ صرف اپنے مسلک کے موافق چیزیں بیان کی جائیں اور نا موافق چیزوں سے چشم پوشی کی جائے، یہ کتنا بڑا گناہ ہے، صرف ایک آیت ملاحظہ کریں:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَٰتِ وَالْهُدَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَٰبِ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّٰعِنُونَ ۝ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝ ﴾

ترجمہ: ''جو لوگ ہماری نازل کردہ دلیلوں اور ہدایات کو چھپاتے ہیں باوجود اسکے کہ ہم اسے اپنی کتاب میں لوگوں کے لئے بیان کر چکے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی اور تمام لعنت بھیجنے والوں کی لعنت ہے۔ مگر وہ لوگ جو توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں اور (اللہ کی ہدایت کو) واضح بیان کر دیں تو ایسے لوگوں کی توبہ میں قبول کر لیتا ہوں اور میں بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہوں'' (سورۃ البقرہ، آیت: 160-159)

اس تحریر میں!

قرآن وسنت سے جو احکامات ملے ہیں، تسلیم کرتے ہوئے بغیر کچھ چھپائے ضرورت کے تحت بلا تفریق بیان کیا گیا ہے۔ ہمارے نزدیک اللہ اور اسکا رسول ﷺ سب سے بڑھ کر ہیں اور دین کو تمام مکاتب پر ترجیح دیتے ہیں، اگر آپکے نزدیک اللہ ورسول ﷺ سے محبت آپکے فرقے یا اکابرین کی محبت پر غالب ہے تو پھر انشاء اللہ بات ضرور سمجھ آجائے گی۔ اگر معاملہ اسکے برعکس ہے تو ہم پیشگی معذرت خواہ ہیں۔ انشاء اللہ قرآن وسنت کی بنیاد پر لکھی جانے والی یہ تحریر ہر مخلص اور سلیم الفطرت شخص کے لیے رہنمائی کا موجب ثابت ہوگی۔

فہرست

باب ۳ کیا اُمت مسلمہ سے شرک ختم ہو چکا؟

باب ۴ شرک کی بنیادی معلومات اور سرور کائنات ﷺ کی احتیاط

باب ۵ سابقہ اقوام کا شرک

باب ۶ شرک فی الذات اور ذات وصفات کی تاویلات

باب ۷ شرک فی الصفات

باب ۸ شرک فی الحقوق: ﴿پکارنا﴾

باب ۹ شرک فی الحقوق: ﴿قبروں کے احکام﴾

باب ۱۰ شرک فی الحقوق: ﴿برزخی حیات﴾

باب ۱۱ شرک فی الحقوق: ﴿عقل سے ماورا امور﴾

باب ۱۲ شرک فی الحقوق: ﴿نذر و منت﴾

باب ۱۳ شرک فی الحقوق - ﴿اشکالات﴾

باب ۱۴ شرک فی الاطاعت

باب ۱۵ تقلید اور علمائے اہلسنّت کی رائے

باب ۱۶ شرک فی الاطاعت: ﴿شبہات﴾

باب ۱۷ متفرقات

باب ۱۸ شرک کے ارتکاب کی وجوہات اور اسکی حقیقت

باب ۱۹ خلاصہ گفتگو

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمین و الصلاۃ و السلام علی سیدالانبیاء و المرسلین و علی آلہ و صحبہ و اھل طاعتہ اجمعین اما بعد!

تمام تر حمد وثنا اس رب العالمین کے لئے ہے جس نے انسان کی رہنمائی کے لئے ہزاروں انبیاء و رسل علیہم السلام مبعوث فرمائے اور آخر میں اپنے پیارے حبیب ﷺ کو قرآن مجید جیسی عظیم کتاب دے کر بھیجا جو تمام نسل انسانی کے لئے ہدائت کا سرچشمہ ہے۔ بے شمار درود و سلام ہوں ہمارے پیارے رسول جناب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی پر جنہوں نے سب سے زیادہ تکالیف اٹھاتے ہوئے خدا کے پیغام کو پوری ایمانداری کے ساتھ لوگوں تک پہنچا دیا۔

رحمتیں ہوں اللہ کے ان برگزیدہ مخلص بندوں پر جنہوں نے حق کے لئے قربانیاں دیں، اللہ کو اپنا خالق اور معبود مانا اور رسول ﷺ کو دنیا کے تمام لوگوں پر ترجیح دی، دین کو مسالک اور گروہوں پر فوقیت دی اور اللہ و رسول ﷺ کو عملاً سب سے بڑا تسلیم کرنے میں کسی بھی رکاوٹ کی پرواہ نہ کی۔

محمد ﷺ کی غلامی دین حق کی شرط اول ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

انتساب!

اللہ عزوجل کے پیارے حبیب ﷺ جن کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ظلم اور گمراہی کے گھٹاٹوپ اندھیرے دُور کرنے کا ذریعہ بنایا

اور

آپ ﷺ کی بھولی بھالی اُمت کے نام:
جو اس پرفتن دور جس میں حق اور باطل کی آمیزش ہوگئی ہے حق کی متلاشی ہے۔

نہ جب تک کٹ مروں میں خواجۂ بطحا ﷺ کی حرمت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

راہِ ہدایت میں حائل ظالم شیطان کا پہلا بڑا حجاب

ابلیس انسانیت کا ازلی مکار دشمن ہے جو نسلِ انسانی کی دائمی ہلاکت کے لیے ہر وقت کوشاں ہے۔ اس کے پاس ہزاروں حربے اور داؤ ہیں جو ان شاء اللہ آپ اس کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ اس کی چالوں میں سب سے بڑی چال صرف اور صرف یہی ہے کہ انسان کسی طرح حق بات (قرآن وسنت) سن ہی نہ پائے کیونکہ ممکن ہے کوئی حق بات سُن کر اس پر سوچنا شروع کر دے اور ہدایت کی طرف گامزن ہو جائے۔

ہمارے مہربان رب نے حق سے دور رکھنے والے اس جان لیوا مرض کی مختلف انداز میں یوں نشاندہی کی:

﴿ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِی الْعُمْیَ وَمَنْ كَانَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴾ (الزخرف: آیت: 40)

"تو کیا آپ سنائیں گے بہروں کو اور راہ دکھائیں گے اندھوں کو اور ان کو جو پڑے ہوئے ہیں کھلی گمراہی میں"

ایسے لوگ جو بات نہیں سنتے، منہ پھیرتے ہیں انھیں مردوں سے تشبیہ دی گئی ہے جیسا کہ فرمایا:

﴿ اِنَّمَا یَسْتَجِیْبُ الَّذِیْنَ یَسْمَعُوْنَ وَ الْمَوْتٰی یَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَیْهِ یُرْجَعُوْنَ ﴾ (انعام: 36)

ترجمہ: "بے شک بات تو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو (بات کو) سنتے ہیں اور رہے مردے، انہیں اٹھائے گا اللہ (قیامت کو ہی)، پھر سب اللہ ہی کی طرف لائے جائیں گے"

<u>اللہ تعالیٰ کا غصہ:</u> تعلیمات وحی سے روگردانی کرنے والے کو پروردگار نے سب سے بڑا ظالم قرار دیا ہے:

﴿ وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِیْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ﴾ (السجدہ: 22)

ترجمہ: "اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جسے اُس کے پروردگار کی آیات سے نصیحت کی جائے پھر وہ ان سے منہ موڑے، ایسے مجرموں سے یقیناً ہم انتقام لے کر رہیں گے"۔

<u>اصل جرم کا اعتراف:</u> بالآخر دل، آنکھوں، کانوں کو بند کرنے اور اپنے اپنے فرقوں تک محدود رہنے کا خطرناک انجام ہوسکتا ہے۔ چنانچہ بروز قیامت انسان اپنے اصل جرم کا اعتراف یوں کریں گے۔

﴿ وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِیْٓ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ، فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ﴾

ترجمہ: "اور دوزخی کہیں گے کہ (ہائے کاش) اگر ہم بات سنتے ہوتے اور عقل سے کام لیتے تو آج دوزخیوں میں (شریک) نہ ہوتے۔ پس انھوں نے اپنے (اصل) جرم کا اعتراف کرلیا، اب لعنت ہے دوزخیوں پر" (سورۃ الملک: 67، آیت: 11-10)

راہ ہدایت میں حائل ظالم شیطان کا دوسرا بڑا حجاب

(بزرگان دین کی پیروی میں اعتدال کی ضرورت)

مکار ابلیس کی دوسری بڑی چال جس کے ذریعے اس نے کثیر نسل انسانی کو قابو کیا وہ تعلیمات وحی کو معیار بنائے بغیر اپنے اپنے پسندیدہ بزرگان دین کی اندھی پیروی ہے۔ جسکی بنیادی وجہ ان سے عقیدت ومحبت میں حد سے تجاوز ہے۔ بزرگان دین سے عقیدت ومحبت اور احترام ضروری ہے لیکن اعتدال میں رہتے ہوئے۔ مکار ابلیس جب انسان کو قابو کرتا ہے تو پھر وہ بزرگوں کی ہر بات کو عین دین وشریعت بلکہ انکی کسی بات کو غلط خیال کرنا بے ادبی تصور کراتا ہے۔ ایسے طرز عمل یا محبت کا حقدار خدا پھر اسکے بعد اسکا رسول ﷺ ہے جبکہ باقی سب لوگوں کی محبت خدا اور رسول ﷺ کے تابع ہونی چاہیے جیسا کہ متنبہ کیا گیا:

﴿وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ (البقرہ:۱۶۵)

"اور لوگوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ کے علاوہ اور ہستیوں کو اللہ کے مدمقابل ٹھہرا کر اُن سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی محبت اللہ سے کرنی چاہیے اور جو ایمان والے ہیں وہ اللہ سے شدید ترین محبت رکھتے ہیں۔"

<u>ظالم شیطان کی چال سے آزادی:</u> ہم مکار ابلیس کے مذکورہ فریب سے نجات حاصل کر سکتے ہیں اگر ہم دل سے یہ بات تسلیم کر لیں کہ "بزرگان دین" نبی نہیں ہیں کہ انکی ہر بات 100% درست ہو' یوں نبی اور غیر نبی کا فرق بھی قائم رہے گا، بزرگان دین سے عقیدت ومحبت بھی برقرار رہے گی، اللہ ورسول ﷺ کی حقیقی پیروی کا شوق وجذبہ بھی پیدا ہوگا۔ لہذا زندگی کی مہلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جلد از جلد اپنے کو تعلیمات وحی کے تابع کر لیں۔ اگر خدانخواستہ ایسا نہ ہو سکا تو وہ جنکی خاطر تعلیمات وحی کو نظر انداز کیا گیا تھا بروز قیامت ان میں سے کوئی کسی کے کام نہ آئے گا جیسا کہ 'سورہ البقرہ: 167-166' میں ارشاد ہوا:

ترجمہ: "جب فرمانبرداری کرنے والے لوگ اپنے فرمانبرداروں سے بیزار ہوں گے، عذاب سامنے دکھائی دے رہا ہوگا اور آپس کے تعلقات منقطع ہو جائیں گے۔ فرمانبردار کہیں گے کہ ہائے افسوس! اگر ایک بار ہمیں دنیا میں جانے دیا جائے تو ہم بھی ان لوگوں سے یوں ہی بیزار ہوں گے جس طرح یہ آج ہم سے بیزار ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ان کو ان کے کرتوت دکھائے گا اور ان کے دلوں میں حسرت رہے گی اور وہ آگ سے کسی طور پر نکل نہ سکیں گے"

انسان کی بھلائی میں حائل اصل رکاوٹ کیا ہے!

انسانی ذہن کی یہ خاصیت ہے کہ جو نظریات اس میں پہلے سے موجود ہوں اور ان پر کچھ عرصہ گزر جائے پھر کوئی بھی ایسی بات جو پہلے سے موجود نظریات کے خلاف ہو، ذہن اسے قبول کرنے پر شدید مزاحمت کرتا ہے چاہے وہ بات قرآن وسنت کی ہی کیوں نہ ہو۔ یہی انسان کی آزمائش ہے کہ اسے جو عقل وشعور دیا گیا ہے اسکی بنا پر قرآن وسنت کو سمجھے اور حق بات کو قبول کرنے میں کسی رکاوٹ کو آڑے نہ آنے دے۔ بلکہ ایسے خوش نصیبوں کا دل تعلیمات وحی سے تنگی محسوس کرنے کی بجائے خوشی محسوس کرتا ہے اور انکے ایمان میں رب کی آیات اضافہ کا سبب بنتی ہیں۔ یہی وہ خوش نصیب ہیں جو حقیقتاً ایمان والے ہیں جیسا کہ ارشاد ہوا:

﴿ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَ إِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيٰتُهُ زَادَتْهُمْ إِيْمَانًا وَّ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ○ ﴾ سورۃ الانفال: آیت:2)

ترجمہ: ''بس ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیات ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیات اس کے ایمان کو اور زیادہ کر دیتی ہیں اور (ایسے) لوگ اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں''۔

اسی بات کو جناب رسالتمآب ﷺ نے یوں بیان فرمایا:

((لا یومن احدکم حتیٰ یکون ھواہ تبعاً لما جئت به)) (شرح السنہ، کتاب الایمان، امام نووی نے اسے صحیح کہا)

ترجمہ: ''تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا حتیٰ کہ اسکی خواہش نفس میری لائی ہوئی شریعت (قرآن وسنت) کے تابع نہ ہو جائے''۔

<u>پروردگار نے حکم دیا:</u>

﴿اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ○ ﴾

ترجمہ: ''تم پیروی کرو اس کی جو تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے اور نہ پیروی کرو اس کے علاوہ دوسرے دوستوں کی، تم لوگ بہت ہی کم نصیحت حاصل کرتے ہو'' (اعراف۔ آیت:3)

<u>لہٰذا قابل احترام بزرگو اور دوستو!</u> موت سے پہلے ملی ہوئی مہلت سے فائدہ اٹھا کر خدا اور رسول ﷺ کو دل وجان سے بڑا تسلیم کرتے ہوئے اپنی گردن خدا اور رسول کی تعلیمات کے سامنے جھکا دیں۔

خوش بخت انسان

یقیناً سب سے بڑا خوش بخت انسان وہی ہے جس نے اپنے خالق کی رضا اور ناراضگی کا باعث بننے والے افعال کو پہچانا اور رب کے حکم کے مطابق زندگی بسر کی۔ یوں تو احکام الٰہی کی لمبی تفصیل ہے لیکن دو چیزیں ایسی ہیں جن کے بارے میں حکم عدولی یا غفلت ناقابل برداشت ہے، وہ دو چیزیں "توحید و رسالت" ہیں۔ افعال وعقائد کا خالص توحید سے آراستہ اور شرک کی آلائشوں سے پاک ہونا سب سے بڑی خوش نصیبی ہے۔ یہی بنیادی پیغام دے کر پروردگار نے اپنے پیارے رسولوں کو بھیجا جیسا کہ سورہ انبیاء میں ارشاد ہوا:

﴿ وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴾

ترجمہ: "ہم نے آپ ﷺ سے پہلے جو رسول بھی بھیجا ہے اسے یہی وحی کی ہے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، پس تم میری ہی بندگی کرو"

آپ ﷺ نے جب معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف (گورنر بنا کر) بھیجا تو فرمایا: ((فلیکن اول ماتدعوھم الی ان یوحدوا اللہ تعالی)) (تم انہیں سب سے پہلے اللہ کی توحید کی طرف دعوت دو) (بخاری کتاب التوحید)

دوسری طرف شرک کا ارتکاب سب سے بڑی بدنصیبی ہے، حالت شرک پر مرنے والوں کے لیے بخشش کے دروازے بند ہونے کا اعلان کیا گیا ہے اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((من مات یجعل للہ ندا ادخل النار)) (جو اس حال میں مرا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بناتا تھا وہ آگ میں داخل ہوگا) (بخاری کتاب الایمان)

رسالت کی اہمیت یہ ہے کہ توحید کے بعد رسالت کے اقرار سے انسان دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے۔ خالق کائنات نے اپنی اور اپنے رسول ﷺ کی اطاعت کو لازم قرار دیا ہے، جیسا کہ آل عمران میں فرمایا: ﴿قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ﴾ (اے نبی ﷺ انکو فرماؤ اطاعت کرو اللہ کی اور اسکے رسول کی پھر اگر وہ منہ موڑیں تو اللہ ایسے کافروں کو پسند نہیں کرتا)۔ امید ہے آپ میں یہ خواہش پیدا ہوگئی ہوگی کہ:

☆ عظیم خوش نصیبی "توحید و سنت" اور عظیم خسارے "شرک و بدعت" کو سمجھنا زندگی کا اولین مقصد بنایا جائے۔

☆ عقائد و افعال کو دولت توحید سے آراستہ کرنے اور غلاظت شرک سے پاک کرنے کی بھرپور کوشش کی جائے۔

﴿تلاشِ حق کا سفر﴾

محترم ساتھیو! اللہ کا بے حد شکر ہے جس نے حق کی پہچان کے لئے کوشاں ہونے کی توفیق دی۔ تلاشِ حق کا یہ سفر مجھ سمیت چند اور اعلیٰ تعلیم کے حامل ساتھیوں نے مل کر طے کیا۔ زندگی روایتی انداز سے گزر رہی تھی کہ پروردگار نے خصوصی فضل فرماتے ہوئے دین کا رجحان اور شوق پیدا کیا۔ حق اور باطل کی اس قدر آمیزش ہو چکی ہے کہ اعلیٰ ترین علمی صلاحیت کے باوجود چیزوں کی حقیقت تک رسائی ممکن نہیں ہو پا رہی تھی۔ ہم صرف ایک ہی مکتب فکر کی کتابیں پڑھتے، اُسے ہی حق سمجھتے اور باقی سب کے ساتھ شدید نفرت رکھتے تھے۔ نہ چیزیں صحیح طرح سمجھ آتیں اور نہ ہی دل کو اطمینان نصیب ہوتا۔ رب رحیم نے خصوصی فضل فرماتے ہوئے لوگوں کی کتابوں سے ہٹا کر ہماری توجہ قرآن وسنت کی طرف مبذول کروادی۔ کچھ سکون تو ہوا لیکن بعض موجودہ دور کے مفسرین کی تفاسیر پڑھ کر پریشانی ہوتی۔ بعض آیات میں اللہ تعالیٰ نے جو حکم ارشاد فرمایا ہوتا تفاسیر میں رزلٹ اُس کے برعکس ملتا۔ قصہ مختصر خالقِ کائنات نے اپنے خاص انعام سے نوازا اور فرقہ واریت کا کانٹا دل سے نکال دیا۔ یوں باقی فرقوں کا بھی تفصیل سے مطالعہ کیا اور ان کے ساتھ وقت بھی گزارا۔ حق سے دُور رہنے کی بنیادی وجہ قرآن وسنت کی سمجھ سے دُوری، دین کی بجائے فرقے کی محبت اور اللہ ورسول کی تعلیمات کی بجائے بلا دلیل لوگوں کو حجت بنانا اور سنی سنائی باتوں پر عمل کرنا ہے۔ حق واضح ہونے پر یہ تڑپ پیدا ہوئی کہ وہ مسلمان بھائی جو حق کے متلاشی ہیں لیکن اسے سمجھنا اُنکے لیے مشکل ہے اُن تک حق کا پیغام آسان الفاظ میں پہنچ جائے۔ کئی سالوں کی شب وروز محنت کے اِس سفر میں بہت سے لوگوں سے ملاقاتیں ہوئیں اور مختلف مکاتب فکر کی بہت ساری کتب کا مطالعہ کیا۔ شخصیات کی بلا دلیل پیروی کی بجائے قرآن وسنت کی بنیاد پر پیروی کرنے پر گمراہی کے فتوے تو لگے لیکن کتاب الٰہی کے مضبوط دلائل نے بہت تسلی دی، بالخصوص درج ذیل آیت نے بڑا حوصلہ دیا:

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول ﷺ سے (سورہ سبا، آیت: 50 میں) اعلان کروایا:

﴿قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰی نَفْسِیْ وَ اِنِ اهْتَدَیْتُ فَبِمَا یُوْحِیْٓ اِلَیَّ رَبِّیْ اِنَّهٗ سَمِیْعٌ قَرِیْبٌ﴾

"(اے نبی ﷺ) فرمادیں کہ اگر میں راستے سے ہٹ گیا ہوں تو اسکا وبال مجھ پر ہی ہوگا اور اگر میں ہدایت پر ہوں تو اس کی وجہ وہ وحی ہے جو میرا رب مجھ پر کرتا ہے بے شک وہ بڑا سننے والا اور بہت ہی قریب ہے"۔

((اگر آپ نے یہ کتاب پڑھ لی تو یقیناً اللہ کا شکر ادا کریں گے کہ جس نے موت سے پہلے آنکھیں کھول دیں))

مختلف مکاتبِ فکر کے علماء حضرات سے ملاقاتوں کی تفصیل

تاریخ	جگہ و مقام	مکتبہ فکر	عالم کا نام	نمبر شمار
95,96,98, 2001	لاہور	اہلسنت (بریلوی)	پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری صاحب	1
10-10-1999, 14-08-2000	کراچی، لاہور، گجرات	اہلسنت (بریلوی)	مولانا محمد الیاس قادری صاحب	2
Oct.2003 11-09-2004	گوجر خان	اہلسنت	پروفیسر احمد رفیق اختر صاحب	3
Sep. 2006 12-5-2007	آستانہ عالیہ کوٹلی شریف	اہلسنت (بریلوی)	پیر محمد زاہد صاحب	4
16-12-2006	جہلم (کالا دیو)	اہلسنت (بریلوی)	مفتی محمد علیم الدین صاحب	5
22-03-2007	کراچی	اہلسنت (بریلوی)	مفتی منیب الرحمن صاحب	6
22-03-2007	کراچی	اہلسنت (بریلوی)	علامہ غلام رسول سعیدی صاحب	7
Sep. 2007 June 2008	ماڈل ٹاؤن لاہور	اہلسنت	ڈاکٹر اسرار احمد صاحب	8
3-08-2007	آستانہ عالیہ گولڑہ شریف	اہلسنت	پیر نصیر الدین نصیر صاحبؒ	9
Aug. 2007	اسلام آباد، بلیو ایریا	اہلسنت (دیوبندی)	مفتی محمد طیب صاحب	10
Nov. 2007	رائے ونڈ	اہلسنت (دیوبندی)	مولانا جمشید صاحب	11
2008	راولپنڈی	اہلسنت (دیوبندی)	مفتی انصر باجوہ صاحب	12
25-01-2008	اسلام آباد، آئی ٹین ون	اہلسنت (بریلوی)	انجینئر آصف قادری صاحب	13
Mar. 2008	جہلم	اہلسنت (بریلوی)	مولانا مظہر اللہ غلام قمر سیالوی صاحب	14
22-03-2008	سیالکوٹ	اہلسنت (اہلحدیث)	علامہ عبدالجبار شاکر صاحب	15
May 2008	حضرو (اٹک)	اہلسنت (اہلحدیث)	علامہ حافظ زبیر علی زئی صاحب	16
Feb. 2009	اسلام آباد، جی الیون	اہلسنت (اہلحدیث)	ڈاکٹر فضل الٰہی صاحب	17
Feb. 2009	اسلام آباد، جی الیون	اہلسنت (اہلحدیث)	علامہ ڈاکٹر عبدالرحمان حفیظ صاحب	18
2010	اسلام آباد	اہلسنت (اہل حدیث)	انجینئر عبدالقدوس سلفی صاحب	19

نوٹ: اہل تشیع علماء حضرات سے ملاقات تو نہیں ہو سکی لیکن انکی چند بنیادی کتب (جیسے: 'شیعت کا مقدمہ' [حسن الامینی]، 'پھر میں ہدایت پا گیا' [ڈاکٹر تیجانی سماوی صاحب]، 'المراجعات' [عبدالحسین شرف الدین موسوی صاحب]۔۔۔۔۔وغیرہ کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ کتب احادیث اور فقہ میں تو اہلسنت اور انکا اختلاف ہے لیکن قرآن مجید پر اختلاف نہیں۔ ہماری یہ تحریر چونکہ عقائد کے متعلق ہے اور بنیادی و ضروری عقائد کتاب اللہ میں بیان ہوئے ہیں لہٰذا اس حوالے سے یہ تحریر اہل تشیع بھائیوں کے لیے بھی مفید ہے۔ بہر کیف اہل تشیع مکتب فکر کے حوالے سے ضروری وضاحت ملاحظہ کریں 'باب ۱۷' میں۔

﴿چند مشہور کتابیں جن کا مطالعہ کیا گیا﴾

کتاب کا نام	مصنف کا نام	کتاب کا نام	مصنف کا نام
1۔تفاسیر قرآنی	قریبا ہر مکتبہ فکر کی	2۔شرح کتب احادیث	مختلف مکاتب فکر کی
3۔جاء الحق	مفتی احمد یار خان نعیمی صاحب	4۔شرح صحیح مسلم/تبیان القرآن	غلام رسول سعیدی صاحب
5۔تفہیم البخاری	غلام رسول سعیدی صاحب	6۔فیضان سنت	مولانا محمد الیاس قادری صاحب
7۔تلاش حق	نجم مصطفائی صاحب	8۔مزارات اولیاء سے توسل	شاہ تراب الحق قادری صاحب
9۔غیر اللہ سے مدد مانگنا کیسا؟	مفتی اکمل قادری صاحب	10۔توحید اور شرک	علامہ سعید احمد کاظمی صاحب
11۔حیات النبی، مسئلہ استغاثہ، الانساد للخوارج والحروراء	پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری صاحب	12۔بزرگوں کے عقیدے	مفتی جلال الدین احمد امجدی صاحب
13۔بیٹھی بیٹھی سنیں، روداد اسلامی	ابو کلیم محمد صدیق صاحب	14۔توحید خالص	الشیخ ابو محمد بدیع الدین راشدی صاحب
15۔الفتح الربانی، فتوح الغیب	پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی صاحب	16۔جملہ تصانیف	امام محمد غزالی صاحب
17۔کشف المحجوب	سید بن علی عثمان ہجویری صاحب	18۔رسالہ قشیریہ	امام ابوالقاسم قشیری صاحب
19۔جملہ تصانیف	علامہ پیر سید نصیر الدین نصیر صاحب	20۔احکام ومسائل	مولانا ابوالحسن مبشر احمد ربانی صاحب
21۔مقالات، رسائل الحدیث	حافظ زبیر علی زئی صاحب	22۔شرک کیا ہے؟	محمد عطاء اللہ بندیالوی صاحب
23۔جملہ تصانیف متعلقہ شرک	علمائے عرب	24۔عقیدہ ومنہج	پروفیسر حافظ محمد سعید صاحب
25۔حجۃ اللہ البالغہ	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی صاحب	26۔شرک کے چور دروازے	حافظ محمد محمود الخضری صاحب
27۔کلمہ گو مشرک	ابوالحسن مبشر ربانی صاحب	28۔فضائل اعمال	شیخ زکریا سہارنپوری صاحب
29۔اختلاف اُمت اور صراط مستقیم	مولانا یوسف لدھیانوی صاحب	30۔دین میں تقلید کا مسئلہ	حافظ زبیر علی زئی صاحب
31۔مکتوبات	امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی صاحب	32۔حقیقت التقلید	ابو محمد امین اللہ البشاوری صاحب
33۔حقیقت شرک اور حقیقت توحید	مولانا امین احسن اصلاحی صاحب	34۔صراط مستقیم وعقیدہ مسلم	سید سیف الرحمن، روشن صاحب
35۔تلبیس ابلیس (شیطانی ہتھکنڈے)	علامہ ابن جوزی صاحب	36۔شرک کی حقیقت	نور الحسن شاہ بخاری صاحب

ذرا رُکیے!

☆((کتاب پڑھنے سے پہلے ابلیس کے ایک پرکشش فریب کی حقیقت سمجھتے جائیں!))☆

حق اور باطل اس انداز میں یکجا ہو چکا ہے کہ ایک عام سادہ لوح مسلمان کے لیے حق کو پہچاننا انتہائی دشوار ہو چکا ہے۔ جس مکتب فکر کی کتابیں اٹھائیں وہی حق معلوم ہوتی ہیں۔ ہر ایک کے پاس جو اس نے بیان کیا اسے حق اور جو دوسرے مکتب فکر کے لوگوں نے بیان کیا اسے غلط ثابت کرنے کے پورے دلائل موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو جس مکتب فکر میں پیدا ہوتا ہے اس کے نزدیک صرف اور صرف وہی حق ہے۔ ہر مکتب فکر کے لوگ اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ انھیں اس میں پیدا کیا گیا۔ مثال کے طور پر اہل تشیع کہے گا رب کا کروڑ ہا شکر ہے کہ میں اہل تشیع ہوں، بریلوی، دیوبندی یا اہلحدیث نہیں ہوں۔ خدا کا شکر ہے جس نے مجھے حق مسلک میں پیدا کیا۔ اسی طرح باقی لوگوں کے حالات ہیں۔ اس حالت کو قرآن مجید نے یوں بیان کیا:

﴿ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ﴾: ﴿ہر گروہ اسی پر خوش ہے جو اس کے پاس ہے﴾ [المومنون:۵۳]

حقیقت یہ ہے کہ ان حالات میں عام آدمی کے لیے حق کو پہچاننا انتہائی دشوار ہے۔ عام لوگ خواہ کسی بھی مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہوں وہ دین کے ساتھ مخلص ہوتے ہیں۔ اصل خرابی دین کی بجائے اپنے فرقے کو بچانے کے لیے قرآن وسنت کو غلط رنگ میں پیش کرنے سے پیدا ہوئی ہے۔ ابلیس کے اس پرکشش فریب کہ صرف اپنے مکتب فکر کو صحیح اور باقی سب کو غلط سمجھنا ایک مثال سے واضح کیا جاتا ہے۔

مثال: فرض کریں آپ کے علاقے میں چار مکاتب فکر A, B, C اور D ہیں۔ مکتبہ فکر 'A' کے لوگوں سے بات کریں گے تو فوراً ان کے ذہن میں یہ دلائل آئیں گے:

(i) ہماری بنیاد تو خدا اور رسول ﷺ کی تعلیمات ہیں۔ (ii) ہمارے مکتب فکر میں کیسے کیسے اہلِ تقویٰ، جید علماء اور مفسر قرآن ہیں۔ (iii) کیسے کیسے صاحب کشف بزرگانِ دین اِسی رستہ پر گامزن رہے۔ (iv) لوگوں کی کثرت، مساجد اور مدارس وغیرہ۔ (v) ہر فرقہ کے پاس دوسرے فرقوں کی گستاخانہ عبارات کا موجود ہونا۔

اِسی طرح مکتبہ فکر 'B' کے پاس بھی یہ ساری چیزیں موجود ہوں گی ان کے اپنے مفسر قرآن، اہلِ علم، اہلِ تقویٰ حضرات ہوں گے۔ اِسی طرح 'C' اور 'D' کے۔ جہاں تک معاملہ خرقِ عادت امور وغیرہ کا ہے وہ

بھی کم وبیش سب میں موجود ہیں۔ پاکستان کی دو بڑی جماعتیں تبلیغی جماعت جو ڈیڑھ سو سے زائد ممالک اور دعوتِ اسلامی جو پچاس سے زائد ممالک تک پھیل چکی ہے، ان دونوں جماعتوں میں کشف وکرامات جیسے واقعات بکثرت پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح جہادی تنظیموں میں بھی غیر معمولی واقعات موجود ہیں۔

محترم بھائیو! اگر حق کی دلیل یہی چیزیں ہیں تو پھر صرف آپ کا مکتب فکر کیوں حق پر اور باقی سب غلط کیوں؟ کیا صرف اس وجہ سے کہ آپ کی پرورش اس مکتب فکر میں ہوئی یا آپ نے خود قرآن وسنت کی بنیاد پر تحقیق کی۔ بدقسمتی یہ ہے کہ ہم نے سچائی کا معیار یہ سمجھ لیا ہے کہ جس گھر میں مَیں پیدا ہوا ہوں اس گھر والوں کا جو دین مذہب ہے وہی درست ہے۔ مثلاً اگر کوئی آدمی مرزائی کو کافر سمجھتا ہے اگر خدانخواستہ وہ خود کسی مرزائی کے گھر پیدا ہو گیا ہوتا تو پھر مرزائی مذہب کو درست سمجھتا۔ اسی طرح شیعہ، بریلوی، دیوبندی، وہابی وغیرہ اور یہی اندھی تقلید ہے۔ یہ بنیادی وجہ ہے جو جس مکتب فکر میں پیدا ہوا اسی کو عین دین سمجھتے ہوئے، اُسی کا دفاع کرتے ہوئے باقی سب کے ساتھ نفرت رکھتے ہوئے دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔

یاد رکھیں! کتنا بڑا عالم یا مفسر قرآن کیوں نہ ہو اگر وہ کسی فرقہ کے مدرسہ سے فارغ التحصیل ہے تو عموماً اسکے پیش نظر اپنے فرقہ کی بالادستی ہوگی نہ کہ دین کی اور وہ قرآن وسنت کو ہمیشہ اپنے فرقہ کے تناظر میں دیکھے گا۔ مثال کے طور پر اہلِ تشیع جن کے علماء اہلسنت کے علماء کی نسبت قریباً دوگنا وقت تحصیل علم میں صرف کرتے ہیں، اگر مدارس میں حصول تعلیم کو معیار بنایا جائے تو پھر حق مذہب تو اہلِ تشیع ہونا چاہیے۔

زندگی میں ایک دفعہ حق کا واضح ہونا!

اللہ تعالیٰ ہر شخص کو موت سے پہلے ایک موقع ضرور دیتا ہے جس میں اس پر حق واضح ہو جاتا ہے، جیسا کہ اس نے فرمایا: ﴿ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًۢا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ﴾(سورہ توبہ:115)

ترجمہ: ”اور نہیں ہے اللہ ایسا کہ گمراہ کرے لوگوں کو بعد اسکے کہ ہدایت دے چکا ہو انھیں، یہاں تک کہ بیان نہ کر دے انکے ملئے وہ چیزیں جن سے انھیں بچنا چاہیے“

اس نادر موقع کی قدر کرتے ہوئے اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی بات کو ترجیح دینے یا اپنے پیدائشی پسندیدہ نظریات کو تحفظ دینے کا فیصلہ آپ نے کرنا ہے۔ جس نے جانتے بوجھتے تعلیمات الٰہی سے چشم پوشی کی اس نے اپنے ساتھ بہت زیادتی کی کیونکہ ہو سکتا ہے اسکے بعد قانون الٰہی اس پر نافذ ہو جائے اور اللہ تعالیٰ اس پر ہدایت بند کر دے۔

باب ۱

بنیادی معلومات

محترم مسلمانو !

انسان کی یہ فانی زندگی آزمائش ہے۔ اس کڑے امتحان کا رزلٹ یا تو ہمیشہ ہمیشہ کی راحتوں اور خوشیوں کی جگہ جنت کی صورت میں یا ہمیشہ کی ذلت و رسوائی کی جگہ جہنم کی صورت میں نکلنے والا ہے۔ دونوں راستوں کی نشاندہی کر دی گئی ہے جسے اللہ ﷻ کے برگزیدہ رسولوں علیھم السلام نے پوری محنت سے لوگوں تک پہنچا دیا ہے۔ عقائد تمام انبیاء کرام علیھم السلام کی تعلیمات میں ایک ہی رہے لیکن عبادات کے طریقوں میں تھوڑی بہت تبدیلی ہوتی رہی۔

موجودہ پُرفتن دور میں حق اور باطل کی اس قدر آمیزش ہو چکی ہے کہ ایک سادہ لوح مسلمان کے لیے حق کو پہچاننا انتہائی دشوار ہو گیا ہے۔ ہر مکتب فکر کے پاس اپنے آپ کو صحیح اور باقیوں کو گمراہ بلکہ دائرۂ اسلام سے خارج ثابت کرنے کے دلائل موجود ہیں۔ انسان پریشان ہو جاتا ہے کہ آخر حق کیا ہے؟ اس پریشانی کا ہمیں بھی سامنا کرنا پڑا لیکن اللہ ﷻ نے خاص فضل و کرم فرماتے ہوئے حق کی طرف رہنمائی فرمائی جس پر ہم اس کے بے حد مشکور ہیں۔ <u>اُمت مسلمہ کے عام لوگوں سے ہمیں بہت محبت ہے کیونکہ وہ بیچارے دھوکے کا شکار ہیں لیکن اُن لوگوں پر افسوس ہے جنہوں نے اپنے اپنے مسلک اور فرقے بچانے کے لیے اُمت مسلمہ کی صحیح رہنمائی نہ کی</u>۔ ہم ان کے لیے بھی دُعا گو ہیں کہ اللہ ﷻ ان پر اپنا فضل فرمائے (آمین)۔ علمائے خیر کی ہم قدر کرتے ہیں جنہوں نے حق کی خاطر قربانیاں دیں اور جب حق واضح ہو گیا اُسے قبول کرنے میں ذرا بھی تامّل نہ کیا اگرچہ اُن کے اپنے مسلک کے بھی خلاف ہو۔ ہم پر ماں باپ سے بھی بڑھ کر شفیق آقا امام کائنات،

امام الانبیاء و المرسلین،سید الاولین والاخرین، شفیع المذنبین، رحمۃ للعالمین ، **سیدنا محمد رسول اللہ** ﷺ اپنے بعد اپنی اُمت کو صرف محفوظ شے یعنی **وحی** (قرآن اور صحیح احادیث) کے ساتھ تعلق مضبوط بنانے کی وصیت فرمائی ۔ چنانچہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر ارشاد فرمایا:

[قال رسول الله ﷺ: ((ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بهما: کتاب الله و سنة رسوله))(الموطا للمالک ''کتاب القدر'' حدیث نمبر1662،المستدرک للحاکم ''کتاب العلم'' حدیث نمبر290)

ترجمہ: ''بے شک میں اپنے بعد تم میں دو ایسی (عظیم) چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر اُنھیں مضبوطی سے پکڑ لو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے: (1) اللہ ﷻ کی کتاب اور (2) اُس کے رسول ﷺ کی سنت (اور سنت وہ جو صرف صحیح احادیث سے ہی ماخوذ ہو)''

پیارے بھائیو! گمراہی سے نکلنے کے لیے آپ ﷺ نے ہمیں قرآن وسنت کے حوالے کر دیا ہے۔اگر واقعتاً ہم اس بات کو تسلیم کر لیں تو ہم ہدایت یافتہ ہو جائیں۔

کفار و مشرکین کے حق میں نازل ہونے والی آیات

بعض ہمارے بھائی درج ذیل روایت سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ کفار و مشرکین کے حق میں نازل ہونے والی آیات مسلمانوں کی ہدایت کے لئے پیش نہیں کی جاسکتیں،روایت یہ ہے:

''**سیدنا عبداللہ بن عمر** رضی اللہ عنہ خارجیوں کو اللہ ﷻ کی بدترین مخلوق جانتے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ لوگ جو آیات کفار کے حق میں نازل ہوئیں ان کو مومنوں پر چسپاں کر دیتے ہیں۔''
(صحیح بخاری ''کتاب استتابۃ المرتدین'' ، ''باب قتل الخوارج والملحدین'' ، باب نمبر6)

وضاحت: یہ بات درست ہے کہ اگر کوئی آیت کفار کے حق میں نازل ہو تو اس سے مراد ایمان والے نہیں لیے جا سکتے۔ اسی طرح اگر آیت بتوں کے لیے نازل ہو تو اس سے مراد انسان نہیں لیے جا سکتے۔ ایسا کرنا خسارے کا باعث ہوگا۔لیکن اس بات کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ کفار و مشرکین کے حق میں نازل ہونے والی آیات صرف ان لوگوں کے لیے ہیں ہم ان سے رہنمائی نہیں لے سکتے۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے خارجیوں کو بُرا جاننے کی وجہ یہ تھی کہ وہ کفار و مشرکین کی جگہ صحابہ کرام مراد لیتے اور قرآن مجید کی غلط تاویل سے غلط عقائد بناتے جیسے:

(i) گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کافر کہتے۔

(ii) حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو کافر کہتے (نعوذ باللہ) کہ انھوں نے ایک دوسرے کے خلاف تلوار اُٹھائی۔

یاد رکھیں! وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے احکامات کا انکار کریں، ان سے روگردانی کریں اور انھیں تسلیم نہ کریں انہیں کافر قرار دیا گیا ہے۔ اس حوالے سے سمجھنے کی بات یہ ہے کہ قرآن مجید میں کفار میں پائی جانے والی برائیوں کو واضح کیا گیا ہے تاکہ جو اپنی اصلاح کرنا چاہے وہ کر سکے۔ نجاست نجاست ہی رہے گی خواہ کسی ٹھیکرے میں ہو یا ریشم میں لپیٹ دی جائے۔ جن عقائد و افعال پر عمل پیرا ہونے کی بنا پر ان کے لئے سخت وعیدیں نازل ہوئی ہیں وہی کام اگر کلمہ گو کرے تو کیا وہ مجرم قرار نہ پائے گا؟ بصورت دیگر قرآن کا تھوڑا سا حصہ ہمارے لئے رہ جائے گا کیونکہ زیادہ تر حصہ کفار و مشرکین کے حق میں ہی نازل ہوا۔ قرآن پاک کا خطاب کفار مکہ کے ساتھ ساتھ پوری نسل انسانی کے لیے قیامت تک کے لیے ہے، جس کی صداقت پروردگار نے خود یوں فرمائی۔

☆ ﴿ تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ﴾ (الفرقان، آیت:1)

ترجمہ: ''نہایت ہی بابرکت ہے وہ اللہ جس نے یہ فرقان (حق اور باطل میں فرق کرنے والا مجموعہ) اپنے بندے پر اتارا تاکہ سارے جہان والوں کے لیے خبردار کر دینے والا ہو''

☆ ﴿ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴾ (سورہ التکویر، آیت:27)

ترجمہ: ''یہ (قرآن) تو تمام جہاں والوں کے لیے نصیحت نامہ ہے''

☆ اللہ تعالیٰ نے ایک شخص کا واقعہ قرآن مجید میں بیان کرنے کے بعد اسے بیان کرنے کا مقصد بھی بیان فرما دیا تاکہ جو کوئی بھی اسے سنے وہ اس پر غور و فکر کر کے اپنی اصلاح کرے، ارشاد ہوا:

﴿فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴾ (سورۃ الاعراف، آیت: 176)

ترجمہ: ''سو اسکی مثال ہوگئی مانند کتے کی، اگر بوجھ لادو اس پر تب بھی زبان لٹکائے اور چھوڑ دو اسے تب بھی زبان لٹکائے۔ یہی مثال ہے ان لوگوں کی جو جھٹلاتے ہیں ہماری آیات کو، سو بیان کرو انکے سامنے یہ قصہ (احوال) شاید (لوگ) غور وفکر کریں''

ان روشن آیات سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن پاک کی تمام آیات خواہ وہ کفار و مشرکین کے حق میں نازل ہوئی ہوں عبرت ونصیحت کے اعتبار سے وہ مسلمان اور کفار سب کے لیے ہیں۔ یہ غلط فہمی مکار ابلیس نے صرف اس لیے پیدا کی ہے تاکہ لوگ ناکام ہوکر دنیا سے چلے جائیں۔ بات کو سمجھنے کے لئے کئی آیات میں سے صرف ایک آیت پیش کی جاتی ہے جو خالصتاً کفار کے حق میں نازل ہوئی، اور سب مسلمان اسے اپنی تقاریر کی بنیاد بناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو فرمایا:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ﴾

ترجمہ: ''(اے نبی ﷺ) فرمادیجیے اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمھارے گناہ بخش دے گا''۔ (آل عمران۔ آیت: 31)

شانِ نزول: یہ آیت کریمہ یہود ونصاریٰ کے حق میں نازل ہوئی جسکے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ان کے زبانی دعویٰ محبت کو آپ ﷺ کی اتباع کے ساتھ مشروط کیا۔ اس سے اگلی آیت میں بات کو مزید واضح کیا گیا چنانچہ فرمایا:

﴿قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ﴾

ترجمہ: ''اے نبی ﷺ انکو فرماؤ اطاعت کرو اللہ کی اور اسکے رسول کی پھر اگر وہ منہ موڑیں تو اللہ ایسے کافروں کو پسند نہیں کرتا'' (آل عمران۔ آیت: 32)

اس آیت سے جو واضح مطلب نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ جو اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت سے روگردانی

کرے وہ کافر ہے، اللہ ہم سب کو معاف فرمائے اور ہماری حفاظت فرمائے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ آیت جو صریحاً کفار کے حق میں نازل ہوئی، جسکے مخاطب یہود و نصاریٰ تھے کیا اسے بطور وعید مسلمانوں کے لئے پیش کرنا درست ہے؟

نوٹ: قابل غور بات یہ ہے کہ (صحیح بخاری ''کتاب الاعتصام'' حدیث نمبر 3456) کے تحت آنحضور ﷺ یہ خوفناک پیشگی خبر دے چکے ہیں کہ سابقہ اقوام بالخصوص یہود و نصاریٰ میں پائی جانے والی تمام خرابیاں امت مسلمہ میں بھی پائی جائیں گی۔ اسکے تحت قرآن کی ساری آیات بطور نصیحت تمام مسلمانوں کے لئے ناگزیر ہیں۔ اُمید ہے مذکورہ حوالے سے آپ بات سمجھ چکے ہوں گے کہ قرآن مجید کی وعیدیں ہم سب کی ہدایت کے لئے ہیں۔

قرآن وسنت سے رہنمائی

جس مکتبِ فکر کی کتابیں اُٹھائیں اُن میں دلیل کے طور پر قرآن کی آیات اور احادیث ہی ہوتی ہیں اور ہر کوئی یہی کہتا ہے کہ ہدایت کے لیے بنیاد ''دو'' ہی چیزیں ہیں: (1) اللہ ﷻ کی کتاب اور (2) اُسکے رسول ﷺ کی سنت۔ لیکن اس کے باوجود مسلمان تفریق کا شکار ہیں۔ قرآن مجید سے رہنمائی کے حوالے سے اللہ ﷻ نے دوٹوک الفاظ میں اپنے بندوں کو بہت بڑے خطرے سے آگاہ کیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ وَ مَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَ مَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِo ﴾

(آل عمران: آیت۔7)

ترجمہ: ''وہی ہے جس نے آپ ﷺ پر کتاب نازل کی اس میں محکم آیات ہیں جو اس کتاب کی اصل (جڑ) ہیں اور دوسری آیات متشابہ ہیں۔ پس جن کے دلوں میں کجی (ٹیڑھ) ہے وہ متشابہات کے پیچھے لگ جاتے ہیں تاکہ ان سے کوئی فتنہ پیدا کریں یا

اپنے مطلب کی تاویل تلاش کریں حالانکہ کوئی نہیں جانتا ان کی حقیقی تاویل سوائے اللہ ﷻ کے اور پختہ علم والے یہی کہتے ہیں کہ ہم تو ان پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہیں اور نصیحت تو صرف عقل مند ہی حاصل کرتے ہیں۔"

اِسی طرح نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((فاذا رأیتم الذین یتبعون ما تشابه منه، فاولٰئك الذین سمی الله، فاحذروهم)) (سُنن ابی داؤد "کتاب السنۃ" حدیث نمبر 4598)

ترجمہ: "جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو متشابہات کو بطور دلیل کے پیش کرتے ہیں تو سمجھ لو یہ وہی لوگ ہیں جن کا نام اللہ ﷻ نے لیا ہے (کہ اُنکے دلوں میں کجی ہے) پس تم اُن سے بچتے رہنا۔"

نتائج: (i) قرآن مجید دو قسم کی آیات پر مشتمل ہے یعنی محکم اور متشابہات (ii) قرآن کی اصل (جڑ) محکم آیات ہیں (iii) جن کے دل ٹیڑھے ہو چکے ہیں وہ متشابہات کے پیچھے لگ جاتے ہیں (iv) متشابہات کی تاویل کا نتیجہ فتنہ وفساد ہے (v) راسخ العلم محکمات کی پیروی کرتے ہیں اور متشابہات پر ایمان رکھتے ہیں یعنی ان کا انکار نہیں کرتے (vi) اتنی سخت وعیدیں سُن کر بھی ہر کوئی نصیحت حاصل نہیں کرتا بلکہ صرف عقل والے ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں (vii) ان کی حقیقی تاویل کا علم صرف اللہ ﷻ کو ہے۔

محکم اور متشابہات کی وضاحت

محکم آیات: محکم۔ حکم سے ہے یعنی وہ آیات جن میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جن کا معنی اور مطلب واضح ہے۔ ان آیات سے انسان شک میں نہیں پڑتا۔ یہ آسان ہیں ان کو سمجھنے کے لیے لمبی چوڑی تعلیم یا 17 علوم کی ضرورت نہیں۔ تفسیر ابن کثیر میں عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کے مطابق محکم وہ آیات ہیں جن میں احکام: حلال وحرام، ممنوعات، حدیں اور اعمال کا بیان ہے۔

متشابہات: جن کے معنی واضح نہیں۔ ان کی مختلف تاویلیں کی جا سکتی ہیں۔ کئی کئی معنی نکل سکتے ہیں جن کو سمجھنا مشکل ہے اِن میں سے اکثر عقل سے ماوراء ہیں۔ جمہور علماء و مفسرین کے نزدیک یہ آیات عالم غیب سے متعلق ہیں جیسے! اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، اُس کا ہاتھ، چہرہ، عرش، کرسی، فرشتے، عالم برزخ، جنت و دوزخ، حروف مقطعات اور قضاوقدر کے مسائل وغیرہ۔

پیارے بھائیو: قرآن مجید سے ہدایت حاصل کرنے کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے ایک سنہری ضابطہ مقرر فرمادیا ہے کہ محکمات کی پیروی کرو اور متشابہات پر ایمان رکھو ان کی غلط تاویل ہرگز نہ کرو بس جو چیزیں جن الفاظ کے ساتھ آئی ہیں انھیں اُسی طرح تسلیم کیا جائے اور اُنھیں محکم آیات کی روشنی میں سمجھا جائے۔ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے ﴿روح اللہ﴾ کے الفاظ کے ساتھ 'عبد' اور 'مثل آدم' جیسے محکم الفاظ بھی آئے ہیں۔

محترم بھائیو! اس ایک آیت کریمہ پر عمل پیرا ہوتے ہی مسلمانوں کے بیشتر اختلافات ختم ہو جائیں گے۔ زندگی آسان ہو جائے گی اور جنت کی راہ ہموار ہو جائے گی۔

آئیے: ہم سب اپنا اپنا محاسبہ کریں کہ خدانخواستہ کہیں ہم اس وعید کی زد میں نہ آ جائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب پر رحم فرمائے اور اِس گناہ سے محفوظ فرمائے (آمین)۔

قرآن مجید سے "ھدایت" یا "گمراہی"۔۔۔۔۔۔؟

بعض لوگ قرآن مجید کی درج ذیل آیت کو دلیل بنا کر ڈراتے ہیں کہ قرآن سے گمراہ ہونے کا خطرہ ہے اس لیے اسے پڑھا ہی نہ جائے۔

﴿يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّ يَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا وَ مَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ﴾ (البقرہ، آیت:26)

ترجمہ: "وہ (اللہ تعالیٰ) اِس (قرآن کی مثال) کے ذریعے کئی لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور کئی لوگوں کو ہدایت دیتا ہے اور اِس سے گمراہ نہیں کرتا مگر صرف فاسقوں کو۔"

آیت کریمہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قرآن مجید سے وہ گمراہ ہوتا ہے جو اللہ کے کلام کے ساتھ زبردستی کرے، بات تسلیم نہ کرنا چاہے۔ بجائے اپنے آپ کو قرآن کے مطابق تبدیل کرنے کے قرآن کو اپنے ذہن کے مطابق تبدیل کرے۔ بات سمجھ آ جانے کے باوجود اپنا مسلک اور فرقہ بچانے کے لیے آیات کا غلط مفہوم بیان کرے۔ اُس کی ہدایت یقیناً اللہ ﷻ سلب کر لیں گے۔ باقی اہل ایمان جو بات تسلیم کرنا چاہیں انکے لئے قرآن مجید سراسر رحمت اور ہدایت ہے، جیسا کہ ارشاد ہوا:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُم مَّوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِى الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴾ (یونس، آیت:57)

ترجمہ: "اے لوگو! بے شک آ گئی تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے (قرآن کی شکل میں) نصیحت اور دلوں کی بیماری (گمراہی) کے لئے شفاء اور ہدایت اور رحمت ایمان والوں کے لئے۔"

اللہ ہمیں موت سے پہلے پہلے محفوظ شے یعنی وحی (قرآن اور صحیح احادیث) کے ساتھ تعلق مضبوط بنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہم شخصیات کا احترام کریں اُن سے استفادہ کریں لیکن بنیاد قرآن و سنت کو رکھیں۔

سُنت سے رہنمائی

سنت سے مراد وہ پختہ طریقہ ہے جس پر رسول اللہ ﷺ عمل پیرا رہے۔ ظاہری بات ہے اس کی تفاصیل احادیث مبارکہ سے ہی ملیں گی۔ چونکہ آپ ﷺ کی طرف منسوب بات دین بن جاتی ہے اس لیے یہودیوں، منافقین اور اُن کے پیروکاروں نے لاکھوں کے حساب سے روایات گھڑ کر اسلام میں داخل کر دی ہیں۔ اسی لیے حدیث کی سند دیکھنا انتہائی ضروری ہے۔ چنانچہ تیسری صدی ہجری کے مشہور محدث امیر المسلمین فی الحدیث امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری رحمہ اللہ (المتوفی 261ھ) نے اپنی شہرہ آفاق مجموعہ احادیث "صحیح مسلم" کے مقدمہ میں اپنی کتاب تصنیف کرنے کی

بنیادی وجہ کثرت کے ساتھ ضعیف ومنکر روایات کی موجودگی بیان کی ہے

چنانچہ صحیح مسلم کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

((ثقہ لوگوں کی حدیثیں جن کی روایت پر قناعت ہوسکتی ہے کیا کم ہیں کہ بے اعتبار اور جن کی روایت پر قناعت نہیں ہوسکتی اُن کی روایتوں کی احتیاج پڑے۔۔۔مزید فرمایا۔۔۔ میں سمجھتا ہوں کہ جن لوگوں نے اِس قسم کی ضعیف حدیثیں اور مجہول سندیں نقل کی ہیں اور اُن میں مصروف ہیں اُن کے ضعف کو جاننے کے باوجود اُن کو بیان کرنا تاکہ عوام کے نزدیک اپنا کثرتِ علم ثابت کریں کہ لوگ کہیں سبحان اللہ فلاں شخص نے کتنی زیادہ حدیثیں جمع کی ہیں (وہ شخص) عالم کی بجائے جاہل کہلانے کا زیادہ حقدار ہے))۔

امام مسلم رحمہ اللہ اپنی شہرہ آفاق مجموعہ احادیث "صحیح مسلم" کے مقدمہ میں تقریباً 100 احادیث اور روایات اس بات کی دلیل پر لے کر آئے ہیں کہ حدیث صحیح ہونا ضروری ہے اُن میں سے چند پیش کی جاتی ہیں، اگر آپ حقیقت سے آگاہی چاہتے ہیں تو صحیح مسلم کا مقدمہ ضرور بالضرور پڑھیں:

نمبر ۱: سیدنا علی ﷛، سیدنا ابو ہریرہ ﷛ اور سیدنا انس ﷛ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اِرشاد فرمایا:

ترجمہ: "جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھا (یعنی جھوٹی حدیث بیان کی) وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔" (صحیح مُسلم "المقدمہ" حدیث نمبر1 ، صحیح بُخاری "کتاب العلم" حدیث نمبر106)

نمبر ۲: سیدنا عمر ﷛ اور سیدنا ابو ہریرہ ﷛ بیان کرتے ہیں کہ رسولُ اللہ ﷺ نے اِرشاد فرمایا:

ترجمہ: "اِنسان کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ سنی سنائی بات آگے بیان کردے۔" (صحیح مُسلم "المقدمہ" حدیث نمبر8)

نمبر ۳: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اِرشاد فرمایا:

ترجمہ: ''میری حدیث بیان کرتے ہوئے احتیاط کیا کرو اور صرف وہی بیان کرو جس کے بارے میں تمہیں علم ہو کہ یہ میری حدیث ہے پس جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے''۔

(جامع ترمذی ''کتاب التفسیر'' حدیث نمبر 295)

نمبر ٤: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اِرشاد فرمایا:

- **((یکون فی اٰخر الزمان دجالون کذابون یاتونکم من الاحادیث بما لم تسمعوا انتم ولا اباؤکم فایاکم و ایاھم لا یضلونکم ولا یفتنوکم))**

(صحیح مُسلم ''المقدمہ'' حدیث نمبر 16)

ترجمہ: '' آخری دور میں فریب کار جھوٹے لوگ ہوں گے، وہ تمہارے پاس ایسی احادیث لائیں گے جو نہ تم نے سنی ہوں گی نہ تمہارے آباء نے، پس اپنے آپ کو ان سے اور انہیں اپنے آپ سے دور رکھو تا کہ وہ تمہیں گمراہی اور فتنے میں مبتلا نہ کر دیں۔''

نمبر ٥: سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

ترجمہ: ''بعض اوقات شیطان انسانی شکل میں کسی مجمع کے اندر آتا ہے اور لوگوں سے حدیث بیان کرتا ہے۔ جب مجمع چھٹ جاتا ہے تو لوگ کہتے ہیں یہاں ایک شخص آیا تھا جس نے یہ حدیث بیان کی ہے جس کی شکل تو پہچانتا ہوں لیکن نام یاد نہیں اور وہ شیطان ہوتا ہے۔''

(صحیح مسلم ''المقدمہ'' روایت نمبر 17)

نمبر ٦: سیدنا عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ (المتوفی 181ھ) بیان کرتے ہیں:

ترجمہ: ''اسناد دین کا حصہ ہیں اور اگر دین میں سند موجود نہ ہو تو ہر شخص اپنی مرضی کا دین بیان کرنے لگے۔''

(صحیح مسلم ''المقدمہ'' روایت نمبر 30)

حدیث کی بہترین سند کی ایک مثال:

"امام محمد بن اسماعیل بُخاری (المتوفی ۔256ھ) نے سُنا امام احمد بن حنبل سے، امام احمد بن حنبل (المتوفی ۔241ھ) نے سُنا امام محمد بن ادریس شافعی سے، امام محمد بن ادریس شافعی (المتوفی ۔204ھ) نے سُنا امام مالک بن انس سے، امام مالک بن انس (المتوفیٰ۔179ھ) نے سُنا امام نافع خادم ابن عمر سے، امام نافع خادم ابن عمر (المتوفیٰ۔117ھ) نے سُنا سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ (المتوفیٰ۔74ھ) نے سُنا امامِ کائنات ، امامُ الانبیاء و المرسلین سیدنا محمد رسولُ اللہ ﷺ (المتوفیٰ۔11ھ) سے"

محترم مسلمان بھائیو! حدیث رسول ﷺ کے حوالے سے ایک اور بہت بڑی حقیقت آپ پر واضح ہو چکی ہے۔ دیکھا آپ نے کہ رسولُ اللہ ﷺ نے کس قدر واضح الفاظ میں اپنی امت کو بہت بڑے خطرے سے آگاہ فرمایا اور دوٹوک الفاظ میں اسلام میں من گھڑت احادیث داخل کرنے والوں کے متعلق پیشگی خبر دی اور حکم دیا کہ اپنے آپ کو ان سے دُور کر لینا کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کر دیں۔ اس کے باوجود اگر ہم ضعیف روایات کو دلیل بنائیں تو قصوروار تو ہم ہی ہوئے۔ محدثین نے احادیث کی سند کے حوالے سے بڑی محنت سے چھان پھٹک کرتے ہوئے ضعیف و موضوع احادیث کی نشاندہی کی ہے اور ضعیف احادیث اپنی کتابوں میں درج کر کے ان پر حکم لگا دیا ہے۔ اقسام احادیث کا بیان ایک تفصیل طلب مسئلہ ہے، عام لوگوں کے لیے اسے مختصراً بیان کیا جاتا ہے۔

حدیث کی روایت کے درجات: 1۔ صحیح 2۔ حسن 3۔ ضعیف 4۔ موضوع

احکام و مسائل کے لیے صرف پہلے دو درجوں سے استفادہ کرنا چاہیے۔

کتب احادیث کے طبقات اور اُن کی تفصیل

برصغیر پاک و ہند میں بریلویوں، دیوبندیوں اور سلفیوں (اہل حدیث) کے مشترکہ امام اور 12 ویں صدی ہجری کے مجدد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ (المتوفیٰ۔1176ھ) نے اپنی شہرہ آفاق

تصنیف ''حُجۃُ اللہِ البَالِغَہ'' میں کتب احادیث کے طبقات یوں بیان کیے ہیں:

طبقہ اول: ۔صحیح بُخاری ، 2۔صحیح مُسلم ، 3۔الموطاء امام مالک

طبقہ دوم: 1۔جامع ترمذی، 2۔سُنن ابوداؤد، 3۔سُنن نسائی، 4۔سُنن ابن ماجہ،

5۔مسند امام احمد

ان طبقات کو بیان کرنے کے بعد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ (المتوفی۔1176ھ) نے فرمایا:

((یاد رکھو! اہل علم محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حدیث کے موضوع پر قابل اعتماد کتب صرف پہلے دو طبقہ کی کتابیں ہیں۔اس کے علاوہ باقی احادیث کی کتابوں میں موجود روایتوں کا ان دو طبقہ (کل۔8) کتابوں سے موازنہ کروایا جائے گا اگر ان کے خلاف نہ ہوں تو قبول کر لی جائیں گی ورنہ قابل عمل نہ ہوں گی۔۔۔۔مزید فرمایا۔۔۔صحیحین (یعنی صحیح بخاری اور صحیح مسلم) کے متعلق محدثین کا اتفاق ہے کہ ان میں جتنی متصل الاسناد مرفوع احادیث ہیں وہ سب قطعی الصحت ہیں اور بلا شبہ صحیح ہیں اور کسی کو بھی اِس سے اختلاف نہیں اور علماء کرام کا قول ہے کہ جو کوئی بھی اِن کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے وہ اہلِ بدعت میں سے ہے اور جو راستہ اُس نے اختیار کیا ہے وہ مسلمانوں کا راستہ نہیں ہے۔سچی بات تو یہ ہے کہ صحیح بُخاری اور صحیح مُسلم کا باقی کتب سے مقابلہ کرو تو حقیقت تم پر خود کھل جائے گی))۔ [حُجۃُ اللہِ البَالِغَہ: مترجم: مولانا عبدالرحیم ''صفحہ نمبر 451'']

نوٹ: موطاء امام مالک اور مسند امام احمد کے علاوہ باقی چھ کتب کو صحاح ستہ (یعنی 6۔صحیح کتابیں) بھی کہا جاتا ہے۔اور اُن میں سے بھی صحیحین (یعنی صحیح بخاری اور صحیح مسلم) کی جتنی متصل الاسناد مرفوع احادیث ہیں وہ سب صحیح ہیں اور اس روئے زمین پر قرآن حکیم کے بعد اُس سے زیادہ کوئی شے قطعی الصحت نہیں جس پر صحیح بخاری اور صحیح مسلم متفق ہیں۔اور اِن متفق علیہ احادیث کی کل تعداد 1906 ہے۔جہاں تک باقی چھ کتب کا تعلق ہے تو اُن میں اکثر صحیح اور کچھ ضعیف روایات موجود ہیں جو واضح ہو چکی ہیں۔طبقہ اوّل اور دوم کی کتب کی تفصیل یوں ہے:

#	کتابیں	کُل احادیث	مُحدثین رحمھم اللہ کے نام	وفات
1	صحیح بُخاری	7,397	امام محمد بن اسماعیل بُخاری	256ھ
2	صحیح مُسلم	7,563	امام مُسلم بن حجاج قشیری	261ھ
3	جامع ترمذی	3,956	امام محمد بن عیسیٰ ترمذی	279ھ
4	سُنن ابی داوٗد	5,274	امام ابوداوٗد سلمان بن اشعث	275ھ
5	سُنن نسائی	5,761	امام احمد بن شعیب نسائی	303ھ
6	سُنن ابن ماجہ	4,341	امام محمد بن یزید ابن ماجہ	273ھ
7	الموطاء امام مالک	1,720	امام مالک بن انس	179ھ
8	مسند امام احمد	27,647	امام احمد بن حنبل	241ھ

یاد رکھیں! اب جبکہ ہر حدیث پر محدثین کی رائے موجود ہے اس کے باوجود ضعیف احادیث بیان کر کے ساتھ یہ بات واضح نہ کرنا کہ یہ ضعیف روایت ہے اللہ ﷻ کے رسول ﷺ پر جھوٹ باندھنے کے مترادف ہے اس سے ہمیں بچنا چاہیے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ جب آیاتِ قرآنی اور صحیح احادیث کثرت سے موجود ہیں تو ضعیف وموضوع روایات کو کیوں بنیاد بنایا جائے؟ دنیا کے معاملے میں تو ہم بہت ہوشیار ہیں۔ اچھی سے اچھی چیز خریدنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ ہمارا نقصان نہ ہو جائے اور جہاں ہم نے ہمیشہ رہنا ہے اس سے ہم غفلت برتتے ہیں۔ کیا اللہ کے رسول ﷺ نے سختی سے موضوع روایات سے استدلال سے منع نہیں فرمایا؟ پھر ہم کیوں ایسا کرتے ہیں؟ کیا ہم نے اللہ کے سامنے پیش نہیں ہونا؟ کاش ہم سوچیں۔

صحیح اور ضعیف حدیث کا تقابل

حقیقت حال کو سمجھنے کے لیے صرف ایک صحیح اور ضعیف روایت تقابل کے لیے پیش کی جاتی ہے تاکہ آپ کو یقین ہو جائے کہ رسول اللہ ﷺ کی خبر کس حد تک سچی ہے:

صحیح حدیث: رسول اللہ ﷺ نے ایک رسی بندھی ہوئی دیکھی تو پوچھا یہ کیا (اور کس لیے) ہے؟ کہا گیا یہ زینب (رضی اللہ عنہا) کے لیے ہے۔ جب وہ (عبادت کرتے ہوئے) تھک جاتی ہیں تو اِس سے لٹک جاتی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ایسا نہ کرو اسے کھول دو جب تک ہشاش بشاش رہو تو نماز پڑھو اور جب تھک جاؤ تو بیٹھ جاؤ۔

(صحیح بخاری''کتاب التہجد'' حدیث نمبر1150، صحیح مسلم ''کتاب الصلوۃ'' حدیث نمبر 1831)

ضعیف حدیث: ''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابتداء میں حضور اقدس ﷺ رات کو جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اپنے آپ کو رسی سے باندھ لیا کرتے تا کہ نیند کے غلبہ سے گر نہ جائیں۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں:

﴿ طٰهٰ o مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى o اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى o ﴾ (طٰہٰ، آیت:3 - 1)

ترجمہ: ''طٰہٰ (اے نبی ﷺ!) ہم نے آپ (ﷺ) پر قرآن اِس لئے نہیں اُتارا کہ آپ (ﷺ) مشقت میں پڑ جائیں بلکہ یہ (قرآن) تو نصیحت ہے ڈر رکھنے والوں کے لئے۔''

(ابن عساکر (التوفی۔571ھ)، فضائل نماز، صفحہ 82 ، تبلیغی نصاب، ص398)

اِن آیات کے ترجمہ سے ہی واضح ہے کہ آپ ﷺ کو تسلی کیلئے کہا جا رہا ہے کہ تبلیغ کریں اور اس مشقت میں نہ پڑیں کہ کوئی حق قبول کرتا ہے یا نہیں بلکہ یہ تو اللہ کا ڈر رکھنے والوں کیلئے ہی نصیحت ہے۔ اِس ضعیف حدیث کا ایک راوی ''عبدالوہاب بن مجاہد'' اِمام حاکم نیشاپوری (المتوفی۔405ھ) اور دیگر جمہور محدثین کے نزدیک متروک الحدیث اور من گھڑت موضوع حدیثیں بیان کرنے والا راوی ہے۔ عقلمند آدمی کیلئے صحیح اور ضعیف و موضوع احادیث کا فرق سمجھنے کیلئے یہ مثال کافی ہے۔

بچت کی راہ: دین کی بنیاد محکم آیات پر رکھی جائے متشابہات پر ایمان رکھا جائے، انھیں محکم کی موجودگی میں سمجھا جائے۔ صحیح و حسن روایات سے استدلال کیا جائے۔ اگر کوئی روایت صحیح و حسن روایات کے خلاف آ رہی ہو تو اس پر عمل نہ کیا جائے۔ عقائد کے لیے بالخصوص قرآن مجید کو بنیاد بنا کر احادیث سے رہنمائی لی جائے کیونکہ بنیادی عقائد قرآن مجید میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔ اولیاء اللہ و

بزرگان دین سے عقیدت ومحبت ہونی چاہیے۔قرآن وسنت کو بنیاد بناتے ہوئے ان کی تعلیمات سے استفادہ کیا جائے۔

قرآن وسنت سے رہنمائی......ایک مشکل کام

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ عام لوگ قرآن مجید کو نہیں سمجھ سکتے اور وہ ڈراتے ہیں کہ اس کا ترجمہ پڑھنے سے گمراہی پھیلتی ہے۔ عام سادہ لوح مسلمان ڈر جاتے ہیں اور اسے سمجھ کر پڑھنے سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اس کام سے منع کرنے کی بنیادی وجہ اپنے مسالک اور فرقوں کا تحفظ کرنا ہے۔ جو لوگ بھی اس کام میں مصروف ہیں ان کا موقف یہ ہے کہ قرآن مجید کو صرف ہمارے فہم کے مطابق سمجھا جائے کیونکہ باقی لوگ راہ حق پر نہیں۔ اگر قرآن سے رہنمائی کا حصول مشکل ہوتا تو انسان کو اس سے رہنمائی لینے کا پابند نہ کیا جاتا۔ یہ آسان ہے سوائے متشابہات کے۔ اس میں اہم چیزوں کو طرح طرح سے مختلف الفاظ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اسے سمجھنے کے لئے کچھ نہ کچھ کوشش تو ضرور کرنی پڑے گی۔ ہمارا یہ ذاتی تجربہ ہے کہ لوگوں نے اپنے اپنے فرقے بچانے کے لیے جو کتابیں لکھی ہیں ان کی نسبت قرآن بہت آسان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ القمر میں چار مرتبہ تاکید کے ساتھ فرمایا!

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ○﴾ (القمر: آیت۔17,22,32,40)

ترجمہ: ”یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کیلئے آسان کر دیا ہے تو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا“؟

غور فرمائیں: ایک ہی بات کو چار مرتبہ دہرانا پھر تحقیق کے ساتھ شک کا خاتمہ کرنا پھر سوالیہ انداز میں بیان فرمانا۔ کیا اس کے باوجود بھی یہ کہنے کی جرأت کی جا سکتی تھی کہ قرآن کو سمجھنا بہت مشکل ہے؟ شیطان سے بچنے کے لئے چند مزید آیات ملاحظہ کریں:

☆ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَ لَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا﴾ (الکھف: 1)

ترجمہ: ''تمام تعریفیں اس اللہ جل جلالہ کے لئے ہیں جس نے اپنے بندے پر یہ کتاب نازل کی اور اس میں ٹیڑھ وکجی نہیں رکھی''

☆ ﴿وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّ هُدًى وَّ رَحْمَةً وَّ بُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ﴾ (سورۃ النحل، آیت:89)

ترجمہ: ''اور ہم نے آپ ﷺ پر جو کتاب نازل کی ہے وہ ہر چیز کو صاف اور واضح بیان کرتی ہے اور ہدایت اور رحمت اور خوشخبری ہے مسلمین (تسلیم کرنے والوں) کے لئے''

محترم ساتھیو! اللہ کی طرف سے اس وضاحت اور خوشخبری کے بعد آپ ہرگز نہ ڈریں، اللہ کی بات پر یقین کریں اور قرآن مجید کو ترجمہ کے ساتھ سمجھ کر پڑھنے کا عہد کریں۔ انشاءاللہ آپ گمراہ نہیں بلکہ ہدایت وکامیابی پائیں گے۔

مزید یہ کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا: ((اِنّ الدینَ یُسر))

ترجمہ: ''بے شک دین آسان ہے'' (صحیح بخاری کتاب الایمان حدیث نمبر:39)

کیا اب بھی شک کی گنجائش باقی ہے؟ اللہ ہماری صحیح سمت میں رہنمائی فرمائے (آمین)۔

بعض کتابوں میں یہ بات بھی پڑھنے کو ملی ہے کہ اگر قرآن آسان ہوتا تو آنحضور ﷺ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے لیے یہ دُعا کیوں فرماتے کہ: ''اے اللہ اسے کتاب اللہ کا علم اور دین میں سمجھ بوجھ عطا فرما'' محترم ساتھیو اس دُعا کا یہ مطلب تو نہیں کہ قرآن سمجھا نہیں جاسکتا یا وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کے لیے یہ دعا نہیں کی گئی انھیں دین کی سمجھ نہ تھی۔ اس سے مراد علم اور سمجھ بوجھ کی صلاحیتوں میں اضافہ ہے۔

امید ہے آپ کو بات سمجھ آچکی ہوگی اسلئے گھبرائیں نہیں انشاءاللہ جو بھی قرآن وسنت کی طرف اخلاص کے ساتھ رجوع کرے گا اللہ تعالیٰ اسے ہدایت سے نوازے گا اور جتنا زیادہ وقت دے گا، اسے سیکھے گا، سمجھنے کی سعی کرے گا اتنی ہی زیادہ اس پر نوازشیں ہوں گی۔

اس ضمن میں اللہ ﷻ و رسول ﷺ کی بات واضح ہو جانے کے بعد ہمیں فوراً غلط موقف سے اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرنی چاہیے کیونکہ اس موقف کی وجہ سے لوگوں کی کثیر تعداد قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھنے سے محروم ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں پر فضل و رحمت فرمائے۔ ہمیں معاف فرمائے اور اپنی کتاب سے بھرپور استفادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

قرآن و سنت کو کیسے سمجھا جائے؟

قرآن و سنت سے حقیقی رہنمائی حاصل کرنے کے لیے درج ذیل اقدامات کیے جائیں:

1۔ اپنے آپ کو فرقوں کی بندش سے آزاد کر کے محض اللہ کی رضا کے لیے دین کو سمجھنے کی غرض سے اخلاص کے ساتھ قرآن مجید کی طرف رجوع کیا جائے۔

2۔ کسی بھی مکتب فکر کے لوگوں سے بنیادی عربی گرائمر (صرف و نحو) وغیرہ کے صرف وہ صیغے جو کثرت سے استعمال ہوتے ہیں سیکھ لیے جائیں۔ اگر ایسا ممکن نہ ہو تو پھر کوئی سا آسان ترجمہ لے کر غور و فکر شروع کر دیا جائے چونکہ محکم آیات بہت آسان ہیں آسانی سے سمجھ آ جائیں گی۔ یہ کہنا کہ جس طرح دنیا کی تعلیم کئی کئی سال پڑھے بغیر سمجھ نہیں آتی قرآن کیسے سمجھ آ سکتا ہے۔ یہ بات درست ہے کہ جتنا زیادہ وقت دیں گے اور صرف و نحو کی تفصیلات میں جائیں گے اُتنا ہی زیادہ فائدہ ہوگا لیکن بنیادی ہدایت کے لیے ہمیں اللہ تعالیٰ کی بات پر یقین کر لینا چاہیے اور اِس قسم کے وسوسوں پر دھیان نہیں دینا چاہیے کہ یہ بہت مشکل ہے اور نہ ہی اسے دُنیاوی تعلیم پر قیاس کرنا چاہیے۔ جب اِس کو نازل کرنے والا خود اِس بات کی گارنٹی دے رہا ہے کہ یہ عبرت و نصیحت اور ہدایت کے لیے بہت آسان ہے پھر ہم کیوں وسوسوں کا شکار ہوتے ہیں۔

3۔ قرآن خود اپنی تفسیر کرتا ہے اسی لیے اگر آپ کو ایک مقام پر کوئی بات سمجھ نہیں آئی وہی بات کئی اور جگہ مختلف انداز سے اللہ نے بیان کی ہوگی۔ صحیح بخاری اور جامع ترمذی میں کتاب

التفسیر/ابواب التفسیر کے نام سے ابواب موجود ہیں جن میں ہر پارہ کی تفصیل موجود ہے۔
اِس سے استفادہ کریں یہ قرآن کی بہترین تفسیر ہے۔شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے بھی اپنی کتاب ''الفوز الکبیر فی اصول التفسیر'' میں اِسے ہی قرآن کی بہترین تفسیر قرار دیا ہے۔تفسیر ابن کثیر جو کہ ﴿ تفسیر بالروایہ ﴾ ہے،اس میں موجود صحیح احادیث سے بھی استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

انشاءاللہ ﷻ اِن باتوں پر عمل پیرا ہوتے ہی آپ پر حق واضح ہو جائے گا۔دیر نہ کریں زندگی کسی وقت بھی ختم ہوسکتی ہے وہ جگہ جہاں ہم نے ہمیشہ رہنا ہے اُس کی تیاری کی فکر کریں۔

بات ضرور سنیں

حق سے دور رہنے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ابلیس نے لوگوں کو فرقہ واریت کی دیواروں میں محدود کر کے رکھ دیا ہے اور اس حد تک نفرت پیدا کر دی ہے کہ اپنے مسلک کے علاوہ کسی دوسرے کی بات نہیں سننے دیتا تا کہ کہیں تحقیق کا دروازہ نہ کھل جائے۔اس کا حل یہ ہے کہ جو بات آپ تک پہنچے اس پر غور کریں کہ کیا قرآن وسنت کی بات ہے۔اگر اللہ ﷻ ورسول ﷺ کی بات ہے تو پھر اس پر سوچیں۔دیکھیں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو مال وزر کی حفاظت کے لیے آیۃ الکرسی پڑھنے کا وظیفہ چور نے بتلایا تو آپ ﷺ نے فرمایا:(صدقك وهو كذوب، ذاك شيطان)۔''اس نے تحقیق سچ کہا اور تھا وہ جھوٹا،وہ شیطان تھا'' [صحیح بُخاری''کتاب بدء الخلق''حدیث نمبر3275]

تو ہم کلمہ گو بھائیوں کی بات پر غور وفکر کیوں نہیں کر سکتے اور اپنے مسلک کے علاوہ کسی کی بات کیوں نہیں سنتے۔

اہم ترین بات (Most Important)

سب سے اہم بات جو میں اپنے مسلمان بھائیوں پر واضح کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ قرآن وسنت سے بات واضح ہو جانے کے بعد اسے تسلیم نہ کرنا یا غلط تاویل کرنا اپنا مکتب فکر یا اکابرین کو بچانے کے لیے اتنا بڑا گناہ ہے جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔یہ تکبر کا بڑا درجہ ہے۔یہ ایسا تکبر ہے جس کے

ارتکاب کی انسان کوخبر بھی نہیں ہو پاتی لیکن وہ اپنے آپ کو ہلاک کر بیٹھتا ہے۔ ایسا کرنے والا دو ظلم کرتا ہے۔ایک اپنی جان پر اور دوسرا اُن لوگوں پر جن کو بنیاد بناتے ہوئے قرآن وسنت کی واضح تعلیمات سے پہلو تہی کی جاتی ہے۔ بروز قیامت جب وہ اکابرین رب کی بارگاہ میں سوال کیے جائیں گے تو وہ لوگ اُن لوگوں کے دشمن ومخالف ہو جائیں گے اور براٴت کا اظہار کریں گے۔اِس ظلم میں ملوث ہوتے ہی اللہ ﷻ انسان کی ہدایت سلب فرمالیتے ہیں اور دِل کو ٹیڑھا کر دیتے ہیں۔ ہمیں فوراً توبہ کرنی چاہیے۔ہم نے خود کئی لوگوں کو اِس حالت میں دیکھا اللہ ﷻ ہمارے بھائیوں پر رحم فرمائے اور انھیں معاف فرمائے ہوسکتا ہے ناسمجھی کی بنا پر ان سے ایسا ہوا ہو۔ہاں اگر بات سمجھنے میں غلطی ہوگئی یا دشواری پیش آئی تو انشاءاللہ عزوجل، اللہ تعالیٰ معاف فرمائے گا۔بطور عبرت اللہ ﷻ ورسول اللہ ﷺ کی بات ملاحظہ فرمائیں۔

((عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''جس شخص کے دل میں رائی کے دانے کے برابر تکبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔''ایک آدمی نے عرض کیا، آدمی پسند کرتا ہے کہ اس کا لباس اور اس کے جوتے اچھے ہوں۔(کیا یہ بھی تکبر ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک اللہ ﷻ صاحب جمال ہے اور وہ جمال کو پسند کرتا ہے،((الکبر بطر الحق و غمط الناس))، ((تکبر سے مراد، حق بات کو ٹھکرانا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے))۔

[صحیح مُسلم''کتاب الایمان''حدیث نمبر 265]

یہ بات واضح ہوگئی کہ اصل تکبر حق بات یعنی اللہ ﷻ ورسول اللہ ﷺ کی بات کو ٹھکرانا یا تسلیم نہ کرنا یا اس کے مقابلے میں کسی اور کی بات کو لے آنا ہے۔جو لوگ اللہ کی کتاب کے ساتھ ایسا معاملہ کریں یعنی واضح اور روشن دلائل کو تسلیم نہ کریں اُن کے ساتھ اللہ ﷻ کیا معاملہ فرماتا ہے ملاحظہ کریں:

☆ ﴿وَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (الاعراف،آیت:182)

ترجمہ: ''اور جو لوگ ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں انھیں ہم بتدریج لے جائیں گے

(تباہی کی طرف) ایسے طریقے سے کہ انھیں خبر تک نہ ہو گی"

☆ ﴿ سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ اِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا وَ اِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا وَ اِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ كَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ۝ ﴾ (الاعراف، آیت:146)

ترجمہ: "میں ایسے لوگوں کو اپنے احکامات سے محروم ہی رکھوں گا جو دنیا میں ناحق تکبر کرتے ہیں اور اگر وہ ساری نشانیاں دیکھ لیں تب بھی وہ ان پر ایمان نہ لائیں، اور اگر ہدایت کا راستہ دیکھیں تو اسے اپنا رستہ نہ بنائیں اور اگر گمراہی کا راستہ دیکھیں تو اس کو اپنا رستہ بنا لیں۔ یہ اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان سے غفلت برتتے رہے"۔

پیارے ساتھیو! بغیر توبہ فوت ہونے پر بروز قیامت ایسے لوگوں پر اللہ ﷻ کو رحم نہیں آئے گا۔ اللہ ﷻ کی پناہ کہ انسان ایسے فعل کا ارتکاب کرے۔ اللہ ﷻ ہمارے بھائیوں پر خصوصی مہربانی فرمائے اور انھیں حق واضح ہونے کے بعد تسلیم کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

بزرگانِ دین سے استفادہ

اللہ ﷻ کے وہ برگزیدہ بندے جنہوں نے دین کے لیے کام کیا ان سے ہمیں عقیدت محبت ہے۔ ان کی وہ باتیں جو قرآن و سنت کے مطابق ہیں ان سے رہنمائی لی جائے اور جو مطابقت نہیں رکھتیں ان سے اجتناب کیا جائے لیکن ایسی باتوں کی بنا پر اولیاء اللہ سے عداوت نہ رکھی جائے۔ اللہ ﷻ نے صرف اپنے پیغمبر ﷺ پر نازل کردہ تعلیمات کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ کے بعد کسی نبی نے نہیں آنا۔ اس کے برعکس آسمانی کتابیں تورات، انجیل تک محفوظ نہیں باقی کتابیں بھی تبدیل ہو سکتی ہیں۔ اللہ ﷻ کے رسول ﷺ نے ہدایت کی ضمانت صرف قرآن سنت پر عمل پیرا ہونے پر دی ہے۔

نوٹ: اس تحریر میں بزرگان دین کی صرف وہ آراء پیش کی گئیں ہیں جو قرآن وسنت کے مطابق ہیں۔اس کے علاوہ کئی ایسی چیزیں بھی لوگوں نے بزرگانِ دین کے ساتھ منسوب کر رکھی ہیں جو شریعت سے عدم مطابقت رکھتی ہیں۔بات کو سمجھنے کے لیے چند واقعات پیش کر دیتے ہیں۔پیرانِ پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی طرف منسوب تین مشہور واقعات جو اکثر خطباء حضرات بیان کرتے ہیں غور وفکر کے لیے پیشِ خدمت ہیں۔آپ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے بلند مقام عطا فرمایا۔ بہت سی غلط چیزیں لوگوں نے آپ کی طرف منسوب کر دی ہیں اور لوگ ان چیزوں پر قرآن وحدیث سے بڑھ کر ایمان رکھتے ہیں۔حقیقت حال ملاحظہ فرمائیں:

نمبر۱: عید کا چاند نظر آنے پر لوگوں کی کیفیت پر آپؒ نے اپنے ردعمل کا اظہار یوں فرمایا:

"لوگ کہہ رہے ہیں کل عید ہے عید ہے اور سب خوش ہیں لیکن میں (اُس دن خوش ہوں گا) جس دن اِس دنیا سے اپنا ایمان محفوظ لے کر گیا (یعنی جب خاتمہ بالخیر ہوگا)۔میرے لیے تو وہی دن عید کا دن ہوگا"

(فیضانِ سنت،عیدالفطر کا بیان)

☆ یہ واقعہ شریعت کے مطابق ہے۔

نمبر۲: ایک موقع پر آپؒ نے فرمایا:

"مجھے ایک کاغذ دیا گیا جو اتنا بڑا تھا کہ جہاں تک نگاہ پہنچے اُس میں میرے اصحاب اور مریدین کے نام تھے جو قیامت تک ہونے والے تھے اور مجھ سے کہا گیا کہ سب کو تمہارے صدقے بخش دیا گیا" (المرجع السابق،ص193)

یہ دونوں واقعات ایک دوسرے کے متضاد ہیں۔نمبر۱ میں فرما رہے ہیں کہ اگر میں دنیا سے ایمان لے گیا تو میرے لئے عید کا دن ہوگا یعنی اپنے ایمان کی فکر ہے جبکہ نمبر۲ میں اپنے سب مریدوں کو بخشش کا پروانہ دے رہے ہیں۔نمبر۲ میں بیان کی گئی بات تو کسی نبی نے بھی نہیں کہی۔بروزِ قیامت سوائے نبی کائنات ﷺ کے تمام انبیاء پریشانی کی حالت میں ہوں گے اور انہیں اپنی فکر لاحق ہوگی۔جید صحابہ کرام جو عشرہ مبشرہ میں

شامل تھے اُن پر بھی خاتمہ بالخیر اور قبر کی زندگی کا خوف غالب رہتا تھا۔ حالانکہ آنحضور ﷺ نے دُنیا میں ہی جنت کی بشارت دے دی تھی۔ مثال کے طور پر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ، سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ (جنھیں آنحضور ﷺ نے منافقین کے نام بتلائے تھے) اُن سے پوچھا کرتے تھے کہ کہیں میرا نام تو اِن میں شامل نہیں۔ مثال نمبر ۲ میں بیان کیا گیا واقعہ آپؒ پر بہت بڑا بہتان ہے۔ ایک حقیقی مومن ایسی بات کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ یہی وہ چیزیں ہیں جن کی بنا پر شیطان لوگوں کو فکرِ آخرت اور اللہ کی بندگی سے غافل کرتا ہے تاکہ انسان ہمیشہ کے لیے ناکام ہو جائے۔

نمبر ۳: بہجۃ الاسرار میں ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے جس کے مطابق آپؒ کے ایک مرید نے لوٹا غیر قبلہ رُخ رکھا جس کی بنا پر آپؒ نے جلال بھری نگاہ سے خادم کو ہلاک کر دیا۔

جس نے بھی یہ بات گھڑی ہے، بہت بڑا ظلم کیا ہے۔ اسی قسم کی بہت ساری غلط چیزیں بزرگانِ دین کی بدنامی کا باعث بن رہی ہیں۔ معاذ اللہ وہ ظالم نہ تھے بلکہ مخلوق خدا سے محبت اور پیار کرنے والے اور وہ خُدا کی طرف رہنمائی کرنے والے تھے۔ حقیقت حال سمجھنے کے لیے چند دلائل ملاحظہ کریں۔

☆ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے آنحضور ﷺ کی خدمتِ اقدس میں دس سال گزارے وہ بیان کرتے ہیں: ''میں نے دس سال نبی ﷺ کی خدمت کی، لیکن آپ ﷺ نے مجھے کبھی اُف تک نہ کہا اور نہ ہی یہ کہا کہ تو نے یہ کام کیوں کیا اور وہ کام کیوں نہیں کیا۔

[صحیح بخاری ''کتاب الادب'' حدیث نمبر 6038]

☆ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کسی آدمی کے بُرا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر خیال کرے، ہر مسلمان کا خون، اس کا مال اور اس کی عزت دوسرے مسلمان پر حرام ہے''۔

[صحیح مسلم ''کتاب البر والصلۃ'' حدیث نمبر 6541]

مزید تسلی کے لیے ایک آیت کریمہ بھی ملاحظہ کر لیں تاکہ آپ پر حقیقت واضح ہو جائے۔

ارشادِ ربانی ہے:

ترجمہ: ”جو شخص کسی کو بغیر اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا زمین میں فساد مچانے والا ہو، قتل کر ڈالے تو گویا اس نے ساری انسانیت کو قتل کر دیا، اور جو شخص کسی شخص کی جان بچائے گویا اس نے تمام لوگوں کی جان بچائی“ (المائدہ۔ آیت32)

محترم ساتھیو! بزرگان دین کی طرف منسوب اس قسم کے سینکڑوں من گھڑت واقعات سے کتابیں بھری پڑی ہیں جن سے لوگوں کا ایمان ضائع ہو رہا ہے۔ بچت کی واحد صورت قرآن وسنت ہے بغیر قرآن وسنت پر پیش کیے کسی چیز کو قبول نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمارا حامی وناصر۔ (آمین)

خلاصہ

دین کی بنیاد محکم آیات پر رکھی جائے، متشابہات پر ایمان رکھا جائے۔ انھیں محکم کی موجودگی میں سمجھا جائے۔ صحیح وحسن روایات سے استدلال کیا جائے۔ اگر کوئی روایت صحیح وحسن روایات کے خلاف آ رہی ہو تو اس پر عمل نہ کیا جائے۔ عقائد کے لیے بالخصوص قرآن مجید کو بنیاد بنا کر احادیث سے رہنمائی لی جائے کیونکہ عقائد تفصیلاً قرآن مجید میں بیان کر دیے گئے ہیں۔ اولیاء اللہ و بزرگانِ دین سے عقیدت ومحبت ہونی چاہیے لیکن قرآن وسُنت کو بنیاد بناتے ہوئے ان کی تعلیمات سے استفادہ کرنا چاہیے۔

باب ۲

شرک کی سنگینی

قرآن وسنت سے رہنمائی حاصل کرنے کے حوالے سے مختصر اور اہم ترین وضاحت کے بعد ہم اپنے اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔ یعنی ان رکاوٹوں کا بیان جو انسان کی نجات کی راہ میں حائل ہو کر ہمیشہ کے لیے انسان کو رب کی رضا اور جنت سے محروم کر دیتی ہیں یعنی شرک کی آلودگیاں۔ اس بات پر سب متفق ہیں کہ وہ گناہ جس پر فوت ہونے والے کو کبھی معاف نہیں کیا جائے گا وہ شرک ہے۔ اس کے برعکس اگر گناہوں سے روئے زمین بھی بھر جائے تو بروز قیامت معاف ہو سکتے ہیں اگر ان میں شرک نہ ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ ابلیس جو اللہ تعالیٰ ورسول ﷺ کا دشمن ہے اس کی سب سے بڑی کوشش یہی ہے کہ کسی طرح لوگوں کو شرک میں مبتلا کرے تا کہ لوگ دوزخ میں اس کے ساتھی بن جائیں۔ اس ظلم میں ملوث کرنے کے لیے شیطان کے پاس ہزاروں چالیں ہیں جن سے وہ انسانوں کو شکار کرتا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کے لیے ناقابل برداشت عمل شرک ہے اِسی لیے امام الانبیاء ﷺ سمیت تمام انبیاء اکرام علیہما السلام کی دعوت کی بنیاد شرک کی بیخ کنی پر رہی۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ﴾(النحل: آیت۔36)

ترجمہ: ''اور تحقیق ہم نے ہر اُمت میں رسول بھیجا (یہ حکم دے کر) کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے سوا تمام معبودوں سے بچو''۔

نوٹ: طاغوت کی وضاحت باب ۵ میں پیش کر دی گئی ہے۔

شرک سے اجتناب ابلیس کو کسی صورت گوارہ نہیں اس سے بچنے کی تلقین پر اسے بہت تکلیف ہوتی ہے جیسے اُسے قتل کیا جارہا ہو۔ اس لیے وہ لوگوں کو ہمیشہ اس سے غافل ہی رکھتا ہے اور لوگ اس بارے میں بات سُننا بھی گوارہ نہیں کرتے۔ چونکہ شرک سے بچنے کا تعلق مخلوقات سے تعلقات حدود و قیود کے ساتھ استوار کرنے میں ہے۔ ایسا کرنے پر شیطان یہ وسوسہ اندازی کرتا ہے کہ مقربین حق کی شان میں کمی کی جارہی ہے۔ للہذ شرک کی تفصیلات میں جانے سے پہلے انبیاء کرام (علیہم السلام) کے ساتھ ہمارے تعلقات اوران کی تعظیم وتوقیر کے حوالے سے چند اہم باتیں ذہن نشین کرلیں۔

انبیاء کرام علیہم السلام سے ہمارے تعلقات کی بنیادیں

صالحین کا اللہ ﷻ کے ہاں بڑا مقام ہے۔ بالخصوص انبیاء کرام (علیہم السلام) اللہ ﷻ کے خاص نمائندے ہیں جن کی تعظیم وتوقیر کے خاص ضابطے رب نے مقرر فرمائے ہیں۔ یقیناً تمام مخلوقات میں سب سے عظیم ہستی ہمارے پیارے رسول ﷺ کی ہے۔ آپ کی تعظیم وتوقیر اور ادب و احترام کے ضمن میں قرآن مجید سے صرف دو واقعات پیشِ خدمت ہیں:

نمبر ۱: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آنحضور ﷺ کو ''راعنا'' یعنی ہمارا لحاظ یا خیال کیجیے کے الفاظ کے ساتھ اپنی طرف متوجہ کرتے تھے۔ یہودی اپنے بغض وعناد کی وجہ سے اس لفظ کو تھوڑا سا بگاڑ کر ''راعینا'' (ہمارے چرواہے) کہتے جس کی بنا پر پروردگار نے اِس لفظ کو ہی تبدیل کروادیا اور ارشاد فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا وَ اسْمَعُوْا ۚ وَ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝﴾ (البقرہ۔آیت:104)

ترجمہ: ''اے اہلِ ایمان! تم (نبی مکرم ﷺ) کو ''راعنا'' نہ کہا کرو بلکہ ''انظرنا'' کہو اور توجہ سے سنو اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

یوں پروردگار نے بہتر لفظ **انظرنا** (ہماری طرف نظر فرمایئے) عطا کیا اور حکم دیا کہ بات توجہ سے سنو کہ اس بات کی نوبت ہی نہ آئے کہ تمہیں دوبارہ پوچھنا پڑے اور انکار کرنے والوں کے لیے

دردناک عذاب کی وعید سنائی۔معلوم ہوا آنحضور ﷺ کے بارے میں بات کرتے ہوئے بہت احتیاط کرنی چاہیے۔کوئی ایسا لفظ جس میں تحقیر کا پہلو نکلتا ہو اس سے سخت اجتناب کرنا چاہیے۔

نمبر ۲: سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ آنحضور ﷺ کی بارگاہ میں تشریف فرما تھے کہ کسی معاملہ میں آپس میں گفتگو کے دوران آواز رسول اللہ ﷺ کی آواز سے بلند ہوگئی جس پر درج ذیل آیت نازل ہوئی:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ﴾ (الحجرات۔آیت:2)

ترجمہ: ''اے ایمان والو اپنی آوازیں نبی (ﷺ) کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ ان سے اونچی آواز سے بات کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو۔کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال اکارت ہو جائیں اور تمہیں خبر تک نہ ہو۔''

حضرت ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ سے اس آیت کے شانِ نزول سے متعلق مروی ہے

''قریب تھا کہ دو بہترین ہستیاں ہلاک ہو جاتیں یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، کی آوازیں حضور ﷺ کے سامنے بلند ہوگئیں جبکہ بنوتمیم کا وفد حاضر تھا''۔

(صحیح بخاری''کتاب التفسیر''حدیث نمبر 4845)

اُمید ہے قارئین پر حقیقت واضح ہو چکی ہوگی۔بظاہر بات اتنی بڑی نہ تھی اس کے باوجود کائنات کی بہترین شخصیات پر اتنی سخت وعید نازل ہوئی۔عام آدمی اگر ان چیزوں کا لحاظ نہ رکھے تو اس کے پلّے کیا رہ جائے گا۔

قابل غور بات یہ ہے کہ آنحضور ﷺ کی آواز سے آواز بلند ہونے پر اعمال کے اکارت ہونے کی وعید ہے تو آنحضور ﷺ کی بات کو ترجیح نہ دینا اور دوسرے لوگوں کی بات کو آپ ﷺ کی بات پر بلند کرنا اور آپ ﷺ کی تعلیمات سے غفلت برتنا کیا اس سے بڑے خسارہ کا باعث نہ ہوگا۔

تفسیر ابن کثیر میں حضرت عوفی رحمہ اللہ،حضرت ضحاک رحمہ اللہ،حضرت مجاہد رحمہ اللہ اور حضرت

سفیان ثوری رحمہ اللہ کی رائے بیان کی گئی ہے کہ جو اللہ و رسول کی بات پر باقی لوگوں کی بات کو مقدم رکھے وہ اسی وعید میں داخل ہے۔ پس وہ لوگ جو اپنے اعمال اکارت ہونے سے بچانا چاہتے ہیں جلد از جلد اپنے آپ کو اللہ و رسول کی تعلیمات کے سامنے پیش کر دیں۔ دین میں اپنی مرضی کرنا چھوڑ دیں۔ اللہ و رسول کی بات ہمارے ذہن و فکر کے خلاف ہو تب بھی اسے قبول کر لیں۔

اہم ترین بات: اُمت پر آپ ﷺ کے درج ذیل حقوق ہیں:

(1) آپ ﷺ پر ایمان لانا ﴿عبده ' و رسوله﴾ (2) توقیر و احترام (3) اللہ ﷻ کے بعد مخلوقات میں سے سب سے زیادہ محبت (4) اُسوۂ حسنہ پر عمل کرنا (5) اطاعت و اتباع (6) اختلافی مسائل میں آپ ﷺ کو فیصل تسلیم کرنا (7) قرآن و حدیث پر عمل (8) درود و سلام بھیجنا۔

اگر ہم ان حقوق کو ادا کریں تو ہم کامیاب ہو جائیں اور حقیقی محب کہلوانے کے حقدار ٹھہریں۔ لوگوں کے حالات اس کے بالکل برعکس ہیں۔ دین میں اپنی مرضی کرتے ہیں، سنی سنائی باتوں پر عقائد کی بنیاد رکھ لیتے ہیں۔ محترم بھائیو یہ محض دھوکہ ہے۔ اپنے آپ کو اس فریب سے آزاد کریں۔ اس کتاب کو لکھنے کا بنیادی مقصد بھی یہی ہے کہ غلط عقائد و افعال کی حقیقت واضح کی جائے تا کہ وہ لوگ جو حق کے متلاشی ہیں کم از کم وہ تو اپنی اصلاح کر سکیں۔ اللہ ﷻ ہم سب کو دین کی بنیاد اللہ و رسول کی تعلیمات پر رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

اب ہم اللہ ﷻ کے فضل و کرم سے شرکیہ عقائد و افعال کی حقیقت واضح کرتے ہیں۔ اللہ ﷻ ہماری رہنمائی فرمائے اور حق بیان کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

شرک کی سنگینی

لا الہٰ (شرک کی نفی) اور الا اللہ (توحید) کا اثبات زبان سے ادا کرنے کے لحاظ سے تو بہت آسان ہے لیکن اسے حقیقی طور پر سمجھنا اور اسے عمل میں لے کر آنا بہت تفصیل طلب اور مشکل امر ہے۔ شرک کی نفی اور توحید کا اثبات ہی وہ عظیم دولت ہے جسے حاصل کرنے کے بعد انسان قابل رشک بن جاتا

ہے۔طلب رکھنے والوں کے لیے اس مسئلے کو تفصیل سے بیان کیا جارہا ہے تاکہ اسکا صحیح ادراک ہو سکے۔شرک کی سنگینی سمجھنے کے لیے چند آیات پیش کی جاتی ہیں۔

◆ **شرک ناقابل معافی جرم:** بغیر توبہ اگر کوئی فوت ہوا شرک کے ارتکاب پر تو اس کی بخشش محال ہے یعنی ممکن نہیں۔ارشادِ ربانی ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰى إِثْمًا عَظِيْمًا﴾(نساء:آیت۔48)

ترجمہ: ”یقیناً اللہ ﷻ شرک کو معاف نہیں کرے گا اور اسکے علاوہ جس گناہ کو چاہے گا معاف فرمائے گا اور جو اللہ کے ساتھ شریک مقرر کرے اُس نے بہت بڑا گناہ اور بہتان باندھا“۔

◆ **عبرتناک انجام:** اس جرم کے ارتکاب پر انسان کی ہلاکت کو یوں بیان فرمایا:

﴿وَ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ۝﴾ (الحج:آیت۔31)

ترجمہ: ”اور اللہ ﷻ کے ساتھ شرک کرنے والا ایسا ہے گویا آسمان سے گر پڑا اب یا تو اسے پرندے اُچک کر لے گئے یا ہوا نے اسے دوردراز پھینک دیا“

یعنی شرک کے ارتکاب پر اُس نے اپنے آپ کو تباہ و برباد کر لیا اور اسے سمجھ بھی نہ رہی کہ اُس کے ساتھ کیا ہو گیا۔

◆ **شرک ظلم عظیم:** ﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾(لقمان:آیت۔13)

ترجمہ: ”یقیناً شرک بہت بڑا ظلم ہے“۔

◆ **دعائے مغفرت سے روک دیا گیا:** حضور اقدس ﷺ اور ایمان والوں کو شرک کا ارتکاب کرنے والوں کے لیے مغفرت کی دُعا کرنے سے بھی روک دیا گیا چنانچہ:

﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَ لَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ۝﴾(سورہ توبہ:13)

ترجمہ: ''پیغمبر(ﷺ) کو اور دوسرے مسلمانوں کو جائز نہیں کہ مشرکین کے لیے دعائے مغفرت کریں اگر چہ وہ قریبی رشتہ دار ہی ہوں اس امر کے ظاہر ہو جانے کے بعد کہ یہ لوگ دوزخی ہیں''۔

اللہ ﷻ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔(آمین)

◆ **اگر (بالفرض) انبیاء کرام علیہم السلام بھی شرک؟** اللہ ﷻ نے سورۃ انعام کی آیت 88 میں اٹھارہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اسمائے گرامی کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

﴿وَ لَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝﴾

''اگر بالفرض محال یہ (میرے محبوب پیغمبر بھی) شرک کرتے تو میں ان کے اعمال بھی برباد کر دیتا۔''

◆ **امام الانبیاء علیہ السلام کے ذریعے!** اللہ رب العزت نے انسانیت کو شرک کی ہلاکت سے بچانے کے لیے اپنے پیارے حبیب ﷺ کو خطاب فرما کر اپنے قانون اور قاعدے کو واضح فرمایا ہے۔ یہ ہمیں سمجھانے کے لیے ہے ورنہ آپ ﷺ تو مبعوث ہی بالخصوص شرک کے خاتمے کے لیے کیے گئے۔ چنانچہ اللہ ﷻ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۝﴾(الزمر: آیت۔65)

ترجمہ: ''بے شک آپ (ﷺ) اور آپ سے پہلے انبیاء کی طرف یہ وحی کی جا چکی ہے کہ اگر (بالفرض) آپ (ﷺ) نے بھی شرک کیا تو آپ کے اعمال اکارت ہو جائیں گے اور آپ خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے''۔

◆ **مشرک شفاعت سے محروم**

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر پیغمبر کی ایک دُعا لازماً قبول ہوتی ہے۔ چنانچہ ہر نبی

نے اپنی مستجاب دعا مانگنے میں جلدی کی اور اُنھوں نے اپنی دُعا دنیا میں ہی مانگ لی مگر میں نے وہ دعا اپنی امت کے لیے قیامت کے دن شفاعت کی صورت میں محفوظ کر لی ہے۔ میری وہ دُعا اُمت کے ہر اس شخص کو نصیب ہوگی: ((من مات من امتی لا یشرک باللہ شیئا)) ”جو اس حالت میں مرا کہ اُس نے اللہ ﷻ کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہیں بنایا“

(صحیح بخاری ”کتاب الدعوات“ حدیث نمبر 6304، صحیح مسلم ”کتاب الایمان“ حدیث نمبر 491)

شفیع المذنبین ﷺ کی شفاعت سے محروم ہو جانے والے کی شفاعت کون کرے گا؟ آپ ﷺ نے اپنا فیصلہ سُنا دیا ہے۔ اس لیے شیطان کی چالوں میں نہ آئیں۔ شرک کی سنگینی کو سمجھیں اور اس آلودگی سے بچنے کی فکر کریں۔

◆ **شرک سے بچنے والے خوش نصیب**

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں:

”اللہ ﷻ فرماتا ہے: ﴿اُے ابن آدم! اگر تو میرے پاس زمین بھر گناہ کر کے آئے، پھر تو اس حال میں مجھ سے ملے کہ تو میرے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ ٹھہراتا ہو تو میں اُسی قدر مغفرت و بخشش لے کر تیرے پاس آؤں گا﴾۔

(جامع ترمذی ”کتاب الدعوات“ حدیث نمبر 3540)

نوٹ: مندرجہ بالا آیات اور احادیث کو پڑھ لینے کے بعد 3 اہم ترین نتائج نکلتے ہیں جن کو موت سے پہلے پہلے جاننا کسی بھی انسان کی زندگی میں سب سے ﴿اہم ترین معلومات﴾ ہیں:

1۔ شرک ہی وہ سنگین، خطرناک، بھیانک اور ناقابل معافی جرم ہے جو انسان کو ہمیشہ کے لئے جنت سے محروم کروا کر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے دوزخ کا ایندھن بنا دے گا۔

2۔ شرک کرنے والے کا بروز قیامت کوئی بھی مددگار نہیں ہوگا حتیٰ کہ امام الانبیاء و شفیع المذنبین، سیّدنا محمد رسول اللہ ﷺ بھی اُسکے کچھ کام نہ آئیں گے۔

3۔ جو بھی انسان اپنے آپ کو ہر حال میں شرک سے محفوظ رکھنے میں کامیاب ہو گیا تو اُسکے باقی گناہ معاف ہونے کی اُمید اس کائنات کے خالق اللہ جل جلالہ نے خود دِلا دی ہے۔

مشرک کی مثال

خالق کائنات نے فرمایا:

﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ اتَّخَذَتْ بَيْتًا وَ اِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾(العنکبوت،آیت:41)

ترجمہ:''جن لوگوں نے اللہ کے علاوہ حمایتی پکڑے ہیں ان کی مثال تو مکڑے کی سی ہے جو گھر بنالیتا ہے اور کمزور ترین گھر مکڑے کا ہوتا ہے، کاش کہ یہ جان لیں''

جس طرح مکڑا اپنے کمزور ترین گھر میں بیٹھ کر یہ خیال کرتا ہے کہ وہ ایک مضبوط ترین قلعے میں رہ رہا ہے اسی طرح شرک کرنے والا بھی اپنے خیال میں اپنے من گھڑت معبودوں کو اپنا فریاد رس، حاجت روا خیال کرتا ہے۔ خدا نے اسے مکڑے کے گھر سے تشبیہ دے کر سمجھا دیا ہے کہ حقیقت میں یہ کچھ بھی نہیں محض اسکا اپنا گمان ہے اسی نقطے کو سمجھانے کے لیے حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے جیل کے قیدیوں سے کہا:

﴿يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَ اَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ٥ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (یوسف،آیت۔40-39)

ترجمہ: ''اے میرے قیدی ساتھیو! کیا کئی رب بہتر ہیں یا ایک اکیلا اور زبردست رب (اللہ) اس کے سوا تم جن جن کی پوجا کر رہے ہو وہ تو (محض) نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں۔ اللہ نے ان کے لیے کوئی سند نازل نہیں فرمائی، حکم تو صرف اللہ ہی کا ہے، اس نے حکم دیا ہے کہ اسکے سوا کسی کی عبادت نہ کرو یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر

لوگ نہیں جانتے''

شرک کیوں ظلم عظیم ہے؟

ظلم کا ضد عدل ہے، ظلم کا معنی ہے کسی چیز کو اسکے اصل مقام سے ہٹا دینا یا کسی کی حق تلفی کرنا۔ انسان پر سب سے بڑا حق اللہ تعالیٰ کا ہے۔ وہ سب سے بڑا حق یہ ہے کہ اللہ کی ذات، صفات اور حقوق میں کسی کو ساجھی قرار نہ دے۔ جو ایسا کرے گا وہ اللہ کی سب سے بڑی حق تلفی کرے گا۔ شرک کی غلاظت کو واضح کرنے کے لیے اسے جگہ جگہ رجس (ناپاکی) کے لفظ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے اور بعض جگہ مشرکوں کو نجس بھی کہا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی ناپاکی سے حرم کو پاک کرنے کا حکم دیا ہے اور ایسی قوموں کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے غضب کا عندیہ دیا ہے۔

﴿قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّ غَضَبٌ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ﴾

(سورۃ الاعراف۔آیت:71)

ترجمہ: ''فرمایا تم پر تمھارے رب کی طرف سے ناپاکی اور قہر مسلط ہو چکے ہیں۔ کیا تم مجھ سے کچھ فرضی ناموں کے بارے میں جھگڑ رہے ہو جو تم نے اور تمھارے باپ دادا نے رکھ چھوڑے ہیں جن کی خدا نے کوئی دلیل نہیں اتاری۔ سو تم بھی انتظار کرو میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں''

اس آیت کریمہ میں قوم عاد کے معبودوں کے ناموں کا ذکر ہے جو انہوں نے انکی طرف منسوب کرکے بلا دلیل انہیں مافوق صفات کا مظہر ٹھرا کر اللہ کی صفات میں شریک کیا۔

قدیم صحائف اور تورات میں مشرک کو چھنال (بدکار عورت) سے تشبیہ دی گئی ہے اور قرآن مجید میں شرک اور بدکاری کو ایک جیسی اخلاقی مناسبت سے جمع کیا گیا ہے جیسا کہ فرمایا:

﴿اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْ مُشْرِکَةً وَّالزَّانِیَةُ لَا یَنْکِحُهَا اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ﴾(سورۃ النور، آیت۔3)

ترجمہ: ''بدکار مرد نکاح نہ کرنے پائے مگر کسی بدکار عورت یا مشرکہ سے اور کسی بدکار عورت سے نکاح نہ کرے مگر کوئی بدکار یا مشرک مرد اور اہل ایمان پر یہ چیز حرام کر دی گئی ہے''

ان حقائق پر غور کیا جائے تو مشرک اور بدکار عورت کے مابین پائی جانے والی نہایت گہری اخلاقی مناسبت معلوم ہوتی ہے۔ بدکار عورت نکاح میں آنے کے بعد نان ونفقہ اور دیگر تمام حقوق اپنے خاوند سے حاصل کرتی ہے اسکے باوجود دوسروں کی خواہشمند ہوتی ہے۔ اسی طرح مشرک ربوبیت کا عہد خدا سے باندھتا ہے۔ اسی کا پیدا کردہ رزق، ہوا اور پانی استعمال کرتا ہے لیکن بندگی غیر کی کرتا ہے اور دوسروں کو خدا کے حقوق میں شریک کرتا ہے۔ اسی لیے قرآن مجید نے مشرک کو خائن (خیانت کرنے والا) بھی کہا ہے۔

ایک غیرت مند مرد سب کچھ برداشت کر سکتا ہے لیکن بیوی کی بے وفائی برداشت نہیں کر سکتا کیونکہ اگر وہ ایسا کرے تو وہ انسان سے دیوث بن جاتا ہے۔ تو اللہ سے زیادہ کوئی غیور نہیں اسکی غیرت اتنا بڑا ظلم کیسے برداشت کر سکتی ہے۔ اسی لیے اس نے شرک کو کائنات کا سب سے بڑا ظلم قرار دیا ہے اور مشرک پر بروز قیامت جنت حرام کر دی ہے اور اسکا ابدی ٹھکانہ آگ بنایا ہے۔

یہ مختصری وضاحت آپکی خیر خواہی کے لیے پیش کی گئی ہے تاکہ آپ اگر چاہیں تو معاملے کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے پہلی فرصت میں اس بڑے خسارے سے نجات حاصل کرنے کا پختہ عہد کریں۔

دوزخ کے دردناک عذاب کی کیفیت

خدانخواستہ اگر ہم شرک کی آلودگیوں سے بچنے میں ناکام ہو گئے تو خطرناک انجام سے دوچار ہونا پڑے گا، ایسی خوفناک جگہ جہاں آگ کا لباس پہنایا جائے گا، جب ایک کھال گل جائے گی تو دوسری

کھال سے بدل دی جائے گی۔ آگ کے اندر ہمیشہ سے رہنا ہوگا، نہ موت آئے گی کہ مر جائیں اور نہ ہی مہلت دی جائے گی۔ کفر وشرک پر مرنے والا انسان اپنی نجات کے بدلے میں زمین بھر سونا بھی دینا چاہے تو ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور انسان اپنی جان بچانے کے لئے یوں خواہش کرے گا:

﴿وَلَا يَسْئَلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا o يُّبَصَّرُوْنَهُمْ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ بِبَنِيْهِ o وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُؤْوِيْهِ o وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ يُنْجِيْهِ o كَلَّا اِنَّهَا لَظٰى o نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى o تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى o﴾ (سورہ المعارج: 17-10)

ترجمہ: ''اور (جس دن) کوئی دوست کسی دوست کو نہ پوچھے گا، دکھائی دیں گے ایک دوسرے کو، ہر مجرم تمنا کرے گا کہ کاش! بطور فدیہ دے سکتا آج کے عذاب سے بچنے کے لئے اپنے بیٹوں کو، اپنی بیوی کو، اپنے بھائی کو، اپنے خاندان کو جو اسے پناہ دیتا تھا، اور روئے زمین کے سب لوگوں کو دینا چاہے گا تاکہ یہ اسے نجات دلا دے، (لیکن) ہرگز ایسا نہ ہوگا، یقیناً وہ شعلہ والی آگ ہے جو نوچ لے گی گوشت پوشت کو۔ وہ بلائے گی ہر اس شخص کو جو پیٹھ پھیرتا اور منہ موڑتا ہے۔''

سوچنے کی بات: کیا آج کوئی ماں اپنے بیٹے کو آگ میں جلتا دیکھ سکتی ہے؟ لیکن بروز قیامت اسے صرف اپنی فکر ہوگی اور اپنی جان بچانے کی خاطر وہ یہ بھی گوارہ کر لے گی۔ آج ہم جن مذہبی اکابرین کی خاطر قرآن وسنت کی واضح تعلیمات کو پس پشت ڈال کر غلط عقائد پر زندگی بسر کرتے ہیں کیا وہ وہاں ہمارے کام آئیں گے؟ ہرگز نہیں۔ تو پھر اگر آپ اپنے ساتھ مخلص ہیں تو شرک کو ہر پہلو سے سمجھیں، قرآن وسنت کو بنیاد بناتے ہوئے اس ظلم سے بچنے کی کوشش کریں۔

قارئین گرامی: اُمید ہے آپ پر حقیقت واضح ہو چکی ہوگی۔ جو کچھ آپ نے پڑھا ہے اس پر ہزار بار سوچیں! کیا علماء کا فرض نہیں تھا کہ حضور اقدس ﷺ کے بھولے بھالے اُمتیوں کو اس خطرہ سے آگاہ کرتے۔ یقیناً دنیا میں سب سے بڑی صلہ رحمی یہی ہے کہ لوگوں کو شرک سے بچایا جائے۔ جب ہم دنیا میں اپنے عزیزوں کو آگ میں جلتا نہیں دیکھ سکتے تو پھر آخرت کے حوالے سے **غفلت**

کیوں؟ اگر بات سمجھ آ گئی ہے تو اللہ ﷻ کا شکر ادا کریں اور اگر اپنا بھلا چاہتے ہیں سب سے پہلے شرک کو سمجھیں کہ موت کسی وقت بھی آ سکتی ہے۔ اللہ ﷻ ہمارے حال پر رحم فرمائے۔ (آمین)

شرک کی حقیقت اور اقسام

اب اصل سوال یہ ہے کہ آخر شرک ہے کیا؟ کون سے اعمال وعقائد شرک میں داخل ہیں کون سے نہیں؟۔ چونکہ شرک سے بچنے کا تعلق اس کی حقیقت واقسام سے آگاہی پر موقوف ہے اس لیے یہاں ابلیس پھر پوری قوت سے متحرک ہوگا اور اس کی پوری کوشش یہ ہوگی کہ انسان شرک کی حقیقت کو کما حقہ سمجھنے سے قاصر رہے۔ اس کی وسوسہ اندازی دو طرح سے ہوگی اوّلاً مختلف تاویلات سے شرک کو جائز قرار دلوایا جائے کہ لوگ شرکیہ افعال وعقائد کو شرک سے بری الذمہ قرار دے دیں اور ثانیاً شرک کی اقسام کے حوالے سے لوگوں میں شبہات پیدا کیے جائیں کہ شرک تو ایک سے زائد خدا تسلیم کرنے کو کہتے ہیں۔ باقی اقسام کہاں سے آ گئیں؟ کیا اللہ ﷻ و رسول ﷺ نے اقسام بیان کیں؟ وغیرہ۔

پیارے بھائیو! ان وساوس کا حل بھی قرآن وسنت ہی ہے۔ شرکیہ افعال وعقائد پر قرآن وسنت میں واضح وعیدیں موجود ہیں۔ اگر اللہ اور اُس کا رسول ﷺ کسی کام کے کرنے کو شرک قرار دے تو وہ شرک ہی ہوگا نام چاہے اس کا آپ کچھ بھی رکھ لیں۔ اقسام شرک میں ناموں کی اہمیت نہیں بلکہ اہمیت ان امراض کی ہے جنہیں اللہ و رسول ﷺ شرک قرار دے دیں یا جن سے منع فرما دیں۔ افراط وتفریط سے بچنا چاہیے نہ تو ہر شئے کو بلا تحقیق شرک قرار دینا چاہیے اور نہ ہی من مانی کرتے ہوئے ہر چیز کو جائز قرار دینا چاہیے۔ بہت محتاط رویہ اپنانا چاہیے اور شک والی چیزوں کو بھی ترک کر دینا چاہیے۔

شرک ہے کیا؟

شرک لغت میں آمیزش کرنا یا دو آدمیوں کا ایک چیز میں حصے دار ہونا اور اصطلاح شریعت میں اللہ ﷻ کی ذات وصفات یا حقوق میں مخلوق میں سے کسی کو شریک، ساجھی اور حصے دار سمجھنا۔

یہ ظلم دو میں سے کوئی ایک شکل اختیار کرتا ہے۔

(i) اللہ ﷻ کو اُس کے اصل مقام سے نیچا کر کے کسی اعتبار سے مخلوق کی صف میں کھڑا کرنا۔

(ii) محبت کے غلو میں مخلوقات میں سے کسی کو کسی اعتبار یا پہلو سے اللہ ﷻ کے برابر کر دینا۔

شرک کی اقسام

قرآن وسنت سے سلف صالحین نے اقسام بیان کیں جیسے امام راغب رحمہ اللہ متوفی 502 ہجری کے مطابق چند اقسام بیان کی جاتی ہیں لیکن اصل دلیل قرآن وسنت سے وعید ہوگی۔

<u>شرک عظیم / شرک اکبر:</u> ذات وصفات اور حقوق میں کسی کو شامل کرنا۔ اس کے ارتکاب سے انسان ملت اسلامیہ سے خارج ہو جاتا ہے۔

<u>شرک اصغر:</u> اللہ تعالیٰ کی بندگی کرتے ہوئے کسی اور کی خوشنودی بھی مدنظر رکھنا، جیسے ریاکاری، نفاق، غیر اللہ کی قسم کھانا وغیرہ۔ اس سے انسان گنہگار ہوتا ہے اور ملت اسلامیہ سے خارج نہیں ہوتا۔

<u>شرک اکبر کی اقسام:</u>

(1) شرک فی الذات (2) شرک فی الصفات (3) شرک فی الحقوق

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اگلے ابواب میں ان اقسام کی تفصیلات بیان کی جائیں گی۔

باب۳

کیا اُمت مسلمہ سے شرک ختم ہو چکا؟

سب سے بڑے خطرے کے پیش نظر ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ جن چیزوں میں شرک کی آلودگی کا شائبہ بھی ہوتا ان سے اجتناب کروایا جاتا۔ لیکن اس کے برعکس لوگوں کو تسلیاں دے کر گہری نیند سلایا جا رہا ہے کہ کلمہ گو شرک کا ارتکاب نہیں کر سکتا۔ بہت ساری آیات اور احادیث اس پر گواہ ہیں کہ کلمہ گو بھی شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔ صرف دو پیش خدمت ہیں تا کہ عام لوگ اس ہلاکت سے بچ سکیں۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

- ﴿ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴾

(انعام: آیت۔82)

ترجمہ: ''جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ نہیں ملایا ایسے ہی لوگوں کے لیے امن ہے اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں''۔

درج بالا آیت اہلِ اسلام پر بڑی گراں گزری۔ صحابہ کرام آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے پوچھا کون ہے جو ظلم سے بچا ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس سے مراد عام ظلم نہیں بلکہ شرک ہے''۔

(صحیح بخاری'' کتاب التفسیر'' حدیث نمبر 4629، صحیح مسلم'' کتاب الایمان'' حدیث نمبر 327)

بات بالکل واضح ہوگئی کہ ایمان لانے کے باوجود بھی شرک کی آمیزش ہو سکتی ہے۔

- ﴿ وَ مَا یُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَ هُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴾ (سورہ یوسف، آیت:106)

ترجمہ: ''اور نہیں ایمان لاتے ان میں سے اکثر اللہ کے ساتھ مگر اس حالت میں کہ وہ شرک کرنے والے ہوتے ہیں'' (ضیاالقرآن از پیر کرم شاہ صاحب رحمہ اللہ)

احادیث نبوی ﷺ: حضور اقدس ﷺ نے اُمت کی رہنمائی فرمائی ہے اور کئی احادیث موجود ہیں تطبیق کے لیے چند احادیث پیش کی جاتی ہیں:

نمبر ۱: سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اِرشاد فرمایا:

''میں تمہارے متعلق اس بات سے خائف نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرو گے لیکن مجھے ڈر ہے کہ تم ایک دوسرے کے مقابلے میں دنیا میں رغبت کرو گے''۔

(صحیح بخاری ''کتاب الجنائز'' حدیث نمبر 1344، صحیح مسلم ''کتاب الفضائل'' حدیث نمبر 5976)

محدثین کے نزدیک اس کا مفہوم یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی ساری اُمت مشرک نہیں ہوگی بلکہ بعض افراد اور قبیلے شرک کریں گے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری (211/3) میں لکھتے ہیں کہ ''اس فرمان کا معنی یہ ہے کہ اُمت مجموعی طور پر مشرک نہیں ہوگی۔ لہٰذا اُمت مسلمہ میں سے بعض (افراد وقبائل) کی طرف سے شرک کا وقوع ہوا ہے۔''

بلکہ سیدنا ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اِرشاد فرمایا

''بے شک اللہ جل جلالہ نے مجھے خبر دی ہے کہ کبھی بھی میری ساری اُمت گمراہ نہیں ہوگی۔''

(سنن ابی داؤد ''کتاب الفتن'' حدیث نمبر 4253)

نمبر ۲: سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے اِرشاد فرمایا:

''بے شک بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں تقسیم ہوئے اور میری اُمت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو گی ایک ملت کے سوا باقی سب جہنم میں ہوں گے، پوچھا گیا وہ ملت کون سی ہو گی آپ ﷺ نے فرمایا ''جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں''۔

(جامع ترمذی ''کتاب الایمان'' حدیث نمبر 2641)

مذکورہ خبر کے مطابق آپ ﷺ کی امت کے بہتر فرقوں کے دوزخ میں جانے کی بنیادی وجوہات عقیدہ وعمل میں پائی جانے والی ایسی بدعات ہیں جو انسان کو کفر وشرک کے درجے تک لے جائیں۔ اللہ ہمیں اپنی پناہ میں رکھے۔(آمین)

نمبر ۳: سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اِرشاد فرمایا:

﴿ لتتبعن سنن من كان قبلكم شبرا بشبر و ذراعاً بذراع حتىٰ لو سلكوا جحر ضب لسلكتموه قلنا يا رسول الله اليهود والنصارى؟ قال فمن؟ ﴾

(صحیح بخاری "کتاب الاعتصام" حدیث نمبر 3456 ، صحیح مسلم "کتاب العلم" حدیث نمبر 6781)

ترجمہ: "یقیناً تم بھی پہلے لوگوں کے طریقوں کے پیچھے چل پڑو گے جس طرح بالشت، بالشت کے ساتھ اور ہاتھ، ہاتھ کے ساتھ (برابر ہوتا ہے) حتیٰ کہ اگر پہلے لوگوں نے کسی گوہ کے سوراخ میں داخل ہونے کا (بے ہودہ اور فضول) کام کیا تو تم بھی اُن کے پیچھے چلو گے۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ ﷺ اُن پہلے لوگوں سے مراد کیا یہودی اور نصرانی (عیسائی) ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر وہ مراد نہیں تو اور کون مراد ہیں۔؟ "

درج بالا حدیث سے بلا شک وشبہ ثابت ہو گیا کہ اُمت مسلمہ بھی شرک میں مبتلا ہو جائے گی۔

نمبر ٤: سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اِرشاد فرمایا:

﴿ لا تقوم الساعة حتىٰ تلحق قبائل من اُمتي بالمشركين و حتى تعبد قبائل من اُمتي الاوثان ﴾

(سُنن ابی داؤد "کتاب الفتن" حدیث نمبر 4252)

ترجمہ: " اُس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی جب تک میری اُمت میں سے کچھ قبائل مشرکین کیساتھ نہ مل جائیں اور یہاں تک کہ میری اُمت کے کچھ قبائل بتوں کی پرستش کریں گے۔"

اوثان: وثن کی جمع ہے جس سے مراد ہر وہ چیز جس کی اللہ تعالیٰ کے علاوہ عبادت کی جائے۔

نمبر ٥: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اِرشاد فرمایا:

"جو کوئی مسلمان فوت ہو جائے اور اُس کی نمازِ جنازہ میں 40 ایسے لوگ شامل ہوں جو اللہ ﷻ کے ساتھ شرک نہ کرتے ہوں تو اللہ ﷻ اس فوت شدہ کے حق میں ان لوگوں کی سفارش کو قبول فرماتا ہے"۔ (صحیح مسلم "کتاب الجنائز" حدیث نمبر 2198)

نمازہ جنازہ تو مسلمان ہی پڑھتے ہیں اس کے باوجود فرمانا کہ "وہ شرک نہ کرتے ہوں" سے 100 فیصد ظاہر ہے کہ کلمہ گو بھی شرک کر سکتا ہے۔

نمبر ٦: سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"جو شخص نماز فجر کے بعد 10 مرتبہ **لا اله الا الله وحده لا شريك له**..... پڑھے گا وہ اس دن ہر برائی سے محفوظ رہے گا اور اسے شیطان کی پہنچ سے دُور کر دیا جائے گا اور اسے اس دن شرک کے علاوہ کوئی گناہ ہلاک نہیں کر سکے گا"۔

(جامع ترمذی "کتاب الدعوات" نمبر 3474)

یعنی نماز اور یہ کلمات پڑھنے والا بھی شرک کر سکتا ہے۔

قربِ قیامت میں دین کی حالت

حضور اقدس ﷺ کے فرامین کی روشنی میں آپ ﷺ کے دورِ نبوت کے بعد والے زمانے خراب سے خراب تر ہوتے جائیں گے اور قربِ قیامت میں شرک و بدعات اور جملہ برائیوں کا غلبہ ہوگا اور رفتہ رفتہ حالت یہاں تک پہنچ جائے گی کہ لوگ کھلم کھلا شرک کا ارتکاب کریں گے۔ جیسے آپ ﷺ نے فرمایا:

نمبر ٧: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سُنا:

((**لايذهب الليل والنهار حتى يعبد اللات والعزى**)) (صحیح مسلم "کتاب الفتن" حدیث نمبر 7299)

ترجمہ: "رات اور دن ختم نہیں ہوں گے حتیٰ کہ پھر سے لات اور عزیٰ کی پوجا کی جائے گی"۔

نمبر ۸: قیامت سے قبل قبیلہ دوس کی عورتوں کا شرک میں مبتلا ہونا

سیدنا ابوہریرہ ﷛ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اِرشاد فرمایا:

((لا تقوم الساعة حتى تضطرب اليات نساء دوس على ذى الخلصة و ذو الخلصة: طاغية دوس التى كانوا يعبدونها فى الجاهلية))

(صحیح بُخاری ''کتاب الفتن'' حدیث نمبر 7116 ، صحیح مسلم ''کتاب الفتن'' حدیث نمبر 7298)

ترجمہ: ''قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ قبیلہ دوس کی عورتوں کے سرین ذی الخلصہ پر حرکت کریں گے اور ذی الخلصہ قبیلہ دوس کا بُت تھا جس کو وہ زمانہ جاہلیت میں پوجا کرتے تھے''۔

لمحۂ فکریہ! درج بالا احادیث سے ثابت ہوگیا کہ اُمت مسلمہ بھی شرک میں مبتلا ہوگی۔ یہ بات ویسے بھی عام فہم ہے کہ جب تک شیطان موجود ہے، وہ انسان کا سب سے بڑا نقصان کرنے سے کیسے باز رہ سکتا ہے الا کہ اللہ تعالیٰ اپنا قانون وقاعدہ ہی بدل دے۔ کیا اب بھی شک کی گنجائش ہے؟ اور ہر انسان کو اپنے ایمان کی فکر ہونی چاہیے اسلئے خوابِ غفلت سے جاگیں، شرک کو ہر پہلو سے سمجھیں اور بچنے کی تدبیر کریں۔

ایک شبہ اور اُس کا ازالہ

بعض بھائی درج ذیل روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ مسلمان شرک کا ارتکاب نہیں کرسکتا۔ روایت ملاحظہ کریں:

''سیدنا حذیفہ بن الیمان ﷛ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے تم پر اُس آدمی کا بڑا خوف ہے جو قرآن پڑھے گا یہاں تک کہ اُس کی تازگی اُس کے چہرے پر ظاہر ہوگی اور وہ (بظاہر) اسلام کی مدد کرنے والا ہوگا جس قدر اللہ تعالیٰ

چاہے گا اُسے متغیر کردے گا پھر وہ دینِ اسلام سے نکل جائے گا اور دین کو اپنی پیٹھ پیچھے پھینک دے گا۔ اپنے مسلم پڑوسی پر تلوار کے وار کرے گا اور اُس پر شرک کی تہمت لگائے گا۔ حذیفہ ﷜ نے فرمایا کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی شرک کی تہمت لگانے والا شرک کے قریب ہوگا یا جس پر شرک کی تہمت لگائی جائے گی وہ شرک کے قریب ہوگا۔ فرمایا بلکہ شرک کی تہمت لگانے والا خود شرک کے قریب ہوگا۔"

(صحیح ابن حبان 81، مجمع الزوائد)

وضاحت: اِس روایت کے مطابق:

(1) مذکورہ آدمی بظاہر اسلام میں ہوگا پھر اسلام کو چھوڑ دے گا اور اپنے مسلم پڑوسی پر تلوار چلائے گا اور شرک کا بہتان لگائے گا یعنی جو شرک میں ملوث نہیں اُس پر جھوٹ باندھے گا۔ یعنی حقیقتاً اُس کا پڑوسی شرک سے محفوظ اور بری ہوگا۔ یقیناً یہ بہت بڑا گناہ ہے کسی پر ایسی تہمت لگانا جو اُس میں موجود نہ ہو چنانچہ آنحضور ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے مسلم بھائی کو کہے اے کافر یقیناً دونوں میں سے کسی ایک پر کفر کا فتویٰ ضرور لوٹے گا۔ پس معلوم ہوا بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ بغیر تحقیق کسی پر کفر یا شرک کا فتویٰ ہرگز نہیں لگانا چاہیے۔ لوگوں پر حسن ظن رکھا جائے کسی خاص انسان کو نشانہ بنائے بغیر عموم کے ساتھ شرکیہ افعال کی نشان دہی کرنی چاہیے۔

(2) قرآن مجید اور درجہ اوّل کی کتب احادیث بخاری، مسلم وغیرہ میں خود آنحضور ﷺ نے صراحت کے ساتھ یہ بات واضح فرمائی ہے کہ اُمت مسلمہ بہت بُری طرح یہود و نصاریٰ کی پیروی کرے گی اور شرک میں مبتلا ہوگی۔ اور اس سے بچنے کی سخت تلقین فرمائی اور ایسے لوگوں کی شفاعت سے بھی دستبرداری فرمائی۔ آنحضور ﷺ نے خود فرمایا کہ میری اُمت کے کچھ قبائل بتوں کو پوجیں گے اور قیامت سے پہلے لات وعزیٰ کی پوجا دوبارہ سے شروع ہو جائے گی وغیرہ۔ اِس لیے کسی ایک ہی حدیث سے فیصلہ نہیں ہوتا بلکہ تمام دلائل کو سامنے رکھ کر تطبیق پیدا کرنی چاہیے۔

(3) جب کوئی شرک سے بری مسلم پر شرک کا فتویٰ لگائے گا تو شرک اُس کی طرف لوٹ آئے گا جو کہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اُمتِ مسلمہ میں شرک آئے گا۔

یاد رکھیں! شرکیہ افعال وعقائد کی نشاندہی پوری کوشش سے کریں لیکن کسی پر شرک کے فتوے صادر نہ کریں۔ جس نے شرکیہ افعال وعقائد کو سمجھنے میں غفلت کی اُس نے اپنا بہت بڑا نقصان کیا۔ ابلیس دھاک لگائے بیٹھا ہے کہ کسی طرح لوگوں کو شرک میں مبتلا کر دے اور اپنا ہمیشہ کا ساتھی بنا لے۔ اللہ تعالیٰ اُمتِ مسلمہ کو اتحاد و اتفاق نصیب کرے، چیزوں کو صحیح طور پر سمجھنے اور شرکیہ افعال وعقائد کے حوالے سے انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے اصحاب کی طرح ہوشیار رہنے کی توفیق عطا فرمائے جنہوں نے شرک کی بجائے عقیدہ توحید کو اپنایا اور دنیا و آخرت میں کامیاب ہوئے۔ (آمین)

ایک تلخ حقیقت

یہ حقیقت ہے کہ شرکیہ افعال وعقائد انسانی طبع و مزاج کو بہت محبوب ہوتے ہیں کیونکہ شیطان کو کسی صورت یہ گوارہ نہیں کہ انسان شرک سے بچ سکے۔ اس لیے وہ انسان کو اس طرف آنے ہی نہیں دیتا اور بے شمار وسوسے ڈالتا ہے جیسے! شرک ختم ہو چکا ہے، کلمہ گو شرک کا ارتکاب نہیں کرسکتا وغیرہ۔

یاد رکھیں! شرکیہ اعمال کو ترک کرنے سے انسان تکلیف محسوس کرتا ہے۔ عافیت اِسی میں ہے کہ فوراً اپنے آپ کو قرآن وسنت کے حوالے کر دیں اور جو رہنمائی یہاں سے ملے وہ ہماری سوچ کے خلاف ہو یا مطابق سمجھ آجانے پر فوراً قبول کرلیں اور سابقہ کوتاہیوں سے توبہ کریں ورنہ بروز قیامت کسی لیڈر کی بجائے اعمال صالحہ ہی کام آئیں گے جو شرک کی نجاست سے پاک ہوں۔

باب ۴

شرک کی بنیادی معلومات
اور
سرورکائنات ﷺ کی احتیاط

شرک کے متعلق چند بنیادی معلومات جنھیں سمجھنا نہایت ضروری ہے، پیش خدمت ہیں:

الفاظ کا ظاہری اشتراک شرک نہیں

بعض الفاظ اللہ تعالیٰ اور انسانوں کے لیے استعمال ہوئے ہیں جیسے:

''رحیم'' اللہ کے لیے اور ''رؤف رحیم'' حضور اقدس ﷺ کے لیے۔ اسی طرح ''السمیع البصیر'' اللہ ﷻ کے لیے اور انسان کے لیے ''سَمِیْعاً بَصِیْراً''۔ ''مولیٰ'' اللہ ﷻ کے لیے اور انسانوں کے لیے وغیرہ وغیرہ۔

اس طرح کے الفاظ کے ظاہری اشتراک سے اس وقت تک شرک نہیں ہوگا جب تک معنی کے اعتبار سے شراکت نہیں ہوگی۔ جیسے اللہ ﷻ کی صفات ذاتی اور مخلوق کی عطائی۔ اللہ ﷻ کی مستقل قدیم اور مخلوق کی حادث اور زوال پذیر۔ اللہ ﷻ کی صفات لامتناہی اور مخلوق کی محدود۔

انتباہ: محتاط رویہ اپنایا جائے اور حد سے تجاوز نہ کیا جائے۔ جیسے پیغام لانے والے کو ''پیغمبر'' یا ''رسول'' کہتے ہیں۔ اب اسے ہر پیغام لانے والے پر استعمال کیا جائے گا تو یہ درست نہ ہوگا۔ اسی

طرح بعض صفات صرف اللہ کے ساتھ خاص ہیں اُنھیں تخلوقات کے لیے ہرگز استعمال نہ کیا جائے جیسے الٰہ ہونا، غائب سے مدد کے لیے پکارنا یعنی دُعا وغیرہ۔ اِن صفات میں غیر مستقل بالذات، عطائی اور محدود وغیرہ کا فرق رکھنے کے باوجود مخلوقات میں ماننا، شرک تصور ہوگا جس کی تفصیلات اگلے ابواب میں بیان کی گئی ہیں۔ چونکہ اِن چیزوں کا تعلق عقائد سے ہے اِس لیے بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ اِس ضمن میں قرآن وسنت سے دلیل کی پیروی کی جائے۔

خلق اور تدبیر: خلق اور تدبیر بھی اللہ تعالیٰ کی خاص صفات ہیں۔ یہی وہ صفات ہیں جو استحقاق عبادت ہیں اور خالق اور مخلوق میں فرق کرتی ہیں، جنھیں کثرت کے ساتھ قرآن مجید میں بیان کیا گیا۔ سابقہ مشرکین بھی اس بات کا اعتراف کرتے تھے کہ مدبر کائنات اللہ کے سوا اور کوئی نہیں، جیسا کہ ان سے سوال کیا گیا:

﴿ وَ مَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ...... ﴾ (یونس۔آیت:31)

ترجمہ: ”(ان سے پوچھیے) کون تدبیر کرتا ہے اُمور کی تو وہ ضرور کہیں گے اللہ“

خالق کے لفظ کے ساتھ تو مخلوقات کا ہرگز اشتراک نہیں کرنا چاہیے کیونکہ مخلوقات ایک ذرہ بھی تخلیق نہیں کرسکتیں ہاں یہ ضرور ہے کہ خالق نے اپنی پیدا کردہ جن چیزوں کو انسان کے لئے مسخر کیا ہے ان پر انسان کو تصرف دیا ہے۔ مدبر امور کا لفظ اللہ تعالیٰ نے غالباً فرشتوں یا ہواؤں کے لئے استعمال کیا ہے، فرمایا:

﴿فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ﴾ (سورۃ النازعات، آیت:5)، ترجمہ: ”امور کی تدبیر کرنے والے“

ایک اور جگہ تخصیص کے ساتھ ہواؤں کے لئے آیا: ﴿فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ﴾ (سورۃ الذاریات، آیت:4)

ترجمہ: ”امور کی تقسیم کرنے والیاں“

یعنی جس طرف یا جیسے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اسی طرح چلنے والیاں۔

اس لفظ کا اطلاق اگر فرشتوں پر کیا جائے تو اسکا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ کے حکم اور اذن کے تحت اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیئے گئے احکام کو خدا کی منشاء کے مطابق نافذ کرنے والے اور اگر ہواؤں پر کیا جائے تو بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کی بعینہٖ پیروی ہی ثابت ہوتی ہے۔ بہرکیف فرشتے ہوں یا ہوائیں یہ اپنی مرضی نہیں کرتے، انکا کام صرف اللہ کے حکم کی پابندی کرنا ہے۔ اسی لئے ہم بارش یا ہوا کے لئے اللہ سے عرض کرتے ہیں نہ کہ فرشتوں سے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اللہ چاہے تو ہواؤں کو فرشتوں کے تابع کردے یا حضرت سلیمان علیہ السلام کے۔ ہمیں دلیل کی پیروی کرنی چاہیئے۔

اس وضاحت سے یہ بات واضح ہوئی کہ فرشتوں کا مدبر ہونا حکم الٰہی کی بجا آوری کے معنوں میں ہے۔ بہرکیف اگر معنی میں شراکت نہ ہو تو اللہ کے سوا کسی کو مدبر کہنے سے شرک نہ ہوگا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ مدبر کائنات اللہ کے سوا کوئی نہیں جو بارشوں کے برسنے، موسم، مخلوقات میں نر و مادہ کی تقسیم ۔۔۔۔ وغیرہ کی تدبیر کرتا ہو۔ اصل بات یہی ہے کہ احتیاط کرنی چاہیئے کیونکہ ایسی صفات کثرت سے مخلوقات کے لئے استعمال کرنے سے انسان رفتہ رفتہ خالق کو پس پشت ڈال دیتا ہے اور مخلوق کو خالق کی جگہ لے آتا ہے۔

من دون اللہ کی وضاحت

قرآن مجید میں شرک پر وعید اکثر "من دون الله" یا "من دونه" کے الفاظ کے ساتھ آئی ہے اور شیطان نے لوگوں کو اس دھوکے میں مبتلا کردیا ہے کہ "مِنْ دُوْنِ اللّٰہ" سے مراد صرف بُت ہیں اس لیے باقی مخلوقات اس زمرے میں نہیں آتیں جو کہ محض دھوکہ ہے۔ یاد رہے خدا کے برگزیدہ بندے، خدا کی رحمت اور فضل کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کے بہت قریب ہیں لیکن خدا کی ذات وصفات میں شرکت کے حوالے سے "من دون الله" ہیں جیسے قرآن مجید میں واضح طور پر بیان کیا گیا چنانچہ:

(i) ﴿ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ وَ اُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ۚ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ۚ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا وَ اللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴾

(المائدہ، آیت: 75-76)

ترجمہ: ''مسیح ابن مریم نہیں ہیں مگر ایک رسول، اِس سے پہلے بھی بہت سے رسول ہو چکے ہیں، اِن کی والدہ ایک راست باز عورت تھیں، دونوں ماں بیٹے کھانا کھایا کرتے تھے آپ دیکھیے کہ کس طرح ہم اِن کے سامنے آیات کھول کر بیان کرتے ہیں پھر غور کیجیے کہ وہ کس طرح پھرے جاتے ہیں۔ فرما دیجیے کہ کیا تم اللّٰہ کے سوا اُن کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہارے کسی نقصان کے مالک ہیں نہ کسی نفع کے، اللّٰہ ہی خوب سننے اور پوری طرح جاننے والا ہے۔''

معلوم ہوا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ محترمہ پر من دون اللہ کا اطلاق ہوا۔

(ii) ﴿ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ ﴾ (آل عمران: 79)

ترجمہ: ''کسی ایسے انسان کو جسے اللّٰہ کتاب وحکمت اور نبوت دے پھر بھی وہ لوگوں سے کہے کہ تم اللّٰہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ بلکہ وہ تو یہ کہے گا کہ تم سب رب کے ہو جاؤ''۔

واضح ہو گیا کہ اللّٰہ ﷻ نے انبیاء اکرام علیہم السلام کے لیے ''من دون اللہ'' فرمایا۔ مزید وضاحت کے لیے دیکھیے : ''المائدہ ۔ 114''، ''بنی اسرائیل۔ 56''، ''اعراف۔ 194''، ''احقاف۔ 5-6''، ''الکھف ۔ 152''، ''توبہ۔ 31'' وغیرہ۔

نبی کائنات ﷺ کی احتیاط

چونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کا بنیادی مقصد ہی انسانیت کو کفر وشرک کی آلودگیوں سے نجات دلانا ہوتا ہے اور اُمت محمدیہ ﷺ پر دین کی تکمیل کے ساتھ ہر نوع کے شرک کی ممانعت کر دی گئی اور وہ اسباب ومحرکات جو کسی بھی نوع کے شرک کا ذریعہ بن سکتے تھے جیسے سجدہ تعظیمی وغیرہ بھی

اس اُمت کے لیے حرام قرار دے دیا گیا۔ چونکہ شرک میں گرفتار کرنے کے لیے ابلیس ہمیشہ عالی مرتبہ ہستیوں کے مقام ومرتبہ کو استعمال کرتا ہے جس کی بنیاد محبت ہوتی ہے نہ کہ نفرت۔ اس لیے انسان بڑی آسانی سے شیطان کا آلۂ کار بن جاتا ہے اور اُسے خبر تک نہیں ہو پاتی۔ اِسی جال سے شیطان نے سابقہ اُمتوں جیسے یہود ونصاریٰ کو شکار کیا اور اُنھیں محبت کی آڑ میں حد سے بڑھایا اور رفتہ رفتہ اُنھیں شرک کی دلدل میں دھکیل دیا جس کی بنا پر ان لوگوں نے انبیاء اکرام علیھم السلام کو الوہیت کے مقام پر فائز کر دیا۔ اس لیے اللہ ﷻ نے نہایت پُر زور الفاظ میں حد سے بڑھنے سے منع فرمایا چنانچہ اِرشاد فرمایا:

﴿ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَ لَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﴾ (النساء، آیت: 171)

ترجمہ: ''اَے اہل کتاب (یہودی اور عیسائی)! اَپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو اور نہ کہو اللہ ﷻ کے متعلق مگر حق بات ہی بے شک مسیح ابن مریم (تمہارے معبود نہیں بلکہ وہ تو) اللہ ﷻ کے رسول تھے۔''

اسی طرح ایک اور مقام پر اِرشاد فرمایا:

﴿ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّ ضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴾ (المائدہ، آیت: 77)

ترجمہ: ''(اَے نبی ﷺ) آپ فرما دیجئے: اَے اہل کتاب! اپنے دین میں ناحق غلو اور زیادتی نہ کرو اور ان لوگوں کی نفسانی خواہشوں کی پیروی نہ کرو جو پہلے گمراہ ہو چکے ہیں۔ اور بہت سے لوگوں کو بھی گمراہ کر چکے ہیں اور سیدھی راہ سے ہٹ چکے ہیں۔''

اللہ ﷻ نے حضور اقدس ﷺ کی اُمت کو سورۃ الفاتحہ کی شکل میں عظیم تحفہ عطا فرمایا جس کی ہر رکعت

میں یہود و نصاریٰ کی روش سے بچنے کے لیے دُعا کی جاتی ہے۔ یہودیوں کے لیے "**مغضوب**" کا لفظ آیا یعنی جنہوں نے اللہ ﷻ کی نازل کردہ تعلیمات کو چھوڑ کر عالموں اور درویشوں کی پیروی کی اور رسول ﷺ کا رستہ چھوڑ دیا۔ جس کی وضاحت سورۃ "توبہ، آیت: 31" میں آئی۔ عیسائیوں کے لیے "**ضالین**" کا لفظ آیا جو جہالت اور محبت میں غلو کی وجہ سے گمراہ ہوئے۔ اب یہ تو حضور ﷺ کی اُمت کے علماء کا فرض تھا کہ اُمت کو اس خطرہ سے آگاہ کرتے لیکن ان لوگوں نے اپنے اپنے پسندیدہ مسالک کی خاطر حق کو چھپایا جس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔

بلاشبہ! سرورِ کائنات ﷺ تمام مخلوقات میں افضل ترین مقام پر فائز ہیں جن کے لیے خود ربِ کائنات نے ﴿ **وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ** ﴾ کی سند نازل فرمائی، نماز، اذان میں آپ ﷺ کا ذکرِ خیر لازم قرار دیا، آپ ﷺ کی عمر مبارک اور شہر وغیرہ کی قسم کھائی۔ خود درود و سلام کی صورت میں رحمتیں نازل فرمانا اور اس کا حکم دینا ہمارے نبی مکرم ﷺ کو معراجِ انسانی کے درجہ کمال پر فائز کرنے کا ثبوت ہے۔ چونکہ ایسے مقام و مرتبہ کو استعمال کر کے لوگوں کو شکار کرنا ابلیس کے لیے بہت آسان تھا۔ اس لیے ایسے افعال جو شرک کا ذریعہ بن سکتے تھے ان سے اللہ ﷻ کے رسول ﷺ نے سختی سے اپنی اُمت کو منع فرما دیا جس کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ چنانچہ اعلانِ نبوت سے پہلے بھی آنحضور ﷺ شرک سے شدید نفرت رکھتے تھے۔

آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو مخاطب کر کے فرمایا:

((واللہ لا اعبد الات ابداً واللہ لا اعبد العزیٰ ابداً)) (رواہ احمد، سندہ صحیح)

ترجمہ: "اللہ کی قسم میں کبھی لات کی عبادت نہیں کروں گا، اللہ کی قسم میں کبھی عزیٰ کی عبادت نہیں کروں گا"

اسوہ حسنہ کی چند مزید مثالیں پیش خدمت ہیں:

(1) ((لا تطرونی کما أطرت النصاریٰ ابن مریم انما أنا عبد فقولوا عبدالله و رسوله)) (صحیح بخاری "کتاب الانبیاء" حدیث نمبر 3445)

ترجمہ: "تم میری تعریف میں حد سے تجاوز نہ کرو، جیسا کہ نصاریٰ نے ابن مریم کے سلسلہ میں غلو سے کام لیا، میں اللہ ﷻ کا بندہ ہوں، اس لیے مجھے اللہ ﷻ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔"

(2) سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک شخص نے آپ ﷺ سے کہا:

"اے ہمارے سردار اور ہمارے سردار کے بیٹے اور اے ہم میں سب سے بہتر و افضل اور سب سے بہتر کے فرزند!" تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((یا ایھاالناس ! قولوا بقولکم و لا یستھو ینکم الشیطان انا محمد (ﷺ) بن عبدالله و رسول الله ، والله ما احب ان ترفعونی فوق ما رفعنی الله (عز و جل)) (مسند احمد: 241/3)

ترجمہ: "اے لوگو! تم اس قسم کی بات کہہ سکتے ہو مگر کہیں شیطان تمہیں بہکا نہ دے، میں عبداللہ کا بیٹا محمد (ﷺ) ہوں اور اللہ ﷻ کا رسول ہوں، اللہ ﷻ کی قسم میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ تم مجھے میرے اس مقام و مرتبہ سے بڑھا دو جس پر اللہ ﷻ نے مجھے فائز کیا ہے"۔

(3) بروایت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ، ایک خطیب نے نبی ﷺ کے سامنے خطبہ دیا، اور (دورانِ خطبہ) کہا:

((من یطع الله ورسوله فقد رشد ومن یعصھما.....))

ترجمہ: "یعنی جس نے اللہ ﷻ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کی اس نے راہ راست پا لیا، اور جس نے ان دونوں کی نافرمانی کی۔" اس پر آپ ﷺ

نے فرمایا:

☆ ((بئس الخطیب أنت ، قُل: و من یعص الله و رسوله)) {مسلم" کتاب الجمعہ" حدیث نمبر 2010}

ترجمہ: " تو بُرا خطیب ہے، تم یوں کہو: جس نے اللہ ﷻ اور اُسکے رسول (ﷺ) کی نافرمانی کی"۔

خطیب نے اللہ ﷻ اور رسول (ﷺ) کا ایک ہی ضمیر سے ذکر کیا (و من یعصهما) جسے آپ ﷺ نے برداشت نہیں کیا اور حکماً رد فرما دیا۔ کیا ہم بھی آپ ﷺ کا حکم ماننے کے لیے تیار ہیں؟ جن خطرات کے پیش نظر آپ ﷺ نے یہ محتاط رویہ اپنایا کیا آج اُمت مسلمہ انھیں شبہات میں مبتلا نہیں ہو چکی؟ یہ تو صحابہ کرام تھے جو آپ ﷺ کے حکم پر جان نچھاور کرنے کے لیے تیار رہتے تھے۔ جنھوں نے محبت رسول ﷺ اور اطاعت رسول (ﷺ) کا حق ادا کر دیا اور "السبقون الاولون" ٹھہرے۔ صحابہ کرام نے آپ ﷺ کے حکم کو حرف آخر سمجھا چاہے وہ ذہن سے ہم آہنگ تھا یا نہ تھا۔ ثبوت کے طور پر ایک روایت پیش خدمت ہے۔

(4) حضرت انس ﷜ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کوئی شخص زیادہ محبوب نہ تھا اس کے باوجود وہ آپ ﷺ کو دیکھتے تو کھڑے نہ ہوتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آپ ﷺ اسے ناپسند کرتے ہیں۔ (جامع ترمذی "کتاب الادب" حدیث نمبر 2754)

مسلمان بھائیو! رسول اللہ ﷺ کے وہ حکم جو ہمارے ذہن سے مطابقت نہیں رکھتے کیا انھیں ہم تسلیم کرنے کے لیے تیار ہیں؟ اسی حوالے سے چند مزید چیزوں پر غور فرمائیں۔

سیدنا عبداللہ بن عباس ﷜ روایت کرتے ہیں ایک دن ایک شخص نے سلسلۂ کلام آپ ﷺ سے کہہ دیا:

(5) ((مَا شَآءَ اللّٰہُ وَ شِئْتَ)) "جو اللہ ﷻ چاہے اور جو آپ چاہیں"۔

آپ ﷺ نے فوراً اس سے منع فرمایا اور کہا:

☆ ((جعلتني لله مدا، بل ما شاء الله وحده')) (مسند احمد حدیث نمبر 2611)

"تو نے مجھے اللہ ﷻ کا ہم سر اور مقابل ٹھہرا دیا، پس یوں کہو جو صرف اکیلا اللہ چاہے۔"

غور فرمائیں: اتنی سی بات بھی آپ ﷺ نے برداشت نہ کی فوراً روک دیا اور فرمایا:

﴿جعلتني لله مدا﴾ ۔کیا تو نے مجھے اللہ ﷻ کا شریک ٹھہرا دیا؟ یقیناً اس آدمی نے آپ ﷺ کو مستقل بالذات سمجھ کر یہ الفاظ نہیں کہے ہوں گے۔ معلوم ہوا کہ کوئی بھی ایسے الفاظ یا اعمال جو شرکیہ ہوں ان کے ادا کرنے سے شرک سے مماثلت ہوگی چاہے "**مستقل بالذات**" سمجھ کر ادا کیے جائیں یا "**غیر مستقل بالذات**" چونکہ مذکورہ بالا الفاظ تکوینی امور سے متعلق تھے اس لیے آپ ﷺ نے فوراً روک دیا۔ اس کتاب کے باب ۱۷ میں ازلی، ابدی، مستقل بالذات کے حوالے سے اہم حقیقت وضاحت سے بیان کی گئی ہے ضرور مطالعہ فرمائیں۔

ایک یہودی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آ کر کہا:

(6) "تم (مسلمان) لوگ شرک کرتے ہو یوں کہتے ہو ﴿ ما شاء الله و شئت ﴾ جو اللہ چاہے اور جو آپ ﷺ چاہیں) نیز تم کعبہ کی قسم بھی اُٹھاتے ہو۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو حکم دیا

کہ کعبہ کی بجائے ربِ کعبہ کی قسم اُٹھایا کریں اور ﴿ ما شاء الله و شئت ﴾ بجائے

﴿ ما شاء الله ثم شئت ﴾ جو اللہ ﷻ چاہے اور پھر جو آپ ﷺ چاہیں) کہا کریں۔"

(سنن نسائی "کتاب الایمان والنذور" حدیث نمبر 3773)

یوں آپ ﷺ نے "ثم" کے الفاظ کے ساتھ شرک کے اندیشے کو ختم فرما دیا۔

(7) __ذات انواط:__ ذات انواط ایک بیری کا درخت تھا جس کے پاس مشرکین اعتکاف کرتے تھے

اور تبرک کے لیے اس پر اسلحہ لٹکاتے۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو ابھی اسلام میں نئے نئے داخل ہوئے تھے اُنھوں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ ہمارے لیے بھی ایسا ذات انواط مقرر فرمائیں جس پر آپ ﷺ نے اللہ ﷻ کی تقدیس بیان کی اور فرمایا:

☆ ((والذی نفسی بیدہ قلتم کما قالت بنو اسرائیل لموسیٰ اجعل لنا الٰھا کما لھم الھۃ ۔ قال: "انکم قوم تجھلون" لترکبن سنن من کان قبلکم))

ترجمہ: ''مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم نے تو (آج) وہی بات کہہ ڈالی جو بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی کہ اے موسیٰ (علیہ السلام) ! ہمارے لیے بھی ان لوگوں کے معبود جیسا معبود بنا دے، تو موسیٰ علیہ السلام نے جواباً کہا: یقیناً تم جاہل قوم ہو، تم ضرور ہی پہلے لوگوں کے طریقوں پر چلو گے۔''

(جامع ترمذی ''کتاب الفتن'' حدیث نمبر 2180)

پیارے مسلمان بھائیو! یہ چند چیزیں آپ کے سامنے لانے کا مقصد یہ ہے کہ حقائق اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ کسی دھوکہ میں مبتلا نہ رہنا۔ اللہ ﷻ کے پیارے رسول ﷺ نے شرک کے حوالے سے زندگی بھر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا۔ ہر خطرے کو کھول کر بیان کیا اور اپنی اُمت کی رہنمائی فرمائی۔ یہ چیزیں ہم نے اپنی طرف سے بیان نہیں کیں اللہ ﷻ کے رسول ﷺ کی طرف سے ہیں اور ہمارے فائدے کے لیے ہیں۔ کاش ہم سوچیں۔

باب ۵

سابقہ اقوام کا شرک

مرض سے نجات کا حل مرض کی تشخیص:

بیماری سے نجات حاصل کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ دوائی کھانے سے پہلے بیماری کی تشخیص کی جائے تاکہ اس کے موافق دوائی استعمال کی جائے، بصورت دیگر مرض میں اضافے کے ساتھ ساتھ کئی اور مرض بھی لاحق ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح دین کے معاملے میں جب تک غلط اور صحیح کی پہچان نہ ہوگی، غلط چیز سے نجات اور صحیح بات کو اپنانا ممکن نہیں۔ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کسی شخص کی نیکی کی تعریف کی گئی کہ وہ اس قدر نیک ہے کہ بدی کو جانتا بھی نہیں، اس پر آپؓ نے فرمایا۔ تب تو اسکے بدی میں پڑ جانے کا بڑا احتمال ہے، کیونکہ جو شخص بدی اور اور نیکی میں تمیز نہیں کرسکتا وہ ہر وقت بدی میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ اس لیے قرآن و سنت میں نیکی اور بدی، خیر اور شر دونوں کو کھول کر بیان کیا گیا ہے اور علم حاصل کرنے پر بہت زور دیا گیا ہے۔

کائنات کی سب سے بڑی بیماری ''شرک'' جسے پروردگار نے ''ظلم عظیم'' کہا ہے ہم میں سے اکثر اس کی پہچان سے غافل ہیں۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے علم کی دولت سے نوازا ہے تو پھر سب سے پہلے اس بڑے خطرے کو پہچان کر اس سے اپنا دامن بچایا جاتا، لیکن ابنائے زمانہ کا حال اس کے برعکس ہے۔ بعض ہمارے بھائیوں کا حال تو یہ ہے کہ جو شرک کا نام لے اس کے قریب نہیں جاتے۔ ہمارے خیال میں اسکی واحد وجہ ظالم شیطان ہے جو کسی صورت یہ نہیں چاہتا کہ لوگ اس خطرے سے بچ سکیں۔ یہ ابلیس آپ کا دشمن ہے، دوست نہیں کہ اسکی بات مانی جائے۔ جب آپ کے پروردگار نے شرک کو سب سے بڑا ظلم قرار دیا ہے تو پھر ہمیں ضرور کچھ نہ کچھ وقت نکال کر اس ظلم

کی پہچان کرنی چاہیے۔

ہمارے خالق نے ہماری رہنمائی کے لیے مشرکین مکہ سمیت سابقہ اقوام میں پائی جانے والی شرک کی مختلف شکلوں کو قرآن مجید میں کھول کر بیان فرمایا ہے تا کہ وہ لوگ جو اس غلاظت سے اپنا دامن بچانا چاہیں وہ بچ سکیں۔ آپکے لئے ان میں سے کچھ کو انتہائی اختصار سے بیان کیا جاتا ہے۔ یقیناً ہر وہ شخص جو شرک کی نجاست سے اپنا دامن پاک کرنا چاہتا ہو وہ مذکورہ وضاحت کا بہت زیادہ حریص ہوگا۔ انشاء اللہ یہ وضاحت اس کے لیے بہت زیادہ مفید ثابت ہوگی۔

(۱) اہل عرب مشرکین کا شرک

سب سے پہلی سمجھنے والی بات یہ ہے کہ مشرکین مکہ سمیت اہل عرب میں پائی جانے والی دیگر جماعتوں میں سے کوئی جماعت بھی خدا کی منکر نہیں تھی۔ یہ لوگ خدا کی بنیادی صفات میں سے کسی کے منکر نہ تھے حوالے کے طور پر چند آیات ملاحظہ کریں۔

☆ ﴿ قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَ الْأَرْضِ أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَ الْأَبْصَارَ وَ مَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ مَنْ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللّٰهُ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ۝﴾ (یونس۔آیت:31)

ترجمہ: ''(ان سے) پوچھیے کون رزق دیتا ہے تم کو آسمان سے اور زمین سے؟ کون مالک ہے تمہارے سننے اور دیکھنے کی ''قوتوں'' کا؟ اور کون نکالتا ہے جاندار کو بے جان سے اور بے جان کو جاندار سے اور کون تدبیر کرتا ہے اُمور کی تو وہ ضرور کہیں گے اللہ پھر ان سے پوچھیے تم ڈرتے کیوں نہیں؟''

☆ ﴿قُلْ مَنْ بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ سَيَقُولُونَ لِلّٰهِ قُلْ فَأَنّٰى تُسْحَرُونَ ۝﴾ (مومنون۔آیت:88)

ترجمہ: ''ان سے پوچھو کون ہے وہ جس کے ہاتھ میں ہے اقتدار ہر چیز کا اور وہ پناہ دیتا ہے اور کوئی پناہ نہیں دے سکتا اس کے مقابلے میں اگر تم جانتے ہو؟ وہ ضرور کہیں گے اللہ ، پوچھیے پھر کہاں سے دھوکہ کھا رہے ہو؟''۔

☆ ﴿وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ فَأَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ﴾ (زخرف۔آیت:87)

ترجمہ: ''اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے پیدا کیا ہے انہیں تو ضرور کہیں گے کہ اللہ نے، پھر یہ کہاں سے دھوکہ کھا رہے ہیں؟''

یعنی ان سب باتوں کو تسلیم کرنے کے باوجود دوسروں کو عبادت میں شریک کیوں کرتے ہو؟۔

انہیں مشرک قرار کیوں دیا گیا!

ہمارے لیے نصیحت وعبرت کی بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ تسلیم کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انہیں مشرک قرار کیوں دیا؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے عقائد وافعال میں کچھ ایسی باتیں بھی تھیں جن سے اللہ کی صفات اور حقوق میں دوسروں کی حصہ داری لازم آتی تھی جو کہ شرک ہے۔قرآن مجید کی آیات پر غور کیا جائے تو اہل عرب کو ظالم شیطان نے شرک کی درج ذیل مختلف اشکال میں ملوث کیا ہوا تھا۔

(۱)۔ملائکہ پرستی (۲)۔جنات پرستی (۳)۔ستاروں کی پوجا (۴)۔آباء پرستی (۵)۔نفس پرستی

ان کی انتہائی مختصر تفصیل کچھ یوں ہے:

(۱) فرشتوں کی پوجا:

اہل عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے اور ان کے ساتھ حد درجہ محبت کی بنا پر انہیں سجدہ کرتے، اللہ تعالیٰ نے اس فعل کی تردید یوں کی:۔

﴿وَ لِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ هُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ﴾ (النحل۔49)

ترجمہ: ''اور اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں جتنے جاندار ہیں آسمانوں اور زمین میں اور فرشتے بھی اور وہ سرتابی نہیں کرتے''

یوں یہ بات واضح کی گئی کہ فرشتے تو خود صرف اللہ کو سجدہ کرتے ہیں اور تکبر نہیں کرتے۔ فرشتوں کے متعلق یہ خیال کرتے کہ اللہ کے قرب اور بلند مرتبہ کی بنا پر یہ ہماری سفارش کریں گے، ان فرشتوں کے بت بنا کر جب ان کا طواف کرتے تو دوران طواف یہ الفاظ دہراتے۔

(تلك الغرانيق العلى وان شفاعتهن لترتجى) (یہ بلند مرتبہ ہیں اور ان کی شفاعت کی ہمیں امید ہے''

چنانچہ اللہ تعالی نے ان کے اس خیال کو یوں رد فرمایا:

﴿ اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى ٥ فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى ٥ وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ﴾(النجم: 26-24)

ترجمہ:''کیا انسان وہ سب کچھ پالے گا جس کی وہ تمنا رکھتا ہے! سو یا د رکھو کہ آخرت اور دنیا سب خدا ہی کے اختیار میں ہے اور آسمانوں میں کتنے فرشتے ہیں جن کی سفارش ذرا بھی کام آنے والی نہیں مگر بعد اس کے اللہ اجازت دے جس کو چاہے''۔

فرشتوں کے متعلق شرک میں ملوث ہونے کی بنیادی وجہ ان کی یہی غلط فہمی بنی کہ یہ مافوق الفطرت امور پر قدرت رکھتے ہیں اور جس طرح چاہیں ان تکوینی امور میں تصرف فرماتے ہیں جسے اللہ تعالی نے یوں رد فرمایا:

☆ ﴿لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ٥﴾()

ترجمہ: ''جو بھی انہیں حکم دیا جاتا ہے اس میں کوتاہی نہیں کرتے اور کرتے صرف وہی کام ہیں جن کا ان کو حکم دیا جاتا ہے۔''

☆ ﴿يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴾(سورۃ النحل آیت:50)

ترجمہ: ''اور اپنے رب سے جو انکے اوپر ہے اسکے خوف سے کپکپاتے رہتے ہیں اور انھیں جو حکم دیا جائے اسکی تعمیل کرتے ہیں۔''

اس ضمن میں صحیح بخاری، ابواب التفسیر سورۃ السبا اور دیگر روایات میں یہ بات مذکور ہے کہ جب اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیتا ہے تو خوف سے آسمانوں پر دہشت اور کپکپی طاری ہوجاتی ہے اور فرشتے بیہوش ہوکر سجدے میں گر جاتے ہیں، سب سے پہلے جبرائیل سر اٹھاتے ہیں۔ ہوش آنے پر مقرب فرشتوں جیسے جبرائیل علیہ السلام سے دوسرے فرشتے حکم کی بابت دریافت کرتے ہیں۔ اس بات کا تذکرہ یوں ہوا:

﴿وَ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقَّ وَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴾(سورہ السبا، آیت:23)

ترجمہ: ''جب ان فرشتوں کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہوتی ہے تو ایک دوسرے سے کہتے ہیں تمھارے رب نے کیا فرمایا؟ (مقرب فرشتے) کہتے ہیں کہ اس نے حق فرمایا ہے اور وہ عالی مقام اور بزرگ و برتر ہے''

پس صحیح رستہ یہی ہے کہ ہم اللہ کو پکاریں، اسی سے فریادرسی کریں، اسی کی بارگاہ میں عرض پیش کریں وہ چاہے تو فرشتوں کے ذریعے سے ہماری مدد فرمائے یا اور کوئی ذریعہ بنائے۔ ان فرشتوں پر خدا کا حکم چلتا ہے نہ کہ ہمارا۔

(۲) جنات کی پوجا

فرشتوں کی طرح جنات کو بھی اہل عرب مافوق الفطرت اور زمرہ الوہیت سے نسبت رکھنے والی مخلوق خیال کرتے تھے اسی بنا پر انہیں اللہ کی صفات اور حقوق میں شریک کیا ان کے شرک کا تذکرہ یوں کیا گیا:

﴿وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَ خَلَقَهُمْ ﴾(الانعام،آیت:100)

ترجمہ: ''اورانہوں نے جنوں میں اللہ کے شریک ٹھہرائے ہیں حالانکہ اللہ ہی نے ان کو پیدا کیا''

چنانچہ اہل عرب مصائب و آلام میں جنوں سے فریاد کرتے تھے جسکا تذکرہ سورۃ الجن آیت ۔٦ میں ہوا، ان کے متعلق یہ عقیدہ رکھا جانے لگا کہ ملاء اعلیٰ (آسمانوں) تک رسائی کی وجہ سے یہ وہاں سے غیب کی خبریں لاتے ہیں جس سے کہانت کا بازار گرم ہوا،لوگ کاہنوں کی باتوں پر یقین کرنے لگے،قرآن مجید میں کاہنوں کی مکاری اوران کے جھوٹا ہونے کاذکر یوں کیا گیا:

﴿يُلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ﴾(الشعرا،آیت:223)

ترجمہ:''وہ کان لگاتے ہیں اوران میں سے اکثر جھوٹے ہوتے ہیں''

اسکے بعد اہل عرب نے یہ کہا کہ آنحضرت ﷺ کاہن ہیں (نعوذ باللہ) ان پر فرشتہ نہیں بلکہ جنات وحی لے کراترتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے اسکی تردید''الشعرا'' آیت: 212-210 میں فرمائی۔

یہاں بھی شراکت کی بنیادی وجہ جنات کے متعلق مافوق الفطرت امور پر قدرت واختیار بنی۔

ستاروں کی پوجا

اہل عرب سمیت دنیا کی دیگر بت پرست قوموں میں سورج اور چاند کی پوجا رائج رہی ہے۔چونکہ سورج اورچاند سے نسل انسانی ابتداء سے ہی مستفید ہوتی رہی اس لیے لوگوں نے انکی پوجا کی۔اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کام سے یوں منع فرمایا۔

﴿لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴾(حم السجدہ،آیت:37)

ترجمہ:''نہ سجدہ کروسورج کواور نہ چاند کو بلکہ سجدہ کرواس اللہ کوجس نے ان ساری چیزوں کو پیدا کیا ہے اگر تم اسی کی بندگی کرتے ہو''

اہل عرب ستاروں کی تاثیر کے قائل تھے،ان کے خیال میں بارش برسنے اورزمین کی خوشحالی میں

ستاروں کا بڑا عمل دخل ہے جیسا کہ درج ذیل حدیث سے ظاہر ہے۔

آنحضورﷺ جب حدیبیہ میں تشریف لے گئے تو ایک رات بارش ہو گئی صبح کو آپ نے نماز پڑھائی اور لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے:

"کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: میرے بندوں میں کچھ نے ایمان لاتے ہوئے اور کچھ نے کفر اختیار کرتے ہوئے آج صبح کی ہے۔ جس نے یہ کہا کہ ہمیں اللہ کے فضل ورحمت سے یہ بارش دی گئی ہے تو وہ مجھ پر ایمان لے آیا اور ستاروں کے تصرف کا انکاری ہو گیا اور جس نے یوں کہا کہ ہمیں فلاں فلاں ستارے کے سبب سے بارش دی گئی ہے تو اس نے میرے ساتھ کفر کیا اور ستارے پر ایمان لے آیا۔"

(بخاری: کتاب الاستسقاء نمبر 1038، مسلم کتاب الایمان نمبر 67)

اسی طرح مشہور ستارہ شعریٰ جو گرمیوں کے زمانہ میں طلوع ہوتا تھا، ان کا عقیدہ تھا کہ کاروبار کا چمکنا اور تجارت میں خیر و برکت اسی کے دم سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس وہم کی تردید یوں فرمائی۔

﴿وَاَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَاَقْنٰى ۝ وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى﴾

ترجمہ: "اور اسی نے غنی اور سرمایہ دار کیا اور وہ شعریٰ کا بھی رب ہے" (النجم، آیت۔ 49-48)

انسان کو جس چیز سے فائدہ حاصل ہوا، نعمت خیال کرنے کی بجائے اسے منعم کا درجہ دے دیا اور حقیقی کارساز کو بھول گیا۔ اس بیماری کا بیان درج بالا آیات سے بخوبی کیا جا سکتا ہے۔

دیوتاؤں کی پوجا

اہل عرب نے مختلف عناصر کے جوڑ توڑ سے دیوتاؤں کی ایک بزم سجائی جس میں اللہ تعالیٰ کو مہادیو کی حیثیت دی اور دیگر بہت سے دیوتاؤں کو خدا کے زیر اثر مقربین بارگاہ خیال کیا اور ان کا یہ عقیدہ تھا کہ خدا کا تعلق صرف آسمان کے نظم و اہتمام سے ہے جبکہ زمین کا انتظام و انصرام دیوتاؤں

کے سپرد ہے۔ چونکہ اس عقیدہ سے خدا کی قدرت اور علم کی نفی کے ساتھ ساتھ اسکی حاکمیت کی تقسیم لازم آتی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے اس غلط عمل کو رد فرمایا:

﴿وَهُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْعَلِیْمُ﴾

(الزخرف، آیت:84)

ترجمہ: ''اور وہی اکیلا آسمانوں میں معبود ہے اور زمین میں بھی وہی معبود ہے اور وہی حقیقی علیم وحکیم ہے''

اللہ نے اپنی بادشاہی کی وسعت یوں بیان فرمائی:

﴿وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ لَا یَؤُدُهٗ حِفْظُهُمَا وَ هُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ﴾ (البقرہ، آیت:255)

ترجمہ: ''اور اسکا اقتدار آسمانوں اور زمین سب پر حاوی ہے اور ان کی حفاظت اس پر ذرا بھی گراں نہیں اور وہی ہے برتر اور عظمت والا''

مزید فرمایا: ﴿لَوْ كَانَ فِیْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾

ترجمہ: ''اگر ان دونوں کے اندر اللہ کے سوا الگ الگ معبود ہوتے تو یہ دونوں درہم برہم ہو جاتے''. (الانبیاء آیت:22)

عبادت و تعظیم

چونکہ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ دیوتا زمینی معاملات میں براہ راست تصرف کرتے ہیں اس لیے اہل عرب انہیں خوش کرنے کے لیے ان کی عبادت اور تعظیم اس طرح کرتے جس طرح خدا کی عبادت کی جاتی۔ ان کے لیے قربانی کرتے، نذرو نیاز دیتے، زمین کی پیداوار اور جانوروں میں خدا کی طرح اپنے معبودوں کے لیے بھی حصہ نکالتے جیسا کہ قرآن حکیم نے ذکر فرمایا۔

﴿وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَ الْاَنْعَامِ نَصِیْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَ هٰذَا لِشُرَكَآئِنَا فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا یَصِلُ اِلَى اللّٰهِ وَ مَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ یَصِلُ

اِلٰی شُرَکَآئِہِمْ سَآءَ مَا یَحْکُمُوْنَ﴾(سورۃ انعام:آیت:136)

ترجمہ: ''اور خدا نے جو کھیتی اور چوپائے پیدا کیے اس میں انہوں نے اللہ کا ایک حصہ مقرر کیا ہے پس یہ لوگ کہتے ہیں، یہ حصہ تو اللہ کا ہے، ان کے گمان کے مطابق اور یہ حصہ ہمارے شرکاء کا ہے، تو جو حصہ ان کے شرکاء کا ہوتا ہے وہ تو اللہ کو نہیں پہنچ سکتا اور جو حصہ اللہ کا ہوتا ہے وہ ان کے شرکاء کو پہنچ سکتا ہے۔ کیا ہی برا فیصلہ ہے جو یہ کرتے ہیں''

جانوروں کو معبودوں کے نام چھوڑنا: اسی طرح مشرکین اپنے معبودوں کے لیے جانور مخصوص کر کے انہیں چھوڑتے اور ان جانوروں کو مقدس خیال کرتے چنانچہ جانوروں کی مختلف قسمیں جیسے بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام انہوں نے مخصوص کیں جسکا تذکرہ یوں ہوا۔

﴿مَا جَعَلَ اللّٰہُ مِنْ بَحِیْرَۃٍ وَّ لَا سَآئِبَۃٍ وَّ لَا وَصِیْلَۃٍ وَّ لَا حَامٍ وَّ لٰکِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ وَ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ﴾(سورۃ المائدہ،آیت:103)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے نہ بحیرہ کو مشروع کیا ہے اور نہ سائبہ کو اور نہ حام کو لیکن جو کافر لوگ ہیں وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور اکثر کافر عقل نہیں رکھتے''۔

صحیح بخاری کتاب التفسیر میں حضرت سعید بن مسیّب کی تفسیر کے مطابق:

بحیرہ: وہ جانور ہے جسکا دودھ دوہنا چھوڑ دیا جاتا، کوئی شخص اسکے تھنوں کو ہاتھ نہ لگاتا اور کہا جاتا یہ بتوں کے لئے ہے۔ سائبہ: اسے بتوں کے لئے آزاد چھوڑا جاتا اسے سواری یا مال برداری کے لئے استعمال نہ کیا جاتا'۔ اسی طرح وصیلہ اونٹنی اور حام اونٹ جنہیں بتوں کے لئے آزاد چھوڑا جاتا۔ حالانکہ نذر و نیاز کا حق دار صرف اللہ ہے جس نے ان جانوروں کو پیدا کیا۔

چنانچہ سب سے پہلے بتوں کے لئے جانور چھوڑنے والا شخص عمرو بن عامر خزاعی تھا۔ آنحضور ﷺ فرما رہے ہیں کہ میں نے اسے جہنم میں انتڑیاں کھینچے ہوئے دیکھا۔ (صحیح بخاری تفسیر سورہ المائدہ)

افسوس کہ آج بھی بعض ناسمجھ خواتین جانوروں بالخصوص مرغیوں کو بزرگوں کے نام مخصوص کرتی ہیں، اللہ انکو ہدایت عطا فرمائے۔ آمین۔

آباؤاجداد کے رستے کی اندھی پوجا

ظالم شیطان نے ان لوگوں کو آباؤاجداد کے رواج اور چلن کی اندھی پیروی پر مائل کیا اور انہوں نے اپنے آباؤاجداد کے طور طریقوں کو دین وشریعت کی حیثیت دے دی۔ چنانچہ تعلیمات وحی کو قبول کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹ یہی بنی جسکا تذکرہ پروردگار نے یوں فرمایا:

﴿وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَ نَا اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ﴾ (سورۃ لقمان، آیت:21)

ترجمہ: ''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ پیروی کرو اسکی جو اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے تو وہ کہتے ہیں بلکہ ہم تو اسی کی اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے آباؤاجداد کو پایا۔ بھلا کیا ان کو (اور ان کے آباؤاجداد کو) شیطان دوزخ کے عذاب کی طرف بلاتا ہو تو تب بھی''؟

اس میں اصل حجاب یہ تھا کہ والدین کی پیروی عقل وشعور اور بصیرت سے تعلیمات الٰہی کو بنیاد بناتے ہوئے کی جائے تو بہت اچھی چیز ہے لیکن اس کے برعکس کی دین وشریعت میں ممانعت ہے۔ جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے کافروں کے رستے کو چھوڑ کر اپنے آباؤاجداد (جو پیغمبر تھے) انکی پیروری اختیار کی ہے۔

اہل عرب کا اپنے تمام قسم کے معبودوں کے متعلق یہ عقیدہ تھا کہ وہ ہمارے تمام قسم کے حالات سے ہر وقت آگاہ ہیں اسی لیے مصائب وآلام میں انکی دہائی دیتے، انہیں پکارتے اور ان سے فریاد رسی کرتے۔ اس طرز عمل سے ایک تو اللہ کی 'صفت علم' (خدا کا کائنات کی ہر چیز سے ہر وقت باخبر ہونا ہے) میں شراکت کرتے اور دوسرا 'دعا' جو کہ خالص عبادت ہے اس میں دوسروں کو شریک ٹھہراتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان افعال کی ٹھوس طرح سے تردید یوں فرمائی۔

﴿وَ یَوۡمَ نَحۡشُرُهُمۡ جَمِیۡعًا ثُمَّ نَقُوۡلُ لِلَّذِیۡنَ اَشۡرَكُوۡا مَكَانَكُمۡ اَنۡتُمۡ وَ شُرَكَآؤُكُمۡ ۚ فَزَیَّلۡنَا بَیۡنَهُمۡ وَ قَالَ شُرَكَآؤُهُمۡ مَّا كُنۡتُمۡ اِیَّانَا تَعۡبُدُوۡنَ ○ فَكَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیۡدًۢا بَیۡنَنَا وَ بَیۡنَكُمۡ اِنۡ كُنَّا عَنۡ عِبَادَتِكُمۡ لَغٰفِلِیۡنَ ○ هُنَالِكَ تَبۡلُوۡا كُلُّ نَفۡسٍ مَّاۤ اَسۡلَفَتۡ وَ رُدُّوۡۤا اِلَی اللّٰهِ مَوۡلٰىهُمُ الۡحَقِّ وَ ضَلَّ عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا یَفۡتَرُوۡنَ ○﴾ (سورہ یونس، آیت: 30-28)

ترجمہ: ''اور یاد کرو اس دن کو جس دن ہم سب کو اکٹھا کریں گے پھر ہم شرک کرنے والوں کو حکم دیں گے کہ تم اور تمہارے شرکاء اپنی جگہ ٹھہرو پھر ہم ان کے درمیان تفریق کریں گے اور شریک کہیں گے تم ہم کو تو نہیں پوجتے تھے اللہ ہمارے اور تمہارے درمیان گواہ کافی ہے۔ ہم تمہاری عبادت سے بالکل ہی بے خبر رہے۔ اس وقت ہر شخص اپنے اس عمل سے دوچار ہو گا جو اس نے کیا ہو گا اور لوگ اپنے مولائے حقیقی کے حضور پیش ہوں گے اور جو معبود انہوں نے افترا کیے تھے وہ سب ہوا ہو جائیں گے''۔

مشرکین حج اور طواف بھی کرتے: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ مشرکین مکہ حج کرتے (جس سے بعد میں منع کر دیا گیا) اور دوران طواف تلبیہ پڑھتے:

((قالو لبیك اللھم لبیك لبیك لا شریك لك إلا شریکا ھولك تملکه وما ملك)) (صحیح مسلم ''کتاب الحج'' حدیث نمبر 2815)

ترجمہ: ''کہتے اے اللہ جل جلالہ ہم حاضر ہیں، حاضر ہیں تیرا کوئی شریک نہیں سوائے اس شریک کے جو تیری ملکیت میں ہے تو اس کا بھی مالک ہے اور اس کے اختیارات بھی تیرے قبضے میں ہیں''۔

یہ بات واضح ہو گئی کہ مشرکین مکہ اپنے معبودوں کو الٰہ تو مانتے تھے لیکن مستقل بالذات نہیں سمجھتے تھے۔

مشرکین کو شیطان نے کس بنا پر شرک میں مبتلا کیا تھا

شیطان نے باطل معبودوں سے محبت کی بنا پر اس دھوکہ میں مبتلا کیا تھا کہ یہ بھی پکار کو سنتے اور مصیبت کو دور کرتے ہیں اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو یہ ناراض ہوں گے۔ اس لیے انھیں اللہ ﷻ کے قرب کا ذریعہ سمجھ کر ان کی عبادت کرتے تھے جسے قرآن مجید نے یوں بیان کیا:

☆ ﴿وَ يَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (یونس: آیت:18)

ترجمہ: ''اور کہتے یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔''

☆ ﴿وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾ (زمر۔آیت:3)

ترجمہ: ''اور جن لوگوں نے بنا لیے ہیں اللہ ﷻ کے سوا کارساز وہ کہتے ہیں ہم تو ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ ﷻ کے نزدیک کردیں۔''

یاد رہے مخلوق خدا کی خدمت اللہ ﷻ کے قرب کا ذریعہ ہے۔ یہ وعید عبادت اور غلط نظریات پر ہے۔

اصل حقیقت: کوہ صفا پر جب آپ ﷺ نے فرمایا: اگر میں کہوں کہ اس پہاڑی کے پیچھے فوج آرہی ہے تسلیم کروگے؟ سب نے یک زبان ہو کر کہا ہاں! آپ ﷺ صادق اور امین ہیں آپ ﷺ نے فرمایا ''لا الہ الا اللہ'' پڑھ لو کامیاب ہو جاؤ گے اس پر وہ سخت مخالف ہو گئے، برا بھلا کہنا شروع کیا، اور یہ کلمہ سن کر چیخ اٹھے جسے قرآن نے یوں بیان کیا:

﴿اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ۝﴾ (ص۔آیت:5)

ترجمہ: ''کیا (محمد ﷺ) نے تمام معبودوں کا ایک ہی معبود کر دیا یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔''

چنانچہ: عتبہ، شیبہ، ابوجہل، ولید بن مغیرہ وغیرہ مل کر ابو طالب کے پاس آئے اور کہا!

﴿ ان ابن اخیك قد سب الھتنا ﴾ ''تیرا بھتیجا ہمارے معبودوں کو گالیاں دیتا ہے۔''

(سیرت ابن ہشام۔جلد۔1)

یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ مشرکین مکہ اللہ ﷻ کی پکار کے منکر و مخالف نہ تھے بلکہ ''خدائے واحد'' کی پکار کے مخالف تھے اور یہ ان کا بہت بڑا شرک تھا جو قرآن مجید نے بیان کیا! دوسرے لفظوں میں توحیدِ ربوبیت کے قائل تھے کہ ساری کائنات کو پیدا کرنے والا اور پالنے والا اللہ ﷻ ہے لیکن توحید الوہیت کے قائل نہ تھے یعنی عبادت اور پکار وغیرہ میں شرک کرتے تھے۔

مشرکین مکہ کے عقائد و اعمال کا خلاصہ: قرآن و سنت کے واضح دلائل اس پر گواہ ہیں کہ مشرکین مکہ یہ تسلیم کرتے تھے کہ ساری کائنات کا خالق، مالک، رازق، مدبر امور، شہنشاہ کل، قادر مطلق، اقتدار اعلیٰ، مشکل کشا، دافع البلا، کاشف العذاب، موت و حیات پر قابض، عزت و ذلت اور جزاء و سزا دینے والا صرف اللہ ﷻ ہے۔ اسی لیے بڑی مشکلات میں صرف اللہ ﷻ کو پکارتے تھے اور عام حالات میں اللہ کے ساتھ دوسرے معبودوں کو پکارتے، نذر و منت کرتے، انکے لئے قربانی کرتے۔

یہ بات معلوم ہوگئی کہ اہل عرب کو اپنی عبدیت اور خدا کی خالقیت اور ربوبیت سے انکار نہیں تھا۔ وہ خدا کو سب سے بڑا مانتے تھے لیکن خدا کے نیچے انہوں نے اور بھی بہت سے چھوٹے معبود بنا رکھے تھے جنہیں خدا کی مختلف صفات اور حقوق میں شریک ٹھہراتے تھے۔ جیسے صفت علم، قدرت و تصرف، بندگی اور اطاعت وغیرہ۔ وہ یہ خیال کرتے تھے کہ اس سے اللہ کی بندگی میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر متنبہ کیا کہ بندگی اور اطاعت خالص خدا کی ہونی چاہیے جیسا کہ فرمایا:

﴿ اِنَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ ○ اَلَا لِلّٰهِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ ﴾ (سورۃ الزمر، آیت: 3-2)

ترجمہ: ''بے شک ہم نے یہ کتاب آپ کی طرف حق کے ساتھ اتاری ہے پس صرف اسی کی بندگی کرو اپنے دین (اطاعت یا طریقے) کو خالص کرتے ہوئے اسی کے لیے۔ آگاہ ہو جاؤ کہ اطاعت خالص کا حقدار اللہ ہی ہے''

نوٹ: نبی ﷺ کا طریقہ، دین یا اطاعت بھی اللہ کی اطاعت میں داخل ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿مَنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾۔ ﴿جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے درحقیقت اللہ کی اطاعت کی﴾۔

(۲) اہل کتاب کا شرک

مشرکین مکہ سمیت دیگر اہل عرب سے اہل کتاب کی صورت حال بہتر تھی یہ آنحضور نبی کریم ﷺ کی رسالت کے سوا بہت سی دین کی بنیادوں کو تسلیم کرتے تھے۔ اہل کتاب کے جن دو گروہوں کا ذکر قرآن نے کیا ہے وہ یہود و نصاریٰ تھے۔ ان کی بنیادی خرابیوں کی صورت حال کچھ یوں تھی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام کی محبت میں غلو:

عیسائیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کی محبت میں اور یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کی محبت میں حد سے تجاوز کیا۔ بعض لوگوں نے حلول کے تحت انہیں خدا کا اوتار یا ایک رخ قرار دیا۔ بعض نے خدا کا بیٹا قرار دیا اور بعض نے عقیدہ تثلیث کے تحت تین خدا (اللہ، حضرت مریم علیہا السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام) قرار دیئے اور کچھ نے حضرت مسیح علیہ السلام کو عین خدا قرار دیا۔

قرآن مجید نے ان کے شرکیہ عقائد کی تردید کی چنانچہ خداوند عالم نے فرمایا:

﴿وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ نِ ابْنُ اللّٰهِ وَ قَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ﴾ (التوبہ، آیت 30)

ترجمہ: ''اور یہود عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور نصاریٰ مسیح علیہ السلام کو۔ یہ سب ان کے منہ کی باتیں ہیں۔ یہ ان لوگوں کی بات نقل کر رہے ہیں جو ان سے

پہلے کفر میں مبتلا ہوئے۔ اللہ ان کو غارت کرے! یہ کہاں بہکے جاتے ہیں"۔

اسی طرح ان کے عقیدہ تثلیث کا ذکر (المائدہ:75-72) اور حضرت مسیح کو عین خدا قرار دینا (المائدہ:17) میں بیان ہوا۔

علماء اور راہبوں کی پوجا: عیسائیوں نے دین کو علماء اور راہبوں (درویشوں) کے حوالے کر کے حلت وحرمت کا اختیار انہیں سونپ کر بلا دلیل ان کی پیروی کی۔ چونکہ حلت وحرمت کا حق خدا کا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے اس فعل کو عین شرک قرار دیا، ارشاد ہوا:

﴿ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَ مَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴾ (التوبہ آیت:31)

ترجمہ: "اُن لوگوں (یہودیوں اور عیسائیوں) نے اللہ ﷻ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور درویشوں کو اپنا رب بنا لیا تھا اور مریم (علیہا السلام) کے بیٹے مسیح علیہ السلام کو، حالانکہ انھیں صرف ایک اللہ کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا، جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ پاک ہے ان کے شریک مقرر کرنے سے۔"

اِسی آیت کی تشریح میں ایک بڑی زبردست حدیث موجود ہے جو ابلیس کی چال کو بالکل واضح کر دیتی ہے۔ چنانچہ سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ (جو پہلے خود بھی عیسائی تھے) روایت کرتے ہیں: قبول اِسلام سے پہلے جب میں نے یہی آیت سُنی تو رسولُ اللہ ﷺ سے پوچھا: ہم لوگ اپنے علماء اور درویشوں کو تو نہیں پوجتے؟ آپ ﷺ نے اِرشاد فرمایا: "مگر کیا تم لوگ (بغیر اللہ ﷻ اور انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کو دیکھے) اُپنے علماء اور درویش لوگوں کی حلال کی گئی چیزوں کو حلال اور حرام کردہ چیزوں کو حرام نہیں مان لیا کرتے؟" میں نے عرض کیا جی ہاں ایسا ہی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: "یہی تو اُن کو رب بنانا ہے۔" اِسی ایک جملہ پر (میں عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ) مطمئن ہو گیا اور فوراً اِسلام قبول کر لیا۔" (والحمد للہ)

(جامع ترمذی "ابواب التفسیر" حدیث نمبر 3095، مسند امام احمد حدیث نمبر 378/4)

اس سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کا خیال بھی یہی تھا کہ جب تک زبان سے کسی کے خدا ہونے کا اقرار نہ کیا جائے اس وقت تک وہ خدا نہیں بن جاتا۔ آنحضور ﷺ نے یہ بات واضح کی کہ اگر وہ حقوق واختیارات کسی کو دے دیئے جائیں جو خدا کے لیے مخصوص ہیں تو اس کو خدا تسلیم کر لیا گیا چاہے زبان سے اسے خدا کہا جائے یا نہ کہا جائے۔

وجہ: حد سے تجاوز اور آباء پرستی: ان لوگوں کے ہلاک ہونے کی بنیادی وجہ بھی حد سے تجاوز اور آباؤ اجداد کی اندھی پیروی بنی جیسا کہ پروردگار نے فرمایا:

﴿قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّ ضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ﴾ (سورہ المائدہ، آیت: 77)

ترجمہ: ''فرما دیجیے۔ اے اہل کتاب اپنے دین میں بے جا غلو نہ کرو اور ان لوگوں کی نفسانی خواہشات کی پیروی نہ کرو جو اس سے پہلے گمراہ ہوئے اور جنہوں نے بہتوں کو گمراہ کیا اور جو راہ راست سے بھٹک گئے''

معلوم ہوا فساد کی اصل جڑ اندھی تقلید ہے۔

پاکی و برتری کا دعویٰ: اہل کتاب اس زعم میں مبتلا ہو گئے تھے کہ وہ خدا کی برگزیدہ مخلوق ہیں، اس کے محبوب اور چہیتے ہیں اور جو خدا کے محبوب ہیں انکی اولاد میں سے ہیں (یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب علیہ السلام)۔ ظالم شیطان نے انہیں اس خبط میں مبتلا کر دیا تھا کہ اتنی اکابر ہستیوں کی اولاد میں ہونا ہی خدا کے ہاں تقرب اور اس کی پکڑ سے نجات کے لیے کافی ہے۔ بعض نے کہا کہ اگر خدانخواستہ ہم جہنم میں گئے بھی تو یہ آگ ہمیں چند دنوں سے زیادہ نہیں چھوئے گی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے غلط خیالات کی تردید یوں فرمائی۔

☆ ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَ لَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝﴾

(سورۃ النساء آیت: 49)

ترجمہ: ''ذرا ان کو دیکھو جو اپنے آپ کو بڑا پاکیزہ ٹھہراتے ہیں: بلکہ اللہ ہی ہے جو
پاک کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور ان پر ذرا بھی ظلم نہیں کیا جائے گا''

☆ ﴿قُلْ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾(سورۃ الجمعہ، آیت۔6)

ترجمہ: ''ان سے پوچھو! اے لوگو جو یہودی ہوئے! اگر تمھارا گمان ہے کہ دوسروں
کے مقابل میں تم اللہ کے محبوب ہو تو موت کی طلب کرو، اگر تم اپنے دعوے میں
سچے ہو''

جبت اور طاغوت پر ایمان: اہل کتاب کی ہلاکت کی ایک اور بہت بڑی وجہ تعلیمات الٰہی کو
پس پشت ڈال کر جبت اور طاغوت کی پیروی بنی جسکا تذکرہ یوں ہوا:

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَ الطَّاغُوْتِ وَ يَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ
كَفَرُوْا هٰۤؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴾(سورۃ النساء، آیت:51)

ترجمہ: ''ذرا ان کو دیکھو جنہیں کتاب الٰہی کا ایک حصہ ملا (اسکے باوجود) یہ جبت
اور طاغوت پر عقیدہ رکھتے ہیں اور کافروں کے متعلق کہتے ہیں کہ ایمان والوں سے
زیادہ ہدایت پر تو یہ ہیں''

جبت سے مراد سفلی علوم جیسے: ٹونے ٹوٹکے، گنڈے، رمل، جفر اور سحر ہیں۔ طاغوت کی وضاحت آگے
آرہی ہے۔

طاغوت پر گرفت: اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر طاغوت کی پیروی کرنے کی وجہ سے شدید گرفت فرمائی
اور انہیں مردود قرار دیا۔

﴿قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَ غَضِبَ عَلَيْهِ وَ جَعَلَ مِنْهُمُ
الْقِرَدَةَ وَ الْخَنَازِيْرَ وَ عَبَدَ الطَّاغُوْتَ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّ اَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴾

ترجمہ: ''فرما دیجئے کہ کیا میں تمھیں بتاؤں کہ اس سے بھی زیادہ برا صلہ پانے والے اللہ کے نزدیک کون ہیں؟ یہ وہ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی، جن پر اسکا غضب ہوا اور جن کے اندر سے اس نے بندر اور سور بنائے اور جنہوں نے طاغوت کی پوجا کی۔ یہی لوگ ٹھکانے کے لحاظ سے بدتر اور اصل رستے سے دور کی گمراہی میں ہیں'' (سورہ المائدہ، آیت:60)

چنانچہ مذہب کی تعلیمات جب ان کے نفس پر گراں گزریں تو یہ لوگ علوم سفلیہ میں منہمک ہو گئے۔ چونکہ ان علوم کا منبع شیطان ہے اس لئے یہ لازمی بات ہے کہ جو لوگ ان علوم میں منہمک ہوں ان کا تعلق کتاب الٰہی سے ٹوٹ جائے اور ان میں مذہب کی اصل روح ختم ہو جائے۔ کسی قوم کے لئے یہ فتنے مذہب کی پاک تعلیمات کا زوال ثابت ہوتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی جبت پرستی کا حال یوں بیان فرمایا:

﴿وَ لَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَ اتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ وَ مَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَ لٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ وَ مَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَ مَارُوْتَ﴾ (سورۃ البقرۃ، آیت:102-101)

ترجمہ: ''اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے ایک رسول ان پیشن گوئیوں کا مصداق بن کر آیا جو ان کے پاس موجود ہیں تو ان لوگوں نے جن کو کتاب دی گئی تھی، اللہ کی کتاب کو اسطرح پیٹھ پیچھے پھینکا گویا اس سے آشنا ہی نہیں اور ان چیزوں کے پیچھے پڑ گئے جو سلیمان (علیہ السلام) کے عہد حکومت میں شیاطین پڑھتے پڑھاتے تھے، حالانکہ سلیمان (علیہ السلام) نے کوئی کفر نہیں کیا بلکہ شیطانوں ہی نے کفر کیا، یہی لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور اس چیز میں پڑ گئے جو بابل میں دونوں فرشتوں ہاروت و ماروت پر اتاری گئی تھی''

(۳) منافقین کا شرک

ظاہری عقائد و افعال کے لحاظ سے منافقین پورے مسلمان تھے۔ ایمان کے تمام اجزاء توحید و رسالت کا اقرار کرتے تھے۔ کلمہ شہادت پڑھتے، زکوٰۃ دیتے، حج کرتے اور غزوات میں بھی شریک ہوتے تھے۔ آنحضور ﷺ کے سامنے قسمیں کھا کھا کر یقین دلاتے کہ ہم آپ ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں۔ ان ساری باتوں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کی کوئی بات تسلیم نہیں کی اور ان کے لئے جہنم کی وعید سنائی۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی یہ زبان سے تو ہر چیز کا اقرار کرتے تھے لیکن دل سے انکار کرتے تھے۔ قرآن مجید نے جس بنا پر انہیں مشرک قرار دیا وہ تحاکم الی الطاغوت ہے۔

تحاکم الی الطاغوت: اللہ تعالیٰ نے ان کی اس شرکیہ بیماری کا ذکر یوں فرمایا:

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَ قَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ وَ يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ○ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴾ (سورہ۔النساء،آیت:60-61)

ترجمہ: ”کیا ان لوگوں کو نہیں دیکھا، جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ وہ اس چیز پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو آپ ﷺ پر اتاری گئی ہے اور اس پر بھی جو آپ سے پہلے اتاری گئی ہے لیکن چاہتے یہ ہیں کہ اپنے معاملات کے فیصلے طاغوت کے پاس لے جائیں حالانکہ انہیں اس کے انکار کا حکم دیا گیا ہے، شیطان چاہتا ہے کہ انہیں نہایت دور کی گمراہی میں ڈال دے اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اللہ کی طرف اور اس کے رسول (ﷺ) کی طرف تو تم منافقین کو دیکھتے ہو کہ آپ سے کتراجاتے ہیں“۔

یہ ضروری ہے کہ سب سے پہلے طاغوت کا معنیٰ سمجھا جائے۔

طاغوت: یہ طغیٰ سے ہے جس کا معنیٰ سرکشی ہے۔ ہر وہ شخص جو اللہ ﷻ کے احکامات کے خلاف

اپنی پیروی کرائے وہ طاغوت ہے اور ایسا کرنا شیطان کی عبادت کرنا ہے اور جن لوگوں نے ایسا کیا گویا جس کی اطاعت کی جارہی ہے اسے معبود قرار دے دیا۔

طاغوت کتاب الٰہی اور سنت رسول کی ضد کے لیے ایک جامع تعبیر ہے۔ مذکورہ آیت میں طاغوت کے بالمقابل: ﴿تَعَالَوْا اِلٰی مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَی الرَّسُوْلِ﴾ کے الفاظ آئے ہیں جس سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی ہے کہ طاغوت سے مراد وہ حکام ہیں جن کے فیصلے کتاب الٰہی اور رسول کے فیصلے کے خلاف ہوتے ہیں۔ ایمان باللہ سے پہلے کفر بالطاغوت ضروری ہے جس طرح اللہ کے اثبات سے پہلے لا الٰہ کی نفی ضروری ہے۔ پس جو چیز خدا کی بندگی واطاعت سے نکل جائے یا نکل جانے کا باعث یا ذریعہ بن جائے وہ طاغوت کے حکم میں داخل ہے جیسے شیطان، فرعون، نمرود، بت، ساحر، کاہن اور وہ حکام جو خدا کے حکم کے خلاف پیروی کروائیں۔ پس جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اگر نماز، روزہ، زکوٰۃ، قربانی وغیرہ پر عمل ہے تو اطاعت خواہ کسی طاغوت کی ہورہی ہو اس سے اللہ کی عبادت میں کوئی فرق نہیں پڑتا وہ غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔

مذکورہ آیت کریمہ میں اس دور کا بیان ہے جب مدینہ میں اسلامی حکومت قائم ہوچکی تھی اور مسلمانوں کے تمام معاملات آنحضور ﷺ کی عدالت میں پیش ہوکر طے پانے اور نافذ ہونے لگے تھے لیکن ساتھ یہود کی متوازی حکومت بھی موجود تھی۔ چنانچہ منافقین یہودیوں سے اپنے تعلق قائم رکھنے اور رشوتیں دے کر اپنے موافق فیصلے کرانے کی غرض سے یہودیوں کی عدالتوں کی طرف رجوع کرتے۔ چنانچہ اسکے بعد ان پر یہ واضح کردیا گیا کہ جب تک یہ دل و جان سے اپنے تمام تنازعات میں آنحضور ﷺ کو حاکم تسلیم نہیں کرلیتے یہ ایمان والے نہیں ہوسکتے جسکا تذکرہ یوں ہوا۔

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا o فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ (سورۃ النساء آیت۔64-65)

ترجمہ: ''اور ہم نے جو رسول بھی بھیجا تو اس لیے بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اسکی اطاعت کی جائے اور جب انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم ڈھایا تو آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور اللہ سے معافی مانگتے اور رسول ﷺ بھی ان کے لیے معافی چاہتے تو وہ اللہ کو بڑا توبہ قبول کرنے والا اور مہربان پاتے۔ پس تیرے رب کی قسم یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے تنازعات میں تمھیں حاکم تسلیم نہ کرلیں اور جو فیصلہ آپ کریں اس پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس کیے بغیر اسے سر بسر تسلیم کرلیں''

نسل انسانی کا آغاز اور شرک

یہ بات واضح ہو چکی کہ ظالم شیطان عالی مرتبہ ہستیوں کے مقام ومرتبہ کے ذریعے ہی لوگوں کو شرک وغیرہ میں مبتلا کرتا ہے۔ چنانچہ ابتدائی اقوام کے شرک میں مبتلا ہونے کی بنیادی وجہ بھی کچھ ایسی ہی نظر آتی ہے۔ آگاہی کے لئے قوم نوح کی صورت حال پیش خدمت ہے۔ چنانچہ قوم نوح نے جن پانچ ہستیوں کی پرستش کی اور انہیں اپنا حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر ان سے فریاد رسی کی وہ نیک بزرگ تھے جسکا تذکرہ کتاب الٰہی میں یوں ہوا:

﴿وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ۝ وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ۝ مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ﴾ (سورہ نوح، آیت:25-23)

ترجمہ: ''اور کہا انہوں نے کہ ہرگز اپنے معبودوں کو نہ چھوڑنا اور نہ ود اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو چھوڑنا اور انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا۔ (نوح علیہ السلام نے فرمایا) الٰہی تو ان ظالموں کی گمراہی اور بڑھا۔ یہ لوگ بہ سبب اپنے گناہوں کے ڈبو دیئے گئے اور جہنم میں پہنچا دیئے گئے اور انہوں نے اللہ کے سوا اپنا کوئی مددگار نہ پایا''۔

چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

''قوم نوح علیہ السلام کے پانچ بت دراصل قوم نوح کے نیک آدمیوں کے نام تھے ۔ جب وہ فوت ہو گئے تو شیطان نے ان کے ارادت مندوں کو کہا کہ (ان کی یاد تازہ رکھنے کے لیے) ان کے مجسمے بنا کر اپنی بیٹھکوں میں رکھ لو، انہوں نے ایسا ہی کیا لیکن (یہ مجسمے بنانے والے جب) فوت ہو گئے تو ان کے بعد کی نسل نے ان کی تصویروں اور مجسموں کی عبادت شروع کر دی''۔ (صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ نوح)

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: متعدد اسلاف اہل علم کا قول ہے کہ جب وہ فوت ہو گئے تو اولاً یہ لوگ ان کی قبروں کے مجاور بنے، پھر انکے مجسمے بنائے، پھر عرصہ دراز گزرنے کے بعد ان کی پوجا شروع کر دی۔ اس وضاحت کے بعد ہر اس شخص کو اس قسم کے کاموں سے سخت اجتناب کرنا چاہئے جسے آخرت کا خوف ہے۔

دیگر سابقہ اقوام کے شرک کی صورت حال کی عکاسی قرآن مجید میں یوں کی گئی ہے:

انہیں جب اللہ تعالیٰ اولاد سے نوازتا تو اسے بتوں کی عنایت خیال کرتے:

﴿فَلَمَّآ اٰتٰهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰهُمَا فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَّ هُمْ يُخْلَقُوْنَ ۝ وَ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّ لَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ﴾

(اعراف 191-190)

ترجمہ: ''تو جب اللہ ان کو تندرست اولاد دیتا ہے تو اس کی عطا کردہ چیز میں وہ اس کے لیے دوسروں کو شریک ٹھہراتے، اللہ برتر ہے ان چیزوں سے جن کو یہ شریک ٹھہراتے ہیں، کیا وہ ایسی چیزوں کو شریک ٹھہراتے ہیں جو کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود مخلوق ہیں''۔

اسی طرح یہ خیال کرتے کہ انہیں جو روزی ملتی ہے وہ بھی بتوں کی عنایت سے ملتی ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے اس غلط نظریے کو یوں رد فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَ

اعْبُدُوْهُ وَ اشْكُرُوْا لَهٗ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴾(العنكبوت 17)

ترجمہ: ''جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو یہ تمہارے لیے رزق پر کوئی اختیار نہیں رکھتے، پس اللہ ہی کے پاس رزق کے طالب بنو اور اسی کی بندگی کرو اور اسی کے شکر گزار رہو، اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے''۔

خالق کائنات کی سخت ترین تردید

لوگوں کے اس گمان کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات میں سے بعض کو اختیار دیا ہے کہ انکو پکارنے پر یا ان سے فریاد رسی کرنے پر وہ مشکلات دور کرتے ہیں یا یہ کہ اللہ کے مددگار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بڑے سخت انداز میں ایسے تمام غلط نظریات کی سختی سے یوں تردید فرمائی۔

﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّ مَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ﴾(سورۃ السباء آیت:22)

ترجمہ: ''فرما دیجیے کہ اللہ کے علاوہ جن جن پر تمہیں زعم ہے (ان سب کو) پکارو، ان میں سے کسی کو آسمانوں اور زمین میں سے ایک ذرہ کا اختیار نہیں، نہ اس میں انکا کوئی حصہ ہے، نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے''

☆ اصل بات یہی ہے کہ ہمیں اللہ کو پکارنا ہے وہ چاہے تو کسی انسان یا فرشتے کے ذریعے ہماری مدد فرمائے کیونکہ غائب سے بلا اسباب ہماری فریاد سننے کی قدرت صرف اللہ میں ہے۔

سابقہ اقوام کا شرک اور شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا تبصرہ

شاہ صاحب رحمہ اللہ نے زمانہ جاہلیت کے مشرکین کی بابت یہی صراحت بیان کی ہے کہ وہ خدا کی بنیادی صفات کے قائل تھے، آپ نے لکھا:

''حقیقت یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت کے مشرکین اس بات کے قائل تھے کہ خلق اور تدبیر ہی وہ صفتیں ہیں جو استحقاق عبادت کا موجب ہوسکتی ہیں۔ یہ صفات اور

عبادت آپس میں لازم وملزوم ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ نے قرآن مجید میں انہی دوصفتوں کا بار بار مختلف پیرایوں میں ذکر فرما کر انہیں الزام دیا کہ ادھر تو یہ مانتے ہو کہ یہ دونوں صفتیں خدا کے ساتھ مخصوص ہیں اور پھر عبادت میں دوسروں کو بھی اس کے ساتھ شریک بنا لیتے ہو۔ شرک کے خلاف یہ ایک زبردست دلیل ہے جو کلام مقدس میں پیش کی گئی ہے۔"

(حجۃ اللہ البالغۃ: حصہ اول، ص 244، مترجم، مطبوعہ الفیصل ناشران، اگست، 2006)

انکے شرک کی درج ذیل دو شکلوں کا بالخصوص آپ نے ذکر کیا ہے:

(۱): غیر اللہ کو پکارنا:

"من جملہ مظنہ ہائے شرک کے ایک یہ ہے کہ مشرک لوگ قضا و حوائج کے لئے غیر اللہ کو پکارتے تھے اور انہیں سے شفاء مریض اور افلاس دور ہونے اور دوسری تیسری مرادیں مانگتے تھے، اس سلسلہ میں ان کے لئے منتیں مانتے اور تبرک کے طور پر ان کے نام جپتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس مشرکانہ عقیدہ کو مٹانے کے لئے کہ حکم دیا کہ وہ ہر نماز میں بلکہ ہر ایک رکعت میں یہ کہا کریں ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ تا کہ توحید کا صحیح مفہوم ہر وقت ان کے پیش نظر رہے"

(۲): اپنے آپ کو غیر اللہ کا عبد بتانا:

"من جملہ ان کے یہ کہ وہ اپنے بیٹوں کا نام عبد العزیٰ اور عبد الشمس وغیرہ رکھا کرتے تھے، سورۃ الاعراف کا آخری رکوع: ھو الذی خلقکم من نفس واحدہ ... اسی بارے میں نازل ہوا ہے .... بہت سی حدیثوں میں آیا ہے کہ جس کا نام اسلام سے پہلے عبد العزیٰ اور عبد الشمس وغیرہ تھا اس کو رسول خدا نے عبد اللہ اور عبد الرحمٰن وغیرہ سے بدل دیا۔ بہر کیف یہ تمام باتیں جو مذکور ہوئیں شرک کا مظنہ اور اسکے اشباح وقوالب ہیں اور اسی حقیقت کو ملحوظ رکھ کر شرح نے ان

کے کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

(حجۃ اللہ البالغہ: حصہ اول، ص 247، مترجم، مطبوعہ الفیصل ناشران، اگست، 2006)

نوٹ: سورۃ الاعراف کے آخری رکوع کی چند آیات ملاحظہ کریں:

﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا فَلَمَّا تَغَشّٰهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ o فَلَمَّآ اٰتٰهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰهُمَا فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ o اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَّ هُمْ يُخْلَقُوْنَ o﴾ (سورۃ الاعراف، آیت: 189-191)

ترجمہ: ''وہی تو ہے جس نے پیدا کیا تمھیں تن واحد سے اور اسی سے اسکا جوڑا بنایا تاکہ وہ اس اپنے جوڑے سے سکون حاصل کرے۔ پھر جب میاں نے بیوی سے قربت کی تو اٹھالیا اس نے ہلکا سا بوجھ سو وہ اسکو لئے ہوئے چلتی پھرتی رہی۔ پھر جب وہ بوجھل ہوگئی تو دونوں میاں بیوی اللہ سے جو انکا مالک ہے دعا کرنے لگے کہ اگر تو نے ہم کو صحیح سالم اولاد دے دی تو ہم خوب شکر گزاری کریں گے۔ تو جب اللہ نے دونوں کو صحیح سالم اولاد دے دی تو اللہ کی دی ہوئی چیز میں وہ دونوں اللہ کے شریک قرار دینے لگے، سو اللہ پاک ہے انکے شرک سے۔ کیا ایسوں کو شریک بناتے ہیں جو کسی چیز کو تخلیق نہ کرسکیں بلکہ خود ہی تخلیق کیے گئے ہوں'

ہندوؤں کا شرک

موجودہ اقوام میں سے ہندو سب سے زیادہ شرک کرتے ہیں اس لیے ان کے متعلق تھوڑی سی وضاحت پیش خدمت ہے۔ عام لوگوں کا سابقہ اقوام کی طرح ان کے متعلق بھی یہی خیال ہے کہ یہ خدا کو نہیں مانتے اس کے برعکس بتوں کو خدا مانتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ وہ ہندو جو اپنے مذہبی عقائد اور اپنی مقدس کتابوں کا علم نہیں رکھتے وہ ایک سے زیادہ خداؤں پر یقین رکھتے ہیں لیکن ان کی مذہبی کتابیں صرف اور صرف ایک خدا پر یقین کی دعوت دیتی ہیں اور یہی نقطہ نظر باشعور ہندوؤں کا ہے۔ عام ہندو کے نزدیک سورج، چاند، درخت، گائے، سانپ سب دیوتا ہیں لیکن عالم و فاضل ہندو کہے

گا صرف اور صرف ایک ہی خدا کی پوجا کرنی چاہیے۔ چنانچہ ہندوؤں کی چند مستند مذہبی کتابوں میں خدا کے متعلق درج ذیل عقیدہ ملتا ہے۔

☆ (اکم ایوادیتم)۔ترجمہ: ''خدا ایک ہے اس کا کوئی ثانی نہیں'' (اپنشد، باب 4، حصہ دوم)

☆ (خدا کا کوئی شریک نہیں، کوئی اس جیسا نہیں، کوئی ثانی نہیں۔ اسکی تصویر نہیں، اسکا تصور نہیں، اسکا عکس نہیں، اسکا مجسمہ یا مورتی نہیں، اسکا بت نہیں)

(سویدہ سوتیرا اپنشد، باب۔6، آیت۔19)

☆ (کوئی خدا کو دیکھ نہیں سکتا) (اپنشد، باب۔4، سطر 20)

☆ (وہ تمام لوگ جن کی فہم و فراست مادی خواہشات نے سلب کر لی ہے بہت سے خداؤں کی پوجا کرتے ہیں'' (بھگوت گیتا، باب۔7)

☆ (اکم ست و پراا بھدا ودیانتی) ترجمہ: ''سچ ایک ہے، خدا ایک ہے۔ اسکے بندے اسکو مختلف ناموں سے پکارتے ہیں'' (رگ وید، کتاب۔2، دعا نمبر۔164، منتر۔46)

<u>وقت کے ساتھ تبدیلی</u>: جیسے جیسے وقت گزرتا ہے مذہب کی اصل تعلیمات پس پشت ڈل جاتی ہیں، شیطان کو موقع مل جاتا ہے اور نظریات میں بگاڑ آجاتا ہے۔ ایسا صرف ہندوؤں کے ساتھ ہی نہیں ہوا بلکہ ہر مذہب میں ایسا ہوا ہے اسی لیے خدا اور اسکے پیغمبر سب سے زیادہ زور اسی بات پر دیتے ہیں کہ ہر شخص کو معیار شخصیات اور انکی کتابوں کی بجائے تعلیمات وحی کو بنانا چاہیے جو کہ ہدایت پر رہنے کا واحد راستہ ہے۔ چنانچہ ہندوؤں میں خدا کے متعلق تبدیلی کی صورت حال کچھ یوں ہے۔

ہندوؤں کے عصر حاضر کے مایہ ناز مذہبی سکالر سری سری روی شنکر اپنی مشہور کتاب میں ہندوؤں کے عقائد کی ترجمانی یوں کرتے ہیں۔

''ایک خدا پر ایمان (رکھا جائے)'' پھر آگے چل کر اسکی وضاحت یوں کرتے ہیں۔

''مشترک واحدانیت پر یقین رکھا جائے اگرچہ دھنک روشنی کے سات رنگوں سے مل کر تشکیل پاتی ہے مگر یہ سب رنگ روشنی کی سفید شعاعوں یا کرنوں سے وجود

پاتے ہیں، اسی طرح 33 کروڑ دیوی دیوتا ایک ہی خدائی نوری کرنیں ہیں جو عظیم ہے، علیم ہے"۔

(Hinduism & Islam The Common Thread, Part-1, Page-2)

اسی کتاب کے حصہ سوم میں "عبادت کے طریقے" کے عنوان کے تحت وہ بتوں کی پوجا کو ایک مثال کے ذریعے یوں سمجھاتے ہیں۔

"کسی شخص کی تصویر وہ شخص نہیں ہوتا (یعنی تصویر بذاتہ وہ شخص نہیں ہوتا بلکہ عکس ہوتا ہے)، کسی کا وزٹنگ کارڈ اسکی شخصیت نہیں ہوتی۔ اسی طرح بت صرف خدا کے وجود کا شعور اور ترجمان ہے اسکی تصویر یا وزٹنگ کارڈ ہے (یعنی یہ علامت یا استعارہ ہے)"

بتوں کی توجیہ:

دیگر ہندو مذہبی محققین نے بتوں کی توجیہ یوں کی ہے۔

"بتوں کی پوجا ہندوازم میں ایک غلط بات ہے لیکن نچلی سطح پر (یعنی ابتدا میں جب انسان کامل نہ ہو) انسان کو پوجا کے لیے کسی ظاہر علامت یعنی 'بت' کی ضرورت ہوتی ہے مگر اعلیٰ سطح پر اسے اسکی ضرورت نہیں ہوتی"

(مناظرہ ڈاکٹر ذاکر نائیک وردی روی شنکر: اسلام اور ہندومت میں تصور معبود)

اصل تعلیمات کی تاویلات سے مذکورہ تبدیلی تو اہل علم ہندوؤں میں آئی جبکہ عام ہندوان دیوتاؤں اور بتوں کی پرستش سے رفتہ رفتہ خدائے واحد سے غافل ہو گیا اور مصائب و آلام سے نجات کا سبب انہیں بتوں کو سمجھنا شروع کر دیا۔ اس مختصر وضاحت سے یہ بات واضح ہو گئی کہ باشعور ہندو ایک خدا پر یقین رکھتے ہیں اور بتوں اور دیوتاؤں کو خدا کا عکس، اوتار، اسی ایک کی کرنیں یا علامت تصور کرتے ہیں۔

امت کے متعلق نبی مکرم ﷺ کی انتہائی اہم پیشین گوئی

شرک کے متعلق مذکورہ اہم ترین وضاحت کے بعد یہ ضروری ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی خوفناک پیشین گوئی سے آگاہی حاصل کر لی جائے تاکہ ہم میں اپنا محاسبہ اور ظالم دشمن شیطان سے بچنے کی فکر پیدا ہو سکے۔ چنانچہ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

﴿لتتبعن سنن من كان قبلكم شبرا بشبر و ذراعاً بذراع حتىٰ لو سلكوا جحر ضب لسلكتموه قلنا يا رسول الله اليهود والنصارى؟ قال فمن؟﴾

(صحیح بخاری "کتاب الاعتصام" حدیث نمبر 3456 ، صحیح مسلم "کتاب العلم" حدیث نمبر 6781)

ترجمہ: "یقیناً تم بھی پہلے لوگوں کے طریقوں کے پیچھے چل پڑو گے جس طرح بالشت، بالشت کے ساتھ اور ہاتھ، ہاتھ کے ساتھ (برابر ہوتا ہے) حتیٰ کہ اگر پہلے لوگوں نے کسی گوہ کے سوراخ میں داخل ہونے کا (بے ہودہ اور فضول) کام کیا تو تم بھی اُن کے پیچھے چلو گے۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ ﷺ اُن پہلے لوگوں سے مراد کیا یہودی اور نصرانی (عیسائی) ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر وہ مراد نہیں تو اور کون مراد ہیں ۔۔۔؟ "

آپ ﷺ کی امت میں سے کون سابقہ اقوام وملل کے طریقوں پر چلتے ہوئے شرک کا مرتکب ہو رہا ہے اور کون نہیں اس میں الجھنا ہمارا مقصد ہرگز نہیں، لیکن یہ حقیقت ہے کہ آنحضور ﷺ کی پیشین گوئی پوری ہو چکی ہے اور شرک کی جتنی اقسام سابقہ اقوام میں پائی جاتی تھیں افسوس کہ ان کا بڑا حصہ مسلمانوں میں موجود ہے۔ صرف شکلوں میں تبدیلی ہوئی ہے لیکن ظالم شیطان نے کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کو بھی اس ظلم میں ملوث کر دیا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس غلاظت کو پہچان کر اس سے اپنا دامن پاک کیا جائے۔ آئیں ہم سب اپنا اپنا محاسبہ کریں اور محتاط رویہ اپناتے ہوئے زندگی بسر کریں اللہ ہماری اصلاح فرمائے۔ (آمین)

باب ٦

شرک فی الذات اور ذات وصفات کی تاویلات

کسی بھی اعتبار سے مخلوق کو اللہ ﷻ کی ذات کا اور اللہ ﷻ کو مخلوق کی ذات کا حصہ سمجھنا شرک فی الذات کہلاتا ہے۔ یہ شرک کی بدترین قسم ہے جسے اللہ ﷻ کسی اعتبار سے بھی معاف نہیں کرتا۔ سورۃ اخلاص میں واضح طور پر فرمایا: (اَللّٰهُ الصَّمَد ٥ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَد) اللہ ﷻ بے نیاز ہے نہ اُس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے یعنی نہ اس سے کوئی نکلا اور نہ وہ کسی سے نکلا۔ اللہ ﷻ کی ذات وصفات کے سوا ہر شے مخلوق ہے جس کو اُس نے اپنے ارادے سے تخلیق فرمایا۔ اس معاملہ میں سخت احتیاط کرنی چاہیے اور خالق ومخلوق کے لفظ سے آگے نہیں بڑھنا چاہیے۔ اِسی پر خود حضور اقدس ﷺ اور آپ کے جانثار ساتھی سختی سے کاربند رہے۔ یہ عریاں ترین اور گھناؤنا ترین جرم ہے جس میں ابلیس نے بہت سے لوگوں کو ملوث کیا، جیسے یہود ونصاریٰ نے انبیاء کرام کو اللہ ﷻ کا بیٹا قرار دیا۔ اسی طرح آپ ﷺ کی اُمت میں حلولیہ پیدا ہوئے جن کے مطابق اللہ ﷻ اشیاء میں حلول کر جاتا ہے۔ کچھ نے کہا خدا نے مادے کی شکل اختیار کر لی ہے لہذا ہر شے خدا ہے (معاذ اللہ) پھر وسیع پیمانے پر نظریہ اوتار پھیلا جیسا کہ ہندوؤں میں کہ خدا انسانی شکل میں بھی ظاہر ہوسکتا ہے۔ اِسی طرح کی کچھ شکلیں ہندو درویشوں اور جوگیوں میں آئیں جیسے وہ کہتے! ''ہر میں ہر ہے'' ''ماس ماس سب ایک ہے کیا سؤر کیا گائے'' وغیرہ۔ (نعوذ باللہ)

بحث کی راہ: افسوس ہے کہ آج بھی اللہ ﷻ کی ذات کی تاویلوں کی بنا پر مختلف اشکالات پید!

ہو چکے ہیں۔ یاد رکھیں! سخت احتیاط کریں اور ایسی باتوں سے کنارہ کشی کریں۔ غلط تاویل ہرگز نہ کریں۔ جس نے جو کیا ہم سے نہیں پوچھا جائے گا۔ ہمیں اپنے بارے میں سوال ہوگا۔ بالکل واضح اور شفاف خالق و مخلوق کا فرق قائم رکھتے ہوئے زندگی بسر کریں۔ بس ایک بات یاد رکھیں کہ کسی بھی لحاظ سے خالق اور مخلوق کا کوئی مقابلہ نہیں۔

ذات وصفات کی تاویلات

جس طرح آپ پیچھے پڑھ آئے ہیں کہ اللہ ﷻ نے گرفت کی ہے ان لوگوں کی جو اعمال وعقائد میں متشابہات آیات کو دلیل بنا کر تاویلیں کرتے ہیں۔ اس بات میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی حقیقت کا بیان متشابہات میں داخل ہے۔ اسی لیے سلف صالحین اور خود حضور اقدس ﷺ نے ایسی چیزوں کی تاویلیں نہیں کیں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے بھی یہی وضاحت کی ہے کہ: اس معاملے میں زیادہ کاوش نہ کی جائے، عہد نبوت اور صحابہ تابعین کے زمانے میں عام مسلمانوں کا اسی پر عمل رہا لیکن بعد میں آنے والے یونانی فلسفیوں نے اس موضوع پر غور وخوض کرنا شروع کر دیا۔ آپ رحمہ اللہ نے اس ضمن میں آنحضور ﷺ کی حدیث بیان کی کہ جب آپ کے سامنے یہ آیت پڑھی گئی ﴿وان الی ربك المنتهی ...﴾ تو آپ نے فرمایا: (لا فکرۃ فی الرب)۔ (رب تعالیٰ کی ذات اقدس اور صفات عالیہ کی حقیقت میں غور وفکر نہ کرو) (حجۃ اللہ البالغہ صفحہ: 249، حصہ اول، مترجم: مطبوعہ الفیصل ناشران)

بچت کی صورت یہی تھی کہ اللہ کی ذات وصفات کے حوالے سے صرف وحی کے علم تک اپنے آپ کو محدود رکھا جاتا۔ جو چیز جس طرح اللہ ورسول کی طرف سے بیان کی گئی تھی اپنی طرف سے اس میں تاویلیں نہ کی جاتیں۔ اس کے برعکس فلسفیوں اور علم کلام کے ماہرین نے اللہ کی ذات و صفات کو انسانی علوم کے دائرے میں لا کر سمجھنے اور بیان کرنے کی کوشش کی ہے اور مثالوں کے ذریعے ذات وصفات کو بیان کیا ہے اور اصول وضع کیے ہیں۔ ان چیزوں کا بیان مخلوقات کے لیے تو

کیا جا سکتا ہے لیکن خالق کے لیے نہیں۔مختصر سی وضاحت ملاحظہ کریں، جو مقالات الاسلامیین، تلبیس ابلیس اور العلو وغیرہ میں بیان کی گئی ہے:

پہلا گروہ: ان طبقات میں پہلا گروہ، وہ ہے جنہوں نے اللہ ﷻ کی صفات کا مطلق انکار کیا اور ان کی عقلی تاویلیں بیان کیں۔اس میں جہمیہ اور معتزلہ سرفہرست ہیں۔اس گروہ کو معطلہ کہا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے صفات باری تعالیٰ کی تعطیل کی۔مثلاً ان لوگوں نے کہا اگر یہ کہا جائے کہ اللہ ﷻ عرش پر ہے تو یہ سوال پیدا ہوگا کہ اللہ ﷻ عرش سے بڑا ہے یا عرش اللہ ﷻ سے بڑا ہے یا دونوں برابر ہیں۔ان اشکالات کے بعد ان لوگوں نے ضروری سمجھا کہ بہتر یہی ہے کہ اس بات سے انکار کر دیا جائے کہ اللہ ﷻ عرش پر ہے۔حالانکہ اللہ نے عرش پر ہونے کی کیفیت بیان نہیں فرمائی۔اسی طرح انہوں نے اللہ ﷻ کے ہاتھ "یداللہ" کی تاویل کی اور اس سے مراد نعمت یا قدرت لیا ہے۔

صحیح عقیدہ: جو صفت جن الفاظ کے ساتھ آئی ہے اس پر اُسی طرح ایمان رکھا جائے اپنی طرف سے ہرگز تاویل نہ کی جائے اور نہ ہی اس کی کیفیت بیان کی جائے مگر جتنی تعلیمات وحی میں بیان ہوئی۔

دوسرا گروہ: اس گروہ میں سرفہرست الکرامیہ اور الرافضہ ہیں۔انھوں نے اللہ کی تشبیہات اور مثالیں بیان کی ہیں۔جبکہ اللہ کے لیے کوئی مثال نہیں۔اس جیسا کوئی نہیں اور نہ وہ کسی جیسا ہے۔

تیسرا گروہ: اس گروہ میں سرفہرست الھشامیہ ہیں۔ان لوگوں نے اللہ کی ہیئت اور صفات کی کیفیت بیان کرنے کی کوشش کی ہے مثلاً کہا کہ اللہ کا طول اور عرض برابر ہے (معاذ اللہ)۔

تفویض: تفویض سے مراد یہ ہے کہ الفاظ کے معنی ہی بیان نہ کیے جائیں مثلاً اللہ ﷻ کے لیے 'ید' کا لفظ آیا بعض لوگوں نے کہا 'ید' کا معنی ہاتھ کیا ہی نہ جائے جبکہ اللہ ﷻ کے رسول ﷺ نے معنی بیان کیے ہیں۔اصل بات یہ تھی کہ معنی بیان کیا جائے لیکن اس کی تمثیل یا کیفیت بیان نہ کی جائے۔اللہ ﷻ کے اسماء وصفات کے لیے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کا پابند رہا جائے۔

موجودہ مسلمانوں کے نظریات

معتزلہ، جہمیہ اور ہشامیہ اور دیگر فلسفیوں کی ذات وصفات میں تاویلات کرنے کا براہِ راست اثر دیگر مسلمانوں کے طبقات پر بھی پڑا جسکے آثار آج بھی مسلمانوں کے بعض طبقات میں موجود ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نہ عرش پر ہے نہ آسمانوں میں ہے، وغیرہ وغیرہ۔ اس وقت مسلمانوں میں عمومی طور پر دو قسم کے نظریات پائے جاتے ہیں۔

(1)۔ علمائے عرب سمیت دیگر کچھ مسلمان: تابعین، تبعہ تابعین، آئمہ اربعہ اور محدثین کے نظریات پر ہیں کہ: اللہ تعالیٰ کی جو صفات جن الفاظ کے ساتھ آئی ہیں انھیں انہی الفاظ کے ساتھ موصوف کرتے ہوئے بغیر تاویل کے انکا جو معنی ہے وہ تو بیان کیا جائے لیکن اسکی کیفیت وحقیقت کے بیان سے اجتناب کیا جائے جیسے اللہ تعالیٰ کے لئے 'ید' کا لفظ آیا، اسکا معنی تو ہاتھ ہی کیا جائے لیکن وہ ہاتھ کیسا ہوگا، اسکی کیا کیفیت ہوگی اسکے بیان سے اجتناب کرتے ہوئے اس معاملے کو اللہ کے سپرد کیا جائے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے حوالے سے انکا یہ نظریہ ہے کہ وہ عرش پر مستوی ہے اور اس نے ساری کائنات کا اپنے علم، قدرت، سمع وبصر سے احاطہ کیا ہوا ہے، وہ حاملین عرش اور زمین پر چلنے والی چیونٹی کو یکساں دیکھتا ہے اور اپنی شان کے لائق دیگر جگہوں پر نزول فرماتا ہے جیسا کہ پہلے آسمان پر نزول کا ذکر آیا۔

(2)۔ کچھ لوگوں کا نظریہ سابقہ فلسفیوں سے مماثلت رکھتا ہے اور وہ خدا کی صفات کی تاویل کرتے ہوئے انکے لفظی معنی کی حقیقت وکیفیت بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں جیسا کہ عرش پر مستوی ہونے سے مراد غلبہ اور ید سے مراد قدرت لیتے ہیں وغیرہ۔ اسی طرح قرآن مجید کی بعض آیات کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کو بذاتہ ہر جگہ موجود مانتے ہیں۔

اختلاف کی بنیادی وجہ

اس ضمن میں اختلاف کی بنیادی وجہ اپنی محدود عقل سے خدا کی ماہیت کو سمجھنا ہی بنی ہے۔ فلسفیوں کا خیال ہے الفاظ کا ظاہری مفہوم خدا کے شایان شان نہیں کیونکہ بغیر معنی کی حقیقت بیان کیۓ اگر خدا تعالٰی کے لئے کلام، آنکھیں، ہاتھ، دہن اور منہ وغیرہ کا اثبات کیا جائے تو اس سے اسکا جسم ہونا لازم آئے گا۔ ان لوگوں نے محدثین کو **'مجسمہ اور مشبہ'** قرار دیا ہے یعنی خدا کی جسمیت ثابت کرنے والے اور اسے مخلوق کے مشابہ سمجھنے والے۔ حالانکہ یہ جھوٹ ہے کیونکہ محدثین کا نقطہ نظر صرف یہ ہے کہ خدا کی صفات کے لئے الفاظ کا اثبات اور معنی تو وہی بیان کیا جائے جو ہے لیکن انکی حقیقت و کیفیت خدا کے سپرد کر دی جائے۔ اس ضمن میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اپنی رائے یوں قلمبند کی ہے:

> "اس کے متعلق تحقیق یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس (صفات کی حقیقت کے) بارے میں کچھ بھی نہیں فرمایا، بلکہ اپنی امت کو اس سے منع فرمایا ہے کہ اس قسم کے مسائل پر بحث کی جائے یا ان کے متعلق کسی قسم کی گفتگو کی جائے۔ اجمالی ایمان بالکل کافی ہے۔ اس لئے کسی' مسلمان کو یہ حق حاصل نہیں کہ ان ابحاث کو چھیڑے اور ان میں گفتگو کرے۔" (حجۃ اللہ البالغہ صفحہ: 251، حصہ اول، مترجم: مطبوعہ الفیصل ناشران)

ہم شاہ صاحب رحمہ اللہ کی اس بات سے اتفاق کرتے ہیں کہ صفات کی حقیقت کا کھوج لگانے سے منع کیا گیا ہے اسلئے اجمالی ایمان کافی ہے۔ لیکن جتنی گفتگو قرآن وسنت نے کی ہے اتنی ضرور کی جائے تاکہ اختلاف کی نوعیت اور اجمالی ایمان کو کچھ نہ کچھ سمجھا جا سکے۔

اس اختلاف کے پیش نظر یہ ضروری ہے کہ اس ضمن میں قرآن وسنت سے کچھ وضاحت اور سلف صالحین کی رائے کے ساتھ ساتھ وہ سائنسی حقیقت جسکا انکار ممکن نہیں اسے بھی بیان کیا جائے تاکہ صحیح بات کی پیروی ہو سکے۔

اللہ تعالیٰ کا عرش پر مستوی ہونا

قرآن مجید میں یہ بات صراحت کے ساتھ بیان ہوئی ہے کہ اللہ ﷻ عرش پر مستوی ہے۔ چند آیات ملاحظہ کریں:

نمبر ۱: ﴿اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾

ترجمہ: ''تحقیق تمہارا رب اللہ ﷻ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا پھر عرش پر مستوی ہوا۔'' (اعراف۔ آیت:54)

یہ بات واضح ہوگئی کہ اللہ ﷻ اپنی شان کے لائق عرش پر مستوی یعنی جلوہ افروز ہے جس کی کیفیت ہمیں معلوم نہیں۔

نمبر ۲: ترجمہ: ''وہ (فرشتے) عرش اُٹھائے ہوئے ہیں اور ان کے اردگرد والے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح بیان کرتے ہیں اور اس پر ایمان لاتے ہیں۔'' (سورہ المومن: آیت 7)

نمبر ۳: تحویل قبلہ کے موقع پر آنحضور ﷺ آسمان کی طرف دوران نماز چہرہ کرتے تھے جس پر قرآن نازل ہوا: ﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا﴾ (سورہ البقرہ۔ آیت:144)

ترجمہ: ''ہم آپ ﷺ کے چہرے کو آسمان کی طرف اُٹھتے دیکھ رہے ہیں ہم آپ کو وہی قبلہ دیں گے جسے آپ ﷺ پسند کرتے ہیں''۔

نمبر ٤: ترجمہ: ''اور فرعون نے ہامان سے کہا میرے لیے عمارت بناؤ تا کہ آسمانوں کے اسباب تک پہنچوں اور موسیٰ (علیہ السلام) کے اللہ ﷻ کو جھانکوں''۔

(سورہ المومن آیت:37-36)

نمبر ٥: ﴿قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِي الْعَرْشِ سَبِيْلًا﴾

(بنی اسرائیل۔ آیت:42)

ترجمہ: ''فرما دیجیے کہ اگر اللہ ﷻ کے ساتھ اور معبود بھی ہوتے جیسے کہ ہم لوگ کہتے ہیں تو ضرور وہ اب تک عرش والے کی طرف راہ ڈھونڈتے۔''

اس آیت کریمہ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اللہ ﷻ اپنی شان کے لائق عرش پر ہے۔

شرح العقیدہ طحاویہ میں ہے: ﴿ **فمن نفى العلو من الجهيمة فهو فرعوني، و من اثبته فهو موسوى محمدى** ﴾ **ترجمہ:** '' جہیمیہ میں سے جس نے علو (یعنی بذات خود ہر چیز سے بلند ہے) کی نفی کی وہ فرعونی ہے اور جس نے علو ثابت کیا وہ موسوی (علیہ السلام) اور محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔''

(شرح العقیدہ الطحاویۃ ،ص:259)

رسول اللہ ﷺ سے رہنمائی

نمبر ۱: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((ان اللّٰه كتب كتاباً ...... فهو مكتوب عنده فوق العرش))

(صحیح بخاری ''کتاب التوحید'' حدیث نمبر **7554**)

ترجمہ: ''بلاشبہ اللہ ﷻ نے ایک کتاب لکھی ہے...... جو اُس کے پاس عرش کے اوپر ہے۔''

نمبر ۲: اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ ایک لونڈی سے پوچھا:

این اللّٰه ﴿اللہ کہاں ہے؟﴾

قالت في السماء (اُس نے کہا آسمان میں) پھر آپ ﷺ نے پوچھا میں کون ہوں؟ **قالت انت رسول اللّٰه** (اُس نے کہا آپ اللہ کے رسول ﷺ ہیں)

پھر آپ ﷺ نے اِرشاد فرمایا: **اعتقها فانها مومنة** (اِسے آزاد کر دو یہ مومنہ ہے)

(صحیح مُسلم ''کتاب المساجد'' حدیث نمبر **1199**)

نمبر ۳: سیدنا ابو ہریرہ ﷛ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''ہر رات جب آخری تہائی رات باقی رہ جاتی ہے تو تمہارا رب تبارک وتعالیٰ آسمان دُنیا (پہلے آسمان) پر نزول فرماتا ہے اور پوچھتا ہے۔ کوئی ہے جو مجھ سے دُعا کرے میں اُس کی دُعا قبول کروں کوئی ہے جو مجھ سے مانگے میں اُسے عطا کروں اور کوئی ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے تو میں اُسے بخش دوں۔'' (صحیح مُسلم ''کتاب صلوٰۃ المسافرین'' حدیث نمبر 1772)

بعض فلسفیوں نے کہا کہ اللہ ﷻ آسمانِ دُنیا پر نزول فرماتا ہے اگر اِس کو مان لیا جائے تو سوال پیدا ہوگا کہ کیا اُس وقت اللہ ﷻ عرش پر نہیں ہوگا؟ ایسا کرنا درحقیقت اللہ کو مخلوقات پر قیاس کرنے کے مترادف ہے جبکہ اللہ ﷻ پر یہ قاعدے فٹ نہیں کیے جاسکتے۔ ہم ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ ﷻ پہلے آسمان پر نزول فرماتا ہے لیکن اس کی کیفیت اور حقیقت ہمیں معلوم نہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا تھا کہ اللہ ﷻ کا عرش پر ہونا ہمیں معلوم ہے کیونکہ اللہ ﷻ نے بیان کر دیا۔ اِس کی کیفیت ہمیں معلوم نہیں (کیونکہ اللہ ﷻ نے بیان نہیں کی)۔ وہ عرش پر مستوی ہے لیکن کائنات کی ہر چیز کا اس کی رحمت اور علم نے احاطہ کیا ہوا ہے جیسے سورۃ المومن کی آیت۔ 7 میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ((وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا))

ترجمه: ''تو نے ہر چیز کو اپنی رحمت اور علم سے گھیر رکھا ہے''۔

خدا کے ہر جگہ موجود ہونے پر آیات

بعض آیات یہ ظاہری معنی بھی دیتی ہیں کہ خدا ہر جگہ موجود ہے۔ ان آیات کو معتزلہ جھمیہ وغیرہ اور کچھ بعض کے لوگوں نے بنیاد بنایا۔ آیات ملاحظہ کریں:

نمبر ۱: ﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا

كُنْتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴾ (الحدید: آیت 4)

ترجمہ: ''وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا پھر عرش پر مستوی ہوا وہ (خوب جانتا ہے) (یعنی اس کے علم میں ہے) اس چیز کو جو زمین میں جائے اور جو اس سے نکلے اور جو آسمان سے نیچے آئے اور جو کچھ چڑھ کر اس میں جائے، اور جہاں کہیں تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہے اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ ﷻ دیکھ رہا ہے''۔

☆ اللہ ﷻ نے ساتھ ہونا اپنے علم و بصر کے ساتھ بیان فرمایا۔

نمبر ۲: ﴿ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴾ (المجادلہ: آیت: 7)

ترجمہ: ''کیا تو نے نہیں دیکھا کہ زمین اور آسمانوں کی ہر چیز اللہ ﷻ کے علم میں ہے، تین آدمیوں کی سرگوشی نہیں ہوتی مگر اللہ ﷻ ان کا چوتھا ہوتا ہے اور نہ پانچ کی مگر ان کا چھٹا وہ ہوتا ہے اور نہ اس سے کم کی اور نہ زیادہ کی مگر وہ ساتھ ہی ہوتا ہے جہاں بھی وہ ہوں، پھر قیامت کے دن انہیں ان کے اعمال سے آگاہ کرے گا۔ بے شک اللہ ﷻ ہر چیز کو جاننے والا ہے''۔

اس آیت کریمہ کے آغاز اور اختتام پر اشیاء کے احاطہ کا ذکر علم کی بنا پر کیا گیا ہے۔

جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو فرعون کی طرف دعوت دین کے لیے حکم ارشاد ہوا تو انھوں نے فرعون کی طرف سے زیادتی کا خوف ظاہر کیا جس پر اللہ ﷻ نے فرمایا:

نمبر ٤: ﴿ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ﴾ (طٰہٰ آیت: 46)

ترجمہ: ''کہ تم خوف نہ کرو میں تمہارے ساتھ ہوں اور (ہر بات) سن رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں۔

اس آیت کریمہ میں ساتھ ہونا سمع وبصر یعنی سننے اور دیکھنے کے اعتبار سے بیان ہوا ہے۔

ان آیات بارے سلف صالحین کی رائے

سلف صالحین ان آیات سے معیت (اللہ تعالیٰ کا ساتھ ہونا) علم وبصر اور قدرت کے اعتبار سے مراد لیتے ہیں، اس ضمن میں ان کی رائے ملاحظہ کریں:

نمبر ۱: امام عبداللہ بن احمد رحمہ اللہ کتاب السنہ میں روایت کرتے ہیں کہ: ''انہوں نے کہا تین سرگوشیاں کرتے ہوں تو وہ چوتھا ہے اور پانچ ہوں تو وہ چھٹا ہے'' فرمایا اللہ ﷻ عرش پر ہے اور اس کا علم ان کے ساتھ ہے۔

نمبر ۲: امام حنبل بن اسحاق رحمہ اللہ کتاب السنہ میں کہتے ہیں میں نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے پوچھا آیات ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ﴾ کا کیا مطلب ہے؟ تو امام نے فرمایا: اس سے مراد اللہ ﷻ کا علم ہے، وہ عالم الغیب ہے ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

نمبر ۳: امام المفسرین ابن جریر رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں ﴿هو رابعهم﴾ کا مطلب یہ ہے کہ وہ عرش پر ہوتے ہوئے ان کا مشاہدہ علمی کر رہا ہے۔

نمبر ٤: امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں: اللہ ﷻ ان کے ساتھ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان کے کلام، ضمیر اور پوشیدہ وظاہر کو جانتا ہے گویا وہ ان کے ساتھ حاضر اور موجود ہے۔

نمبر ٥: تفسیر ابن کثیر میں ہے اللہ ﷻ اپنے احاطہ علم واطلاع اور ان کے کلام سننے اور ان کو ان کی جگہوں میں دیکھنے جسطرح بھی ہوں اور جہاں ہوں، اس کی خبر دیتے ہوئے فرمایا: (اس کے بعد المجادلہ: آیت ۷ پیش کی)۔

نمبر٦: امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ﴿ **افتتح الایہ باالعلم و ختمعا باالعلم** ﴾ ''اللہ تعالیٰ نے آیت (مجادلہ۔7) کی ابتداء بھی اپنے علم سے بیان کی اور انتہا بھی۔''

(تفسیر الکبیر للرازی (162/8) تفسیر ابن کثیر (422/4))

نمبر٧: امام ذہبی رحمہ اللہ نے کتاب العلو میں یہ بات بیان کی ہے کہ ابو طالب حمید رحمہ اللہ نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے سوال کیا کہ ایک آدمی کہتا ہے اللہ ﷻ ہمارے ساتھ ہے اور استدلال میں یہ آیت پڑھتا ہے:

ترجمہ: ''جب بھی تین سرگوشیاں کریں اللہ ﷻ ان کا چوتھا ہوتا ہے''۔ امام صاحب نے فرمایا یہ شخص جہمی ہے۔ آیت کا آخر لیتے ہیں اول چھوڑ دیتے ہیں اس کو آیت کا یہ حصہ سناؤ ﴿ **الم تعلم** ﴾

نمبر٨: امام دارمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ آیت تو ہماری دلیل ہے تمہاری (جھمیہ کی) نہیں، جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ ﷻ ہر سرگوشی میں حاضر ہے اور عرش پر ہوتے ہوئے ہر ایک کے ساتھ ہے اس کو جانتا ہے کیونکہ اس کا علم سب کا احاطہ کیے ہوئے ہے، اس کی نگاہ سب تک نافذ ہے، اس کے علم و بصر سے کوئی شے پوشیدہ نہیں، نہ ہی کوئی اس سے چھپ سکتا ہے۔

((الرد علی الجہمیۃ للدارمی (19))

اختصار کی خاطر صرف انہیں چند رائے پر اکتفا کرتے ہیں۔

آئمہ اربعہ کی رائے

امام ذہبی رحمہ اللہ نے کتاب العلو میں چاروں آئمہ اکرام کی رائے پیش کی ہے، ملاحظہ کریں:

<u>**مسلک امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ:**</u> ابو مطیع بلخی نے الفقہ الاکبر سے بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں میں نے (امام) ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے پوچھا وہ شخص کیسا ہے جو کہے میں نہیں جانتا کہ رب آسمان میں ہے یا زمین میں اس پر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا: ﴿ **قد کفر لان الله تعالیٰ یقول (الرحمن علی العرش استوی) و عرشه فوق سمٰواته** ﴾ ''وہ کافر ہے اس لیے کہ اللہ ﷻ نے فرمایا: رحمٰن

عرش پر مستوی ہوا، اس کا عرش آسمانوں کے اوپر ہے"۔ میں نے کہا وہ کہتا ہے کہ اللہ عرش پر ہے مگر کیا معلوم عرش آسمان میں ہے یا زمین میں۔ امام صاحب نے فرمایا: ((قال اذا انکر انه فی السماء فقد کفر)) جب اُس نے عرش کے آسمان پر ہونے کا انکار کیا اُس نے کفر کیا۔

(مختصر العلو (126)، سندہ قوی)

مسلک امام مالک رحمہ اللہ: امام مالک کا مسلک عبداللہ بن احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے ﴿ الرد علی الجھمیة ﴾ میں بروایت عبداللہ بن نافع رحمہ اللہ بیان کیا ہے، انھوں نے کہا کہ امام مالک بن انس رحمہ اللہ نے کہا: ﴿ اللہ فی السماء و علمه فی کل مکان لا یخلو منه شیء ﴾ "اللہ آسمان پر ہے اور اس کا علم ہر جگہ ہے۔ اس کے علم سے کوئی چیز جدا نہیں"۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے امام مالک رحمہ اللہ سے اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کی کیفیت معلوم کی۔ آپ کو پسینہ آ گیا اور فرمایا کہ اسے بلا کیف تسلیم کیا جائے کیفیت سے وہ منزہ ہے، اور (فرمایا) تو بدعتی ہے (اور لوگوں سے کہا) اسے یہاں سے نکال دو۔ (الرد علی الجہمیة 167/166)

یہی عقیدہ امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا ہے جو بالترتیب مختصر الصواعق المرسلة (274/2) اور طبقات الحنابلة (421/1) میں بیان کیا گیا ہے۔ یہی مسلک تابعین کا تھا دیکھیے کتاب العلو (23)۔

دیگر آئمہ ومحدثین وفقہا کا مسلک: امام ذہبی رحمہ اللہ نے 100 سے زائد دیگر آئمہ محدثین کے اقوال نقل کیے جن کا عقیدہ آئمہ اربعہ والا تھا۔ ان میں سے چند کے نام یہ ہیں: سفیان ثوریؒ، امام جعفر صادقؒ، قاضی ابو یوسفؒ، محمد بن اسماعیل بخاریؒ، یحییٰ بن معاذ رازیؒ، بشر الحافی الزاہدؒ، ابراہیم المزنیؒ، ابو عیسیٰ الترمذیؒ، سہل بن عبداللہ التستریؒ وغیرہ۔ (کتاب العلو (135-134) طبع الھند)

سائنسی حقیقت

اس حقیقت کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ زمین کسی گول چیز (Sphere) یعنی فٹ بال کی مانند فضا میں معلق ہے اور اسکے چاروں طرف آسمان ہے جسکے چاروں اطراف میں دنیا آباد ہے اور سب لوگوں کو آسمان اپنے اوپر ہی نظر آتا ہے۔ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا کا عرش آسمانوں پر زمین کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ اس حقیقت سے بھی یہی بات سمجھ آتی ہے کہ خدا کی ذات وصفات کی حقیقت کا ادراک ممکن نہیں اسلئے اس معاملے کو اسی کے سپرد کرتے ہوئے قرآن وسنت کی بنیاد پر اجمالی ایمان ہی کافی ہے۔ (واللہ اعلم)

محترم بھائیو! اتنی سختی اور سنگین خطرے کے باوجود لوگوں نے حد سے تجاوز کیا ہے اور کئی ایسے اشعار جن کی بنیاد شرک فی الذات پر ہے کتابوں میں موجود ہیں اور بعض خطباء ان کو پڑھتے دیکھے گئے ہیں۔ یہ ہم صرف اس لیے بیان کر رہے ہیں تا کہ آپ کے علم میں یہ بات آ جائے کہ ایسی چیزیں موجود ہیں اس لیے ان سے بچنے کی فکر کی جائے۔ اللہ ﷻ ہم سب پر رحم فرمائے (آمین)

چند اشعار ملاحظہ کریں:

دوستی رب دی لوڑ نائیں قلعے والے دا پلڑا چھوڑ ناہین
قلعے والے دے گرد طواف کر لے ملے جاونے دی کوئی لوڑ ناہیں
ایہہ قصورِ نگاہ دا نادانوں رب ہور ناہیں پیر ہور ناہیں
فضل رب دا جے مطلوب ہووے قلعے والے ولوں مکھ موڑ ناہیں

(سہ حرفی رموزِ معرفت ،ص:3)

پیر صاحب کی محبت میں یہ کہا جا رہا ہے کہ پیر صاحب کے ہوتے ہوئے اللہ ﷻ کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ پیر ہی درحقیقت خدا ہے (نعوذ باللہ)۔ اللہ ﷻ کے برگزیدہ بندے ایسی چیزوں سے بیزار رہیں۔

غور طلب بات یہ ہے کہ کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایسا کیا، خود رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھی مکے کا طواف کرتے رہے اور اس کا حکم دیا۔ اللہ ﷻ ہمارے حال پر رحم فرمائے۔ (آمین)

خلاصہ: ذات وصفات میں تاویل

(1)۔ اللہ تعالیٰ کی جو صفات جن الفاظ کے ساتھ آئی ہیں انھیں انہی الفاظ کے ساتھ موصوف کرتے ہوئے بغیر تاویل کے انکا جو معنی ہے وہ تو بیان کیا جائے لیکن اسکی کیفیت و حقیقت کے بیان سے اجتناب کرتے ہوئے اس معاملے کو اللہ کے سپرد کر دیا جائے۔

(2)۔ سلف کی رائے یہ ہے کہ ﴿ معیت ﴾ کے معنی من حیث العلم ہیں یعنی وہ عرش پر مستوی ہے اور اس نے ساری کائنات کا اپنے علم، قدرت، سمع و بصر سے احاطہ کیا ہوا ہے، وہ حاملین عرش اور زمین پر چلنے والی چیونٹی کو یکساں دیکھتا ہے اور اپنی شان کے لائق دیگر جگہوں پر نزول فرماتا ہے۔

(3)۔ اللہ تعالیٰ من حیث العلم کے ساتھ ساتھ بذاتہ کائنات میں موجود ہے یا نہیں؟ ہم اس معاملے کو بھی خدا کے سپرد کرتے ہیں کیونکہ من حیث العلم ہونا بذاتہ موجود ہونے کی نفی نہیں کرتا اور نہ ہی قرآن وسنت میں بذاتہ کی نفی پر صراحت سے ممانعت نازل ہوئی ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اہل علم سلف صالحین کی اکثریت نے معیت کو من حیث العلم کے حوالے سے ہی ترجیح دی ہے۔ چونکہ یہ معاملہ ویسے بھی متشابہات میں داخل ہے اسلئے چونکہ قرآن وسنت میں صراحت سے ممانعت نہیں اور خدا کے رسول نے بھی اسکا کھوج لگانے سے منع فرمایا ہے، اسلئے ہم تو اسی میں عافیت سمجھتے ہیں کہ اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جائے۔ بہر کف سلف کی رائے کی ہم قدر کرتے ہیں۔ (واللہ اعلم)

باب ۷

شرک فی الصفاتّ

اللہ ﷻ کی جملہ صفات کو بعینہٖ بندوں میں تسلیم کرنا شرک فی الصفات کہلاتا ہے۔ چونکہ کسی لحاظ سے بھی اس میں ملوث ہونا ہمیشہ کے خسارہ کا باعث بن سکتا ہے اور وہ لوگ جو واقعی نجات کے خواہش مند ہیں اُنھیں محتاط رویہ اپنانا ہوگا اور جتنی اجازت قرآن وسنت میں آئی ہے اُس سے آگے نہیں بڑھنا ہوگا۔

ذاتی اور عطائی کی وضاحت: سوال یہ ہے کہ کیا اللہ اور بندوں کی صفات میں ذاتی، عطائی، قدیم، حادث، محدود، لامحدود، بالواسطہ و بلاواسطہ اور مستقل بالذات وغیرہ کا فرق کر لینے سے اللہ کی صفات میں شمولیت سے شرک ہوگا یا نہیں۔ اس حوالے سے کچھ دلائل آپ پیچھے ملاحظہ کر چکے ہیں باقی باب ۱۷ میں بیان کیے گئے ہیں۔ شرک فی الصفات کی دو اقسام ہم بیان کریں گے جس میں لوگ ملوث نظر آتے ہیں۔ اللہ ﷻ ہمیں حق بیان کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

نمبر ۱: اللہ تعالیٰ کی صفت علم میں شراکت، نمبر ۲: قدرت وتصرف میں شرک

صفت علم میں شراکت

اسے سمجھنے کے لیے ہم سب سے پہلے اللہ ﷻ کے علم کی کیفیت جو قرآن مجید میں بیان ہوئی وہ دیکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا علم! قرآن مجید میں اللہ ﷻ کے علم کی کیفیت اس طرح بیان ہوئی جیسے ﴿ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴾، ﴿ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴾ اسے کہتے ہیں علم تفصیلی اور محیطِ کلی یعنی ہر وقت ہر شے کا تفصیلی علم اور احاطہ۔ جیسے کائنات میں ریت کے ذروں کی تعداد، پانیوں کے قطروں، روشنی کی شعاعوں، ایٹمز اور مالیکیولز وغیرہ کی تعداد۔ ایسا علم اللہ ﷻ کے علاوہ کسی میں ذاتی یا عطائی طور پر ماننا کسی طرح بھی شرک کے خطرہ سے خالی نہیں ہوگا۔ اللہ ﷻ ہم سب کو اس ظلم سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

مخلوقات کا علم! چونکہ مخلوقات میں سب سے عظیم ہستی ہمارے پیارے رسول ﷺ کی ہے اور ابلیس ہمیشہ عظیم المرتبت ہستیوں کے مقام و مرتبہ کے ذریعے ہی لوگوں کا شکار کرتا ہے اس لیے اسی حوالہ سے بات کرتے ہیں۔

یادرکھیں! انبیاء کرام علیہم السلام کے حوالے سے حد سے تجاوز پر مائل کرنا ابلیس کا بہت بڑا ہتھیار ہے اس لیے اس سے پہلو تہی ہرگز نہیں کرنی چاہیے اور جو حقیقت ہے اُسے تسلیم کرنا چاہیے تاکہ ہم رسول اللہ ﷺ کی شفاعت کے حقدار ہوسکیں۔

علم غیب کا بیان

درست نتیجہ اخذ کرنے کے لیے اس ضمن میں قرآن وسنت سے دونوں پہلو یعنی جن میں غیب کا اثبات ہے وہ بھی اور جن میں نفی کی گئی ہے وہ بھی بیان کیے جائیں گے۔

غیب کا اثبات: اللہ ﷻ نے فرمایا:

(i) ﴿ عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ ﴾

ترجمہ: ''وہ غیب کا جاننے والا ہے اور اس غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا مگر جس رسول کو وہ

پسند کرے"۔(الجن:26-25)

(ii) ﴿وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ۝﴾ (التکویر۔آیت 24)

ترجمہ: "اور یہ (نبی ﷺ) غیب کی باتیں بتلانے میں بخیل نہیں"۔

(iii) ﴿وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۝﴾ (النساء۔آیت:113)

ترجمہ: "آپ ﷺ پر کتاب وحکمت اتاری اور آپ ﷺ کو وہ کچھ سکھا دیا جو آپ ﷺ نہیں جانتے تھے اور آپ ﷺ پر اللہ ﷻ کا یہ بہت بڑا فضل ہے۔"

غیب کی نفی:

(i) ﴿قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَ لَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَ لَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَ الْبَصِيْرُ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ﴾ (انعام۔آیت:50)

ترجمہ: "فرمادیجیے نہ تو میں یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس اللہ ﷻ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو صرف پیروی کرتا ہوں وحی کی۔ فرمادیجیے کہ کیا اندھا اور بینا برابر ہو سکتے ہیں۔ پھر تم غور کیوں نہیں کرتے؟"

(ii) ﴿قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَ مَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّ بَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝﴾ (الاعراف۔آیت:188)

ترجمہ: "فرمادیجیے میں اپنی ذات کے لیے بھی نفع ونقصان کا اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ ﷻ چاہے اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو میں بہت سی خیر اکٹھی کر لیتا اور مجھے کوئی

نقصان نہ پہنچتا۔ میں تو محض ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں“۔

وضاحت! ان آیات سے جو باتیں روز روشن کی طرح عیاں ہیں وہ یہ ہیں:

(i) اللہ ﷻ اپنے پسندیدہ رسولوں پر غیب کی خبریں ظاہر فرماتا ہے جسے وہ لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔ کتاب وحکمت اور دیگر علوم کثرت سے عطا کئے گئے۔ جیسے حضرت آدم علیہ السلام کے لیے فرمایا: ﴿وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا﴾ اور آدم علیہ السلام کو سب اشیاء کے اسماء سکھلائے گئے۔

(ii) عالم الغیب اللہ کی خاص صفت ہے اس لیے صرف اللہ ہی عالم الغیب ہے۔

(iii) ان باتوں کو صرف ایمان والے تسلیم کرتے ہیں۔

احادیث مبارکہ سے رہنمائی: جس خبر یا علم کی آنحضور ﷺ کو ضرورت تھی اللہ ﷻ نے آپ ﷺ پر ظاہر فرمادی۔ اسی ضمن میں جب منافقین نے آپ ﷺ کے علم پر اعتراض کیا تو اللہ ﷻ نے آپ کی نبوت کی صداقت کے لیے آپ ﷺ پر حالات منکشف فرمادیے جس کا بیان درج ذیل حدیث میں آیا ہے:

نمبر ۱:

”حضور علیہ السلام ممبر پر کھڑے ہوئے پس قیامت کا ذکر فرمایا کہ اس سے پہلے بڑے بڑے واقعات ہیں پھر فرمایا کہ جو شخص جو بات پوچھنا چاہے پوچھ لے۔ خدا کی قسم جب تک ہم اس جگہ یعنی ممبر پر موجود ہیں تم کوئی بات ہم سے نہ پوچھو گے مگر ہم تم کو اس کی خبر دیں گے۔ ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ میرا ٹھکانہ کہاں ہے؟ فرمایا جہنم میں۔ عبداللہ ابن حزافہ نے کھڑے ہو کر دریافت کیا کہ میرا باپ کون ہے؟ فرمایا حزافہ پھر بار بار فرماتے رہے کہ پوچھو پوچھو“۔ (بخاری، کتاب الاعتصام، باالکتاب والسنہ)

اس بات کی وضاحت آقا ﷺ نے خود فرمادی کہ جب تک ہم اس جگہ یعنی ممبر پر موجود ہیں تم کوئی بات ہم سے نہ پوچھو گے مگر ہم تم کو اس کی خبر دیں گے۔ جتنی بات بیان ہوئی ہے اس پر ایمان رکھتے ہیں اپنی مرضی کرتے ہوئے حد سے نہیں بڑھتے۔

نمبر ۲: سیدہ کائنات اُمہات المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا مطلقاً یہ عقیدہ تھا کہ اللہ ﷻ کے سوا کسی کو علم غیب نہیں، اور اس معاملہ میں آپ رضی اللہ عنہا کوئی تاویل برداشت نہیں کرتی تھیں چنانچہ:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنھا نے فرمایا:

﴿ قالت و من زعم انه يخبر بما يكون في غد فقد اعظم على الله الفرية والله يقول قل لا يعلم من في السموت والارض الغيب الا الله ﴾

(بخاری کتاب التوحید، مسلم، کتاب الایمان)

ترجمہ: ”جو کوئی کہے کہ رسول اللہ (ﷺ) کل ہونے والی بات جانتے تھے (یعنی آئندہ کا حال) تو اس نے بہت بڑا جھوٹ باندھا اللہ پر۔ اللہ خود فرماتا ہے (اے رسول) آسمانوں اور زمین میں کوئی غیب کی بات نہیں جانتا سوائے اللہ کے“۔

نمبر ۳:

آنحضور ﷺ ایک نکاح میں تشریف لے گئے جہاں انصار کی کچھ بچیاں دف بجا کر جنگ بدر کے شہداء کے محاسن بیان کرنے لگیں کہ اچانک ان میں سے ایک بچی نے کہہ دیا:

﴿ **وفینا نبی یعلم ما فی غد** ﴾ ﴿ہم میں ایسے نبی ہیں جو کل کی بات جانتے ہیں﴾

(اس پر) آپ ﷺ نے فرمایا: ﴿اسے چھوڑ دو اور جو تم پہلے کہہ رہی تھیں وہی کہو﴾۔

(بخاری، کتاب النکاح، حدیث نمبر 5147)

☆ منع کرنے کی وجہ غیب جاننے کی نسبت آپ ﷺ کی طرف کرنا تھی۔

نمبر ۳: آپ ﷺ نے فرمایا:

((لا یعلم الغیب الاّ اللہ))۔ ''اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا'' **(طبرانی، حسن)**

خلاصہ علم غیب: مسئلہ علم غیب بہت نازک معاملہ ہے اس حوالے سے محتاط رہنے کی ضرورت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا علم غیب پر بہت سخت وعیدیں نازل ہوئی ہیں جیسے سورہ انعام میں ایسے لوگوں کو اندھا کہا گیا ہے اور خود آنحضور ﷺ سے قرآن مجید میں جگہ جگہ یہ اعلان کرایا گیا ہے کہ اللہ ﷻ کے علاوہ کسی کو علم غیب نہیں اور بات کو سمجھانے کے لیے مثالیں بیان کی گئی ہیں۔ اس حوالے سے امت میں تین قسم کے نظریات پائے جاتے ہیں:

(1)۔ نفی غیب کی سخت وعیدوں کے پیش نظر کچھ لوگوں نے بہت محتاط رویہ اپناتے ہوئے علم غیب کا اطلاق مخلوقات کے لئے سخت ممنوع قرار دیا ہے کیونکہ اثبات غیب میں علم غیب کی بجائے غیب (کی خبر) کے الفاظ آئے ہیں۔

(2)۔ جن لوگوں نے نفی اور اثبات دونوں احکام کو برابر پیش نظر رکھا ہے انکا خیال بھی یہی ہے کہ چونکہ وعید علم الغیب کے ساتھ آئی ہے اور جمہور علماء کے نزدیک مطلقاً علم غیب سے مراد ذاتی غیب ہی ہے۔ یا اس سے مراد وہ صلاحیت ہوتی ہے جس کی بنا پر آئندہ ہونے والے واقعات معلوم کیے جا سکیں۔ اس لیے اللہ کے علاوہ کسی اور کے لیے اس لفظ کا استعمال شرعاً درست نہیں۔ انکے نزدیک علم الغیب کی بجائے یوں کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو غیب کی خبروں پر مطلع کیا یا اطلاع علی الغیب کا لفظ استعمال کیا جائے۔ یہی رائے بریلوی مسلک کے محقق علامہ غلام رسول سعیدی صاحب نے تبیان القرآن، میں (سورۃ الاعراف آیت ۱۸۸ اور انعام، آیت ۵۰ کے تحت) بیان کی ہے۔

(3)۔ کچھ لوگ جو نفی غیب کی وعیدوں سے آگاہ نہیں وہ تمام علم غیب کا مطلقاً اطلاق انبیاء کرام

سمیت دیگر لوگوں پر کھلے عام کرتے ہیں۔

حقیقت حال کیا ہے!

غیب کے اثبات کے حوالے سے وہ حقیقت جس کا انکار ممکن نہیں وہ یہ ہے کہ اپنے منتخب رسولوں پر بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ نے غیب تو ظاہر فرمایا ہے اور بالخصوص اپنے پیارے حبیب ﷺ کو تمام اولین وآخرین سے بڑھ کر علوم عطا فرمائے۔ کثرت کے ساتھ غیب کی خبریں عطا فرمائیں۔ گزشتہ وآئندہ کے بے شمار واقعات قیامت تک کی خبریں اور وسیع علوم عطا فرمائے جس کا اندازہ حق تعالیٰ کو ہی ہو سکتا ہے۔

اگر غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ علم غیب کے حوالے سے ممانعت اس بات پر کی گئی ہے کہ اللہ کے بتلائے بغیر خود سے کوئی غیب نہیں جان سکتا مگر جتنا اللہ تعالیٰ کسی پر ظاہر کردے۔ بات کو سمجھنے کے لئے حضرت انسان کی تخلیق کے وقت رب تعالیٰ کی فرشتوں سے گفتگو پر غور کرتے ہیں۔ جب حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اشیاء کے اسماء کا وسیع علم عطا فرمایا اور فرشتوں کو وہ علم نہ دیا، جب فرشتوں سے ان اشیاء کی بابت پوچھا گیا، وہ نہ بتلا سکے تو انھوں نے یہی جواب دیا کہ: ﴿ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ﴾ (ہمیں علم نہیں مگر صرف اتنا ہی جتنا تو نے ہمیں سکھلایا) (البقرہ:32)

پھر جب حضرت آدم علیہ السلام نے اشیاء کے نام بتلا دیئے تو پروردگار نے فرمایا:

﴿ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴾ (سورۃ البقرہ، آیت:33)

ترجمہ: ''کیا میں نے تمھیں (پہلے ہی) نہ کہا تھا کہ بے شک زمین وآسمانوں کا غیب میں ہی جانتا ہوں اور میرے علم میں ہے جو کچھ تم ظاہر کر رہے ہو اور جو تم چھپاتے

یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ اگر کوئی یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ کے بتلانے پر غیب کا علم ہے اور اتنا ہی ہے جتنا اللہ تعالیٰ نے بتلایا تو اس نظریہ کے ساتھ علم غیب کے لفظ کے اطلاق پر بھی حرج نہیں کیونکہ یہ بات قرآن کی اپنی وضاحت ﴿لا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا﴾ سے واضح ہوگئی۔ چنانچہ سلفی (اہلحدیث) مکتب فکر کے نامور محقق صلاح الدین یوسف صاحب نے اپنی تفسیر احسن البیان میں سورہ آل عمران آیت ۱۷۹ کے تحت یہ لکھا ہے کہ:

> ''ہاں البتہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے غیب کا علم عطا فرماتا ہے جس سے بعض دفعہ ان پر منافقین کا اور ان کے حالات اور انکی سازشوں کا انکشاف ہو جاتا ہے۔''

پس جتنی بات بیان ہوئی ہے احتیاط کا دامن تھامتے ہوئے اسے وہیں تک رہنے دینا چاہیئے، اپنی طرف سے ضربیں تقسیمیں کرنے سے اجتناب کرنا چاہیئے۔ (واللہ اعلم)

پس: عالم الغیب اللہ کی ذات ہے۔ اسے اللہ ﷻ نے اپنی خاص صفت کے طور پر بیان فرمایا ہے۔ اس ضمن میں یہ فرق کہ: اللہ کا علم ذاتی اور مخلوق کا عطائی۔ اللہ کا مستقل قدیم اور مخلوق کا حادث اور زوال پذیر۔ اللہ کا علم لامتناہی اور مخلوق کا محدود ہے نیز یہ کہ آپ ﷺ کو اتنا ہی علم ہے جتنا عطا کیا گیا۔ اس فرق سے شرک کا خطرہ دور ہو جائے گا۔ اگر کوئی مذکورہ فرق کو ملحوظ رکھتے ہوئے آپ ﷺ کے بارے غیب کا علم مانے تو کوئی حرج نہیں مگر احتیاط کے ساتھ۔ (واللہ اعلم)

قدرت واختیار میں شرک

اللہ ﷻ کے ارادہ اور امر کن سے کائنات وجود میں آئی اور اس کارخانہ قدرت کو اللہ ﷻ نے مختلف قوانین کا پابند کیا۔ اپنے امر کن سے جمادات کو قوانین طبعیہ "Physical Laws of Nature" کے تابع کیا اور نباتات کے معاملے میں طبعی قوانین پر حیاتیاتی قوانین کا اضافہ کیا۔ مزید آگے چل کر حیوانات کو ان دونوں کے ساتھ ہلکا سا شعور اور حرکت

کی آزادی دی اور انسان کے معاملے میں ان تینوں پر استدلالی قوانین "Rules of Logic" کا اضافہ کیا۔ انسان کو اللہ ﷻ نے ارادے اور انتخاب کی دولت سے نوازا اور اسے خلیفہ بنایا ارشاد ہوا "اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً" اور خلیفہ کے مفہوم کو سورۃ ص: آیت 26 میں بیان کیا کہ اللہ ﷻ کے احکامات کو نافذ کرنے والا اور یہ کام انسان کے علاوہ کسی سے نہ لیا گیا۔ بعض چیزوں کا اختیار انسان کو اللہ ﷻ نے اپنے امر کن کے ساتھ عطا کر دیا ہے اور جن کا نہیں دیا گیا ان کے لیے اللہ ﷻ کے نئے امر کن کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسی چیزوں کو اللہ ﷻ کے اذن کے بغیر مخلوق کے اختیار میں تسلیم کرنا شرک فی التصرف کہلائے گا جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

اذن کیا ہے!

اب اصل بات سمجھنے والی یہی رہ جاتی ہے کہ اذن کیا ہے؟ وہ شخص جو اپنے آپ کو شرک جیسے عظیم خطرے سے بچانا چاہے اس کے دل میں یہ خواہش ضرور پیدا ہوگی کہ قرآن وسنت کی رہنمائی سے یہ سمجھ لیا جائے کہ اذن کیا ہے؟

اس ضمن میں دو اصطلاحات بیان ہوئی ہیں: (۱) امر (۲) اذن۔ (۱) امر کے معنی تو بالکل واضح ہیں: "حکم" یعنی اللہ تعالیٰ کا کسی کام کے کرنے کا حکم ارشاد فرمانا جیسا کہ وہ "امر" دے کر فرشتوں کو مختلف کاموں کی انجام دہی کے لیے مامور فرماتا ہے۔ (۲) "اذن" کا معنی ہے 'اجازت' یعنی اللہ کی طرف سے کسی صلاحیت یا کام کی اجازت مل جانا۔ جس کام یا صلاحیت کا اللہ کی طرف سے اذن ملے اس فعل کی انجام دہی کی توفیق بھی اللہ کے ذمے ہوتی ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے رسولوں کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دینے کا اذن فرمایا جیسا کہ فرمایا: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ ((اور ہم نے جو رسول بھی بھیجا تو اس لیے بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اسکی اطاعت کی جائے))۔ دنیاوی زندگی میں انسان کو اپنی فرمانبرداری اور نافرمانی دونوں کی اجازت دی لیکن فرشتوں کو نافرمانی کا اذن نہ دیا۔ انبیاء کرام کو معجزات کا اذن دیا۔ بروز قیامت شفاعت کا اذن دیا جائے گا وغیرہ۔

سمجھنے کی بات! شرک سے بچنے کے حوالے سے سمجھنے والی بات یہ ہے کہ جس کام کی اللہ تعالیٰ اجازت دے اور ضرورت کے تحت جن حدود و قیود کے تحت اجازت دے اسی کے مطابق اذن ملتا ہے۔ ضرورت کے تحت اللہ تعالیٰ اذن خود عطا فرماتا ہے یا اسکی بارگاہ میں دعا کے ذریعے التجا کی جا سکتی ہے جیسا کہ انبیاء و رسل کی بہت سی دعائیں اللہ نے قبول فرمائیں۔ لیکن اللہ پر کوئی بھی کسی کام کے کروانے یا رکوانے یا اذن لینے کے لیے دباؤ نہیں ڈال سکتا۔ اس ضمن میں دلیل کی پیروی کرنی چاہیے۔ سابقہ اقوام کے شرک میں مبتلا ہونے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ وہ اپنے معبودان کے لیے بہت سے امور کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ انہیں اذن دیا گیا ہے کہ انکی عبادت کی جائے اور انہیں پکارا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کام سے نجات دلانے کے لیے کئی جگہ ان کی تردید کی جیسا کہ فرمایا:

﴿ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾

(سورہ یوسف:12 آیت:40)

ترجمہ: ''اس (اللہ) کے سوا تم جن جن کی پوجا کر رہے ہو وہ تو (محض) نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں۔ اللہ نے ان کے لیے کوئی سند نازل نہیں فرمائی، حکم تو صرف اللہ ہی کا ہے، اس نے حکم دیا ہے کہ اسکے سوا کسی کی عبادت نہ کرو یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے''

شیطان سے نجات کا واحد حل دلیل کی پیروی!

شرکیہ افعال و عقائد کی پہچان اور ان سے نجات کے لئے ہمارے پاس قرآن و سنت کے علاوہ اور کون سا سہارا ہے؟ لیکن ایسی آیات جن سے شرکیہ بیماری کی پہچان ہو، انھیں دلیل بنایا جائے تو شیطان یہ وسوسہ اندازی کرتا ہے کہ ایسی آیات کو بنیاد بنانا مقربین حق کی شان میں نقص نکالنا اور انکی شان میں کمی کرنا ہے۔

محترم دوستو! اگر کوئی شخص واقعتاً اللہ کے برگزیدہ بندوں میں نقص یا کجی تلاش کرنے کے لیے قرآن و

سنت کو بنیاد بناتا ہے تو اس نے فائدے کی بجائے نقصان کی راہ اپنائی ہے۔ دوسری طرف جس نے مذکورہ حوالے سے قرآن وسنت سے رہنمائی لینے سے ہی گریز کیا اسکا شیطان سے بچنا ممکن نہیں کیونکہ اسکے پاس پروردگار کی نازل کردہ ہدایت ہی نہ رہی جس سے وہ شیطانی مکاریوں کو پہچان سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی نازل فرمایا ہے وہ سب ہماری اصلاح کے لئے ہے اور جو کوئی اس ہدایت میں سے کچھ چھپائے یا سمجھ آنے کے باوجود اپنے نظریات کے تحفظ کی خاطر اسے لوگوں پر واضح نہ کرے اس پر پروردگار نے درج ذیل الفاظ میں شدید لعنت کی ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالْھُدٰی مِنْۢ بَعْدِ مَا بَیَّنّٰہُ لِلنَّاسِ فِی الْکِتٰبِ اُولٰٓئِکَ یَلْعَنُھُمُ اللّٰہُ وَ یَلْعَنُھُمُ اللّٰعِنُوْنَ ○ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَ اَصْلَحُوْا وَ بَیَّنُوْا فَاُولٰٓئِکَ اَتُوْبُ عَلَیْھِمْ وَ اَنَا التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ○﴾ (سورۃ البقرہ، آیت: 160-159)

ترجمہ: "جو لوگ ہماری نازل کردہ دلیلوں اور ہدایات کو چھپاتے ہیں باوجود اسکے کہ ہم اسے اپنی کتاب میں لوگوں کے لئے بیان کر چکے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی اور تمام لعنت بھیجنے والوں کی لعنت ہے۔ مگر وہ لوگ جو توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں اور (اللہ کی ہدایت کو) واضح بیان کر دیں تو ایسے لوگوں کی توبہ میں قبول کر لیتا ہوں اور میں بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہوں"

ہمیں مقربین حق میں کجی تلاش کرنے سے بھی اور ساتھ ساتھ خالق کائنات کا شریک بننے سے توبہ کرنی چاہیے کیونکہ ایسے طرز عمل سے بالواسطہ خدا اور رسول ﷺ پر حرف آئے گا کہ انہوں نے ایسی آیات کو قرآن مجید کا حصہ کیوں بننے دیا۔

ہمارا طرز عمل!

اگر ہم اپنے ساتھ مخلص ہیں تو ہمارا طرز عمل یہی ہونا چاہیے کہ ہم خلوص سے قرآن وسنت کو رہبر بنائیں اور خوش دلی سے قرآن وسنت کی ساری تعلیمات تسلیم کریں کیونکہ قرآن مجید کی بنیاد پر

کی جانے والی رہنمائی سے دل میں تنگی محسوس کرنا اور اس سے منہ پھیرنا اتنا بڑا گناہ ہے جسکا تصور نہیں کیا جا سکتا، بلکہ یہی چیز کفر کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بچائے۔ (آمین)

اب ہم اذن کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے خدا کی نازل کردہ ہدایت سے رہنمائی لیتے ہوئے چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔

(1)۔ حضرت نوح علیہ السلام جو اللہ کے مقرب نبی تھے، انہوں نے عذاب سے بچنے والے لوگوں کو جب کشتی میں سوار کیا تو اپنے بیٹے کے متعلق یوں عرض کی:

﴿وَ نَادٰی نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ وَ اِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَ اَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِیْنَ o قَالَ یٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنِّیْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ o﴾ (سورہ ھود، آیت۔ 46-45)

ترجمہ: ''اے میرے پروردگار! بے شک میرا بیٹا بھی تو میرے اہل میں سے ہے اور تیرا وعدہ بھی حق ہے اور تو حاکموں کا حاکم ہے۔ جواب آیا کہ اے نوح! وہ تیرے اہل میں سے نہیں کیونکہ اس کے عمل غیر صالح ہیں پس جس بات کا تمہیں علم نہ ہو اسکے بارے میں مجھ سے سوال مت کرو۔ میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ نادانوں میں سے نہ ہو جاؤ''

اس پر حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں یوں عرض کی۔

﴿قَالَ رَبِّ اِنِّیْۤ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ وَ اِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وَ تَرْحَمْنِیْۤ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ﴾ (سورہ ھود، آیت۔ 47)

ترجمہ: ''عرض کی اے میرے پروردگار! میں اس بات کے متعلق سوال کرنے سے جسکا مجھے علم نہ ہو تیری پناہ چاہتا ہوں۔ اگر تو نے میری مغفرت کر کے مجھ پر رحمت نہ فرمائی تو میں خسارہ پانے والوں میں سے ہو جاؤں گا''

(2)۔ اس ظلم سے نجات کے لیے اللہ کے ایک اور حکم پر غور فرمائیں۔ چنانچہ رئیس المنافقین

عبداللہ بن ابی جب مرگیا تو رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنا کرتہ مبارک پہنایا، اسکی نماز جنازہ بھی پڑھی اور دعائے مغفرت بھی فرمائی کہ شاید یہ بخشا جائے کیونکہ ابھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کام کی ممانعت نازل نہ ہوئی تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ بات قبول نہ تھی اسلئے اس نے اسکا اذن نہ دیا اور فرمایا:

﴿اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ﴾

(سورۃ التوبہ، آیت:80)

ترجمہ: ''آپ (ﷺ) ان کے لیے بخشش مانگیں یا نہ مانگیں، بلکہ آپ (ﷺ) اگر ان کے لیے ستر بار بھی بخشش مانگیں گے تب بھی اللہ ان کو معاف نہیں فرمائے گا''

(3)۔ ''صحیح مسلم۔ کتاب الجہاد، باب غزوہ احد'' کی روایت کے مطابق جنگ احد میں جب جناب رسالت مآب ﷺ کا چہرہ مبارک زخمی ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا وہ قوم کیسے فلاح یاب ہوگی جس نے اپنے نبی کو زخمی کردیا تو اس پر درج ذیل آیات نازل ہوئیں۔

﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ٥ وَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ٥﴾

(سورۃ آل عمران، آیت:128-129)

ترجمہ: ''(اے نبی ﷺ) اس معاملے میں آپکو کوئی اختیار نہیں اللہ چاہے تو انہیں معاف کردے چاہے تو عذاب دے وہ بہر حال ظالم ہیں۔ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ کا ہے وہ جسے چاہتا ہے معاف کردیتا ہے اور جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے، اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا نہایت رحم والا ہے''

☆ چنانچہ چند روز بعد وہ مشرکین جن کا نام لے کر بددعا کی گئی تھی انہیں اللہ تعالیٰ نے اسلام کی دولت سے نوازتے ہوئے آنحضور ﷺ کے قدموں میں لا ڈالا اور اسلام کے جانباز سپاہی بنادیا۔ ایسی آیات سے خدا کی بے نیازی اور مشیت ظاہر ہوتی ہے، انسان پر خوف طاری ہو

جاتا ہے کہ معلوم نہیں کہ کسی کام کے متعلق اللہ تعالیٰ کا کیا فیصلہ ہے اور انسان اسکے سامنے جھکنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ لہذا وہ لوگ جو چھوٹی چھوٹی باتوں پر دوسروں کے دوزخی ہونے پر فتوے لگاتے ہیں انھیں اپنی سوچ پر نظر ثانی کرنی چاہیے۔

نوٹ: ایسے واقعات سے یہ نتیجہ بھی ہرگز نہیں نکلتا کہ انبیا کرام کو کسی چیز کا اختیار نہیں دیا گیا اور نہ یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تمام اختیارات مرسلین کو دے دیئے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضور ﷺ سمیت دیگر انبیاء کرام کی بہت سی دعاؤں کو قبول فرمایا، انکی منشاء کو پورا فرمایا جسکی ہلکی سی جھلک کچھ یوں ہے:

(۱): آپ ﷺ کی خواہش کے مطابق قبلے کی تبدیلی:

آپکی خواہش کے مطابق حالت نماز میں حکم آیا:

﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ﴾(البقرہ، آیت: 144)

ترجمہ: ''ہم آپ ﷺ کے چہرے کو بار بار آسمان کی طرف اُٹھتے دیکھ رہے ہیں، اب ہم آپ ﷺ کو اس قبلہ کی طرف متوجہ کریں گے جس سے آپ ﷺ خوش ہو جائیں گے۔ پس اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں''

(۲): ﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝﴾(الضحیٰ، آیت، 5)

ترجمہ: ''اور جلد آپ ﷺ کا رب آپ ﷺ کو اتنا عطا کرے گا کہ آپ ﷺ راضی ہو جائیں گے''

(۳) شق القمر کا واقعہ ہوا (یعنی رسول اللہ ﷺ کے ذریعے چاند دو ٹکڑے ہوا۔) (صحیح بخاری ''کتاب التفسیر'')

(۴) رسول اللہ ﷺ کے دستِ اقدس پھیرنے سے عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کی ٹوٹی ہوئی پنڈلی صحیح سلامت ہوگئی۔ (صحیح بخاری ''کتاب المغازی' حدیث نمبر 4039)

(۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ کی برکت سے قوت حافظہ نصیب ہوا۔ (بخاری ''کتاب العلم'')

خلاصہ: اس ضمن میں قرآن وسنت کے محکم دلائل سے خالق کائنات کے بارے میں جو بات یقینی طور پر سمجھ آتی ہے وہ یہ ہے کہ:

(۱)۔ اللہ تعالیٰ سے کوئی بات منوانے یا اسکی تائید حاصل کرنے کے لیے کائنات میں سے کوئی بھی اس پر دباؤ نہیں ڈال سکتا مگر صرف اتنی بات جسکی وہ خود اجازت دے۔ مخلوقات اسکی بارگاہ میں صرف دعا کی صورت میں التجا کرسکتی ہیں۔ وہ اپنے نیک بندوں کی دعاؤں کو قبول فرماتا ہے۔

(۲)۔ اسکے کاموں میں کوئی دخل دینے کا مجاز نہیں، کوئی اسکا مشیر نہیں جو اسے مشورہ دے کہ فلاں کام کرو اور فلاں نہ کرو یا اسطرح کرو اور یوں نہ کرو۔ وہ خود سے حکم دیتا ہے فرشتوں کو، فرشتے انتظار میں رہتے ہیں، خود سے اللہ کی بارگاہ میں سوال نہیں کرتے، پھر جو حکم ملتا ہے اسکی تعمیل کرتے ہیں۔

(۳)۔ بروز قیامت اسکے اذن (اجازت) کے بغیر کوئی سفارش نہیں کرسکے گا اور اسکے اذن کے بغیر کوئی سفارش فائدہ مند نہیں ہوسکتی۔ (دیکھیے سورہ یونس: آیت:10)

درج بالا عقیدہ رکھنے سے انسان خدا کی قدرت اور تصرف میں شراکت سے بچ جاتا ہے۔

اسباب اختیار کرنا ہرگز شرک نہیں

اُمورِ زندگی چلانے کے لیے اللہ ﷻ نے بے شمار اسباب پیدا فرمائے ہیں جن کو اختیار کیے بغیر زندگی گزارنا ناممکن ہے۔ اللہ ﷻ کو حقیقی کارساز سمجھتے ہوئے اپنی مشکلات، مصائب و آلام اور مسائل کے حل کے لیے ان ظاہری اسباب کی طرف رجوع کرنا بالکل درست اور عین شریعت کے مطابق ہے۔ بلکہ مشکل مصیبت میں ایک دوسرے کے کام آنا اللہ ﷻ کی رضا حاصل کرنے کا آسان ترین ذریعہ ہے۔ لیکن بھروسہ رب پر رکھا جائے اور لوگوں سے بار بار سوال نہ کیا جائے۔ مخلوق خدا کی خدمت کی جائے۔ ان کی عزت وتکریم کی جائے اور اُنھیں اللہ ﷻ کی طرف سے ذریعہ اور

وسیلہ سمجھا جائے۔ جواز کے طور پر چند آیات ملاحظہ کریں:

- ﴿وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ﴾

ترجمہ : ''نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو اور گناہ اور زیادتی پر باہم تعاون نہ کرو۔'' (المائدہ۔آیت:2)

- ﴿وَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ﴾ (الکھف۔آیت:95) ترجمہ: ''تو میری طاقت سے مدد کر''

- ﴿لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ﴾ آل عمران۔آیت:81)

ترجمہ : ''تم ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا''۔

اس میں اللہ ﷻ نے انبیاء علیہم السلام کو حضور اقدس ﷺ کی مدد کرنے کا حکم صادر فرمایا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اسباب و ذرائع استعمال کرنا ایک دوسرے کی مدد کرنا جائز و مستحسن ہے اور ہر بندہ اپنے دائرہ کار کے اندر اندر مدد کر سکتا ہے یہ شرک نہیں ہوگا۔ اب ہم اس ضمن میں وہ چند چیزیں بیان کرتے ہیں جن کے غلط مفہوم سے ابلیس شرک میں مبتلا کر سکتا ہے۔ وہ یہ ہیں:

(i) معجزہ/ کرامت (ii) شفاعت

یاد رکھیں! ابلیس انہیں چیزوں میں حد سے تجاوز کروا کر شرک میں مبتلا کرتا ہے جہاں کچھ تصرف و اختیار دیا گیا ہو، اسلیئے ایسی چیزوں کو انکی اصل حدود و قیود کے ساتھ سمجھنا بہت ضروری ہے۔

معجزہ/ کرامت

جس طرح پیچھے بیان ہو چکا ہے کہ کائنات کے قوانینِ فطرت کو توڑنے کے لیے اللہ ﷻ کے نئے امرِ کن کی ضرورت ہوتی ہے۔ جسے اللہ ﷻ اپنی مشیت کے تحت ظاہر فرماتا ہے جس سے خرق عادت کام وجود میں آتا ہے جسے معجزہ یا کرامت کہتے ہیں۔ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش میں باپ کی کڑی حذف تھی اُسے اللہ ﷻ نے اپنے کلمہ کن سے پورا فرمایا۔ یہ اللہ ﷻ کا فعل ہے جس کا مظہر انبیاء و اولیاء کرام بنتے ہیں، اپنی کوشش اور ارادے سے اس کا ظہور ممکن نہیں۔ ان

امور کو بالخصوص اللہ ﷻ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ ہاں ہر ایک پر تو ایسے امور ظاہر نہیں ہوتے۔ جن لوگوں کو ذریعہ بنایا جائے ان کی شان کا اظہار ہے اور ربّ کے قرب کی دلیل ہے۔ لیکن یاد رہے کہ انبیاء کرام کے علاوہ کسی سے ظاہر ہونے والا خرق عادت کام ضروری نہیں کہ وہ کرامت ہو کیونکہ ابلیس لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے ایسے ہتھکنڈے استعمال کرتا ہے جسے استدراج کہا جاتا ہے اور یہ کثرت سے رونما ہوتا ہے۔ پہچان کا طریقہ شریعت کی کسوٹی ہے۔ معجزہ یا کرامت کے حوالے سے عام لوگوں میں یہ غلط تصور پیدا ہوتا ہے کہ جن پر یہ ظاہر ہو تکوینی امور انکے ہاتھ آجاتے ہیں اور وہ براہِ راست نظام کائنات میں تصرف کرتے ہیں اور رفتہ رفتہ ابلیس اس غلط عقیدہ کی وجہ سے انسان کو شرک کی دلدل میں پھنسا لیتا ہے۔ وضاحت کے لیے چند آیات پیش ہیں:

- ﴿وَ مَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ﴾ (الرعد۔آیت:38)

ترجمہ : ”اور کسی رسول کو یہ قدرت حاصل نہیں تھی کہ وہ اللہ ﷻ کی مرضی کے بغیر کوئی نشانی لا سکے“۔

- ﴿اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَ عَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۟ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَ كَهْلًا ۚ وَ اِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِيْلَ ۚ وَ اِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِيْ﴾ (المائدہ۔آیت:110)

ترجمہ : ”جب کہ اللہ ﷻ ارشاد فرمائے گا کہ اے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام! میرا انعام یاد کرو جو تم پر اور تمھاری والدہ پر ہوا ہے، جب میں نے تم کو روح القدس سے تائید دی۔ تم لوگوں سے کلام کرتے تھے گود میں بھی اور بڑی عمر میں بھی اور جب کہ میں نے تم کو کتاب اور حکمت کی باتیں اور تورات اور انجیل کی تعلیم دی اور جبکہ تم میرے حکم سے گارے سے ایک شکل بناتے تھے جیسے پرندہ کی شکل ہوتی ہے پھر تم اس کے اندر پھونک مار دیتے تھے جس سے وہ پرندہ بن جاتا تھا میرے حکم سے“ ....الخ

- ﴿وَ قَالُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَیْهِ اٰیَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰۤى اَنْ یُّنَزِّلَ اٰیَةً وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۝﴾(انعام۔آیت:37)

ترجمہ : ''اور کہتے ہیں یہ لوگ کہ کیوں نہیں اتاری گئی اس رسول (ﷺ) پر کوئی نشانی اس کے رب کی طرف سے فرمائیے: بے شک اللہ تعالیٰ قادر ہے اس پر کہ اتارے کوئی نشانی مگر ان میں سے اکثر لوگ (اس بات کو) نہیں جانتے۔''

- ﴿قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِیَ الْاَمْرُ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ۝﴾(انعام۔آیت:58)

ترجمہ : (اے نبی ﷺ) ''فرمادیجئے اگر ہوتی میرے اختیار میں وہ چیز جس کی تم جلدی مچا رہے ہو تو میرے اور تمھارے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ظالموں کو''۔

مزید تحقیق کے لیے دیکھیے آیات بنی اسرائیل 90 سے 93 ، المؤمن، آیت:78، العنکبوت، آیت 50، اور طہ، آیت:133 وغیرہ۔

چونکہ انسان ارتقائی عمل سے گزر کر شعور کی پختگی حاصل کر چکا تھا اس لیے بھی آپ ﷺ کے دور مبارک میں کفار کو حسی معجزات نہ دکھائے گئے اور دوسری بات یہ تھی کہ سابقہ اُمتوں کے لوگ معجزات دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے تھے۔ بہر کیف آپ ﷺ کی ساری زندگی معجزہ تھی۔ ایمان والوں کے لیے بالخصوص کئی معجزات کا ظہور رہا:

1) شق القمر کا واقعہ ہوا (یعنی رسول اللہ ﷺ کے ذریعے چاند دو ٹکڑے ہوا۔)

(صحیح بخاری ''کتاب التفسیر'' حدیث نمبر 4868 ، صحیح مسلم ''کتاب صفة القیامة'' حدیث نمبر 7071)

2) حدیبیہ کے دن صحابہ کرام پیاسے تھے پانی نہیں تھا آپ ﷺ نے ڈول میں ہاتھ ڈالا تو پانی آپ ﷺ کی انگلیوں سے چشموں کی طرح پھوٹا تقریباً 1500 صحابہ کرام نے پیا اور وضو کیا اور محفوظ

بھی کر لیا۔ (صحیح بخاری ''کتاب المغازی'' حدیث نمبر 4152)

3) اسکے علاوہ کچھ دیگر معجزات کا ذکر اسی باب کے شروع میں اذن کے تحت کیا گیا ہے۔

اِس طرح کے بہت سارے واقعات ہیں جو آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں ظاہر ہوئے۔ یقیناً ان چیزوں کا تعلق آپ ﷺ کے معجزات اور خصائص سے ہے جو اللہ ﷻ کے امر یا اِذن سے ظاہر ہوئے جن کی بنیاد وحی خفی یعنی غیر متلو (قرآن کے علاوہ) ہو سکتی ہے۔ اللہ ﷻ چاہے تو اپنے امر کن کو مافوق الاسباب کی صورت میں مستقل جاری فرما دے یا عارضی اس کا اطلاق ضرورت کے تحت اس کی نوعیت پر منحصر ہے۔ (واللہ اعلم)

خلاصہ۔ مافوق الاسباب امور: کائنات جن قوانین اور اسباب کے تحت چل رہی ہے مخلوقات کو ان ماتحت الاسباب امور پر تصرف اور اختیار دیا گیا ہے۔ انسان اپنے ارادے سے ان اسباب سے مستفید ہو سکتا ہے۔ اس کے برعکس مافوق الاسباب امور جو ان قوانین عادیہ کو توڑ دیتے ہیں ان کے وقوع پذیر ہونے کی شرائط یہ ہیں:

(i) اسکے لئے اللہ ﷻ کے نئے امر کن کی ضرورت ہوتی ہے۔

(ii) یہ اللہ ﷻ کی قدرت اور مشیت کے تحت ہوتے ہیں۔

(iii) یہ اللہ ﷻ کا اپنا فعل ہے جس کا اطلاق مخلوق پر ہوتا ہے اور مخلوقات اس کا ذریعہ بنتی ہیں۔

(iv) جس طرح مخلوقات تحت الاسباب میں جب چاہیں اپنی مرضی سے تصرف کرتی ہیں۔ مافوق الاسباب امور میں ایسا نہیں کر سکتیں۔ انھیں ضرورت کے تحت اللہ ﷻ اپنے برگزیدہ بندوں پر اپنی مرضی سے ظاہر فرماتا ہے۔ ہاں اس کے لیے اللہ ﷻ سے دعا کی جا سکتی ہے۔ وہ چاہے تو قبول فرما لے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ ﷻ سے درخواست کی (رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی) (البقرہ۔آیت:260) ''اے میرے رب مجھے دکھلا کہ تو مردے کیسے زندہ کرتا ہے۔'' اس پر اللہ ﷻ نے اپنی قدرت ظاہر فرمائی اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام

کی آواز پر اپنا امر جاری کیا تو مردہ پرندے زندہ ہو کر اڑنے لگے۔

(۷) اللہ ہر کسی کے لیے تو ان امور کو ظاہر نہیں فرماتا اپنے برگزیدہ رسولوں کا انتخاب فرماتا ہے جس کے ہاتھ پر یہ چیزیں ظاہر ہوں اس کے رب کے مقرب ہونے کی دلیل اور شان و عظمت کا اظہار ہے۔

مجازاً ان امور کو اللہ ﷻ کے اذن سے اللہ ﷻ کے بندوں کی طرف منسوب کرنے سے شرک نہیں ہوگا لیکن بچت اسی میں ہے کہ مافوق الاسباب امور کو بالخصوص اللہ ﷻ کے حوالے سے بیان کیا جائے۔ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیئے گئے معجزات کو بیان کرتے ہوئے اللہ ﷻ نے بار بار "باذن اللہ" کا ذکر فرمایا اور اسے اپنی طرف منسوب کیا۔ اسی طرح ایک شخص نے کتاب کے علم کے زور پر تخت بلقیس کو پلک جھپکنے کے عرصہ میں ہزاروں میل دور سے حاضر کیا تو فوراً حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے اللہ ﷻ کی طرف منسوب کیا اور فرمایا: (هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي لِيَبْلُوَنِي ءَ اَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ) "یہ میرے رب کا فضل ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر گزاری کرتا ہوں یا ناشکری"۔ بعض ایسے علوم موجود ہیں جن کا عامل ہونے سے بعض خرق عادت کام واقع ہو سکتے ہیں۔ لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس قسم کے علوم سے دور ہی رہے۔ اُن لوگوں نے "**اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول**" کو ہی زندگی کا مقصد بنائے رکھا۔ (واللہ اعلم)۔

اصل خرابی: قرآن مجید نے ان امور کو وضاحت کے ساتھ اس لیے بیان فرمایا ہے کیونکہ سابقہ اُمتیں اور مشرکین اپنے معبودوں اور فرشتوں وغیرہ کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ماتحت الاسباب کی طرح مافوق الاسباب امور بھی انھیں تفویض کر دیئے گئے ہیں۔ اسی شرکیہ عقیدہ کی بنا پر رفتہ رفتہ ان لوگوں نے انبیاء کرام علیہم السلام کو الوہیت کے درجہ پر فائز کر دیا اور ہمیشہ کی لعنتیں ان کا مقدر بن گئیں جسکی تفصیل باب ۵ میں پیش کر دی گئی ہے۔ چند دن پہلے مجھے عیسائیوں کے ہسپتال جانے کا موقعہ ملا جہاں ایک عیسائی مشنری دوران تبلیغ یہ کہہ رہا تھا کہ "ہم عیسیٰ علیہ السلام کو اسلئے خدا کا بیٹا مانتے ہیں (نعوذ

باللہ) کیونکہ وہ مردوں کو زندہ کرتے تھے جو کہ خدائی کام ہے۔'' حالانکہ مافوق الاسباب امور یعنی معجزات وکرامات کا صدور اللہ کا فعل ہے جو اس کی قدرت اور مشیت سے وقوع پذیر ہوتا ہے جس کا ذریعہ مخلوقات بنتی ہیں۔ اس کے برعکس ان امور کو بندوں کی قدرت اور مشیت کے تحت تسلیم کرنا کسی لحاظ سے بھی شرک سے خالی نہیں۔ اللہ ﷻ ہماری حفاظت فرمائے۔ (آمین)

اگر آپ بات تسلیم کرنا چاہیں! اگر آپ اللہ تعالیٰ کی بات تسلیم کرنا چاہیں تو بات ہر پہلو سے کھول کر بیان کر دی گئی ہے اور اگر نہ ماننا چاہیں تو دنیا کی زندگی میں آپ آزاد ہیں جس راستے کو چاہیں اپنا لیں، نتیجہ آخرت میں ضرور نکلے گا۔

شفاعت

اس حوالے سے افراط وتفریط سے کام لیا گیا ہے، بعض نے سرے سے شفاعت کا انکار کر دیا ہے اور بعض نے حد سے تجاوز کرتے ہوئے شرک کا ارتکاب کیا ہے۔ شفاعت کا درست اور غلط پہلو دونوں کو محکم آیات کی روشنی میں پیش کرتے ہیں تا کہ صحیح بات واضح ہو سکے۔

درست پہلو: بلاشبہ شفاعت کا دروازہ ہمارے پیارے رسول ﷺ پر کھلے گا۔ اللہ ﷻ آپ ﷺ کو بلند ترین مقام یعنی مقام محمود پر فائز کریں گے دیکھیے ''بنی اسرائیل۔ 79'' اعزاز واکرام سے نوازا جائے گا۔ اس دن تمام مخلوقات پر آپ ﷺ کی برتری ظاہر ہو گی۔ سوائے آپ ﷺ کے تمام انبیاء ورسل نفسانفسی کے عالم میں ہوں گے اور ہر کوئی لوگوں کو آپ ﷺ کی طرف بھیجے گا۔ پھر لوگوں اور فرشتوں کو بھی شفاعت کا اِذن دیا جائے گا۔ جس کو اللہ ﷻ بخشنا چاہیں گے صرف اُسی کی شفاعت ہو گی۔ پس درست نظریہ شفاعت یہ ہے کہ:

(i) شفاعت اللہ ﷻ کے اِذن سے ہو گی (ii) اُس کی ہو گی جس پر اللہ ﷻ راضی ہوں گے۔

غلط نظریہ: اپنے اور رب کے درمیان کسی مقرب ہستی کو ڈھال بنانا اور اللہ ﷻ سے بے نیاز

ہو کر اس پر بھروسہ رکھنا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو عذاب بھی دینا چاہیں گے تو شفاعت سے چھڑا لیا جائے گا۔ یہ عقیدہ عین کفر اور شرک ہے۔ اللہ ہمیں اس سے محفوظ فرمائے (آمین)۔ یہ غلط نظریہ جہالت کی بنا پر پیدا ہوا۔ یعنی اللہ کو بھی مخلوق پر قیاس کیا گیا کہ اُسے بتانا پڑے گا کہ فلاں نیک ہے اسلیئے اس کے بارے میں سفارش قبول کی جائے۔ اللہ کا علم تو اشیاء کے آغاز سے انجام تک ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ کس درخت سے کس پتے نے کب گرنا تھا اس نے پہلے ہی لکھ رکھا ہے دیکھیے ''انعام۔59'' صحیح نظریہ اخذ کرنے کے لیے چند آیات ملاحظہ فرمائیں:

- ﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ﴾ (البقرہ۔آیت:255)

ترجمہ: ''کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس سے شفاعت کر سکے؟''

- ﴿یَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ رَضِیَ لَهٗ قَوْلًا o﴾

(طٰہٰ۔آیت:159)

ترجمہ: ''اس دن سفارش کچھ کام نہ آئے گی مگر جسے رحمٰن اجازت دے اور اس کی بات کو پسند فرمائے۔''

- ﴿ یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا لَّا یَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا o ذٰلِكَ الْیَوْمُ الْحَقُّ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّهٖ مَاٰبًا o ﴾(النباء۔9۔38)

ترجمہ: ''جس دن روح اور فرشتے صفیں باندھ کر کھڑے ہوں گے تو کوئی کلام نہ کر سکے گا مگر جسے رحمٰن اجازت دے اور وہ بات بھی ٹھیک کرے۔''

جو ظالم ہوگا اس کی سفارش نہیں

<u>رسول اللہ ﷺ کا واضح اعلان:</u> رسول اللہ ﷺ نے خود اس معاملے کو بالکل واضح فرما دیا:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خیانت کی ہولناکی کو بیان کرتے

ہوئے فرمایا کہ:

''میں تم میں سے کسی کو بھی قیامت کے دن اس حالت میں نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر بکری لدی ہوئی ہو اور وہ چلا رہی ہو یا اسکی گردن پر گھوڑ الدا ہوا ہو اور وہ چلا رہا ہو اور وہ شخص مجھ سے کہے کہ:

((یا رسول الله اغثنی، فا قول لا املك لك شيئاً، قد ابلغتك))

یارسول اللہ میری مدد فرمایئے لیکن میں یہ جواب دے دوں کہ میں تمھاری کوئی مدد نہیں کر سکتا، میں تو خدا کا پیغام تمھیں پہنچا چکا تھا''

(صحیح بخاری، کتاب الجهاد، نمبر:3073، مسلم نمبر:4734)

پیارے ساتھیو! کیا شیطان کے سارے چور دروازے بند نہیں ہو گئے؟ سوچیں.........!

مزید تسلی کے قرآنی آیات ملاحظہ کریں:

- ﴿اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِي النَّارِ o﴾ (الزمر۔آیت:19)

ترجمہ : ''(اے نبی ﷺ!) اس شخص کو کون بچا سکتا ہے جس پر عذاب کا فیصلہ صادر ہو چکا ہو، کیا آپ (ﷺ) اُسے بچا سکتے ہیں جو آگ میں گر چکا ہو''۔

- وَ اِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ وَ اِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ o (انعام۔آیت:17)

ترجمہ : ''اور اگر اللہ ﷻ تجھے کوئی تکلیف دینا چاہے تو اس کے سوا اسے کوئی دور کرنے والا نہیں اور اگر تجھے کوئی نفع پہنچائے تو وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔''

☆ ﴿قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا﴾ (الزمر۔آیت:44)

ترجمہ : ''اے نبی (ﷺ) فرمادیجیے کہ ساری کی ساری شفاعت اللہ ﷻ ہی کے اختیار میں ہے۔''

اس بات کو آپ ﷺ نے یوں بیان فرمایا بلکہ اِن کلمات کو آپ ﷺ ہر نماز کے بعد پڑھتے:

☆ ﴿اللھم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذالجد منك الجد﴾

(صحیح بخاری ''کتاب الاذان'' حدیث نمبر 844 ، صحیح مسلم ''کتاب الصلوۃ'' حدیث نمبر 1342)

ترجمہ : ''اے اللہ ﷻ جس کو تو دے اس سے کوئی روکنے والا نہیں اور جس سے تو روک لے اس کو کوئی دینے والا نہیں اور کسی صاحب حیثیت کو اس کی حیثیت تیرے مقابلے میں نفع نہیں پہنچا سکتی۔''

یہ بنیادی عقیدہ ہے جس پر نجات موقوف ہے۔خود رسول مکرم ﷺ اسی پر سختی سے عمل پیرا رہے بلکہ ہر نماز کے بعد اس کا اعادہ فرماتے۔اس کے برعکس نظریہ محض فریب ہے۔اس بغاوت پر شیطان اس لیے آمادہ کرتا ہے تاکہ اللہ ﷻ کے احکامات سے سرکشی کی جائے اور انسان بروز قیامت اللہ ﷻ کے غضب کا مستحق ہو۔پس جس کا عقیدہ یہ ہے کہ کوئی اللہ ﷻ سے زبردستی چھڑا لے گا وہ ایسے شرک میں گرفتار ہے جس پر بغیر توبہ فوت ہوا تو شاید کبھی نہ بخشا جائے۔اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کی اُمت کی حفاظت فرمائے (آمین)۔

شفاعت صرف اہل توحید کی ہوگی: رسول اللہ ﷺ نے اِرشاد فرمایا:

''ہر پیغمبر کی ایک دُعا لازماً قبول ہوتی ہے۔چنانچہ ہر نبی نے اپنی مستجاب دعا مانگنے میں جلدی کی اور اُنھوں نے اپنی دُعا دنیا میں ہی مانگ لی ،مگر میں نے وہ دعا اپنی امت کے لیے قیامت کے دن شفاعت کی صورت میں محفوظ کر لی ہے۔میری وہ دُعا اُمت کے ہر اس شخص کو نصیب ہوگی: ((مــن مات من امتی لا یشرك باالله شیئا)) ''جو اس حالت میں مرا کہ اُس نے اللہ ﷻ کے ساتھ

کسی کو بھی شریک نہیں بنایا''

(صحیح بخاری ''کتاب الدعوات'' حدیث نمبر 6304، صحیح مسلم ''کتاب الایمان'' حدیث نمبر 491)

محترم بھائیو! اس قسم کے غلط نظریات سے بچنے کے لیے اللہ ﷻ نے سورۃ فاتحہ کا عظیم تحفہ عطا فرمایا جس کی ہر رکعت میں ہم اللہ کے ساتھ اقرار کرتے ہیں کہ ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ وہ مالک ہے بدلے کے دن کا یعنی روزِ جزا کا بادشاہ مطلق اللہ ﷻ ہے لیکن نماز کے بعد ہم اس اقرار کو بھول جاتے ہیں۔

شفاعت کا حق دار بننے کے لیے: اللہ ﷻ سے شفاعت کی دعا کریں، آپ ﷺ کے احکام کو حرزِ جان بنائیں، ہر قسم کے شرک سے اجتناب کریں۔ آپ ﷺ پر کثرت سے درود بھیجیں۔ اللہ ﷻ ہمارے حال پر رحم فرمائے۔ (آمین)

حاضر وناظر (موجود اور دیکھنے والا)

محترم بھائیو! اب تک جو کچھ آپ نے پڑھا اس سے آپ پر یہ بات عیاں ہو چکی ہوگی کہ شیطان کے پاس انسان کو گمراہ کرنے کے لیے بہت بڑا ہتھیار ''افراط'' ہے یعنی عقیدت ومحبت کی آڑ میں حد سے تجاوز کرانا۔ اسی طرح تفریط یعنی جتنی بات کی اجازت دی گئی ہے اُسے بھی تسلیم نہ کرنا جسکا براہِ راست اثر مخلوقات کی شان وعظمت پر پڑتا ہے اس سے بھی ہمیں اجتناب کرنا چاہیے۔ جو چیزیں جن قواعد وحدود کے تحت آئی ہیں اُنھیں اُسی طرح تسلیم کرنا چاہیے اور معیار قرآن اور سنت جو صحیح احادیث سے اخذ کی گئی ہو رکھنا چاہیے۔ حاضر و ناظر کا معنی ہے موجود اور دیکھنے والا۔ اللہ ﷻ کے حوالے سے آپ پڑھ چکے ہیں کہ وہ اپنی قدرت اور علم کے اعتبار سے کائنات کی تمام چیزوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اسی سے ملتا جلتا نظریہ موجودہ معاشرہ میں مخلوقات کے بارے میں بھی موجود ہے جس کی بنیادی وجہ عقیدت ومحبت میں افراط ہے۔ انشاء اللہ ﷻ ہم اس کے ہر

پہلوکوافراط وتفریط سے بچتے ہوئے بیان کریں گے۔ پہلے حصے میں وہ چیزیں بیان کی جائیں گی جن کی قرآن وسنت میں اجازت ہے اس کے بعد ان حدود کی حقیقت جن سے تجاوز کرنے کی اجازت نہیں دی گئی تا کہ ہم رحمٰن کی پیروی کر سکیں اور شیطان کی پیروی سے بچ سکیں۔ اللہ ﷻ ہماری رہنمائی فرمائے۔(آمین)

جہاں تک بات درست ہے: اس ضمن میں جہاں تک بات درست ہے وہ یہ ہے کہ اللہ ﷻ نے بذریعہ وحی حضور اقدس ﷺ کو بے شمار سابقہ اور آنے والے واقعات کی اطلاع دی۔ قیامت تک کی خبریں دیں اور کثرت سے علوم عطا فرمائے۔ چونکہ ان خبروں کی حقیقت سے کوئی آگاہ نہ تھا اس طرح یہ آپ ﷺ کی نبوت کی دلیل بنیں۔ بعض اوقات ایک ہی وقت میں کائنات کا مشاہدہ ہوا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے اللہ ﷻ نے فرمایا:

﴿وَ كَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ﴾(انعام۔آیت75)

ترجمہ: ''اور یونہی ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمین کی بادشاہی دکھلائی اور تاکہ وہ کامل یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں''۔

یعنی کائنات کا مشاہدہ کرایا تاکہ یقین کامل حاصل ہو جائے۔

اسی طرح ہمارے پیارے نبی مکرم ﷺ کے لیے اللہ ﷻ نے زمین کو سمیٹ کر اس کے مشارق اور مغارب کا مشاہدہ کرایا۔ سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿ان الله زوى لی الارض، فرایت مشارقها و مغاربها و ان اُمتی سیبلغ ملکها مازولی لی منه﴾(صحیح مسلم''کتاب الفتن'' حدیث نمبر 7258، سنن ابی داؤد ''کتاب الفتن'' حدیث نمبر 4252)

ترجمہ: ''اللہ نے میرے لیے زمین کو سمیٹ دیا تو میں نے اس کے مشارق اور مغارب کو دیکھ لیا اور جس قدر زمین میرے لیے سمیٹ دی گئی وہاں تک میری اُمت کی حکومت پہنچے گی''۔

(صحیح مُسلم ''کتاب الفتن'' حدیث نمبر 7258، ترمذی 2176، ابوداود 4252، ابن ماجہ 3952)

اسی طرح صحیح حدیث میں ہے کہ نبی کائنات ﷺ کو خواب میں اللہ ﷻ کی زیارت ہوئی۔اور آپ ﷺ کے فرمان کے مطابق اللہ ﷻ نے اپنا دست قدرت آپ ﷺ کے کندھوں کے درمیان رکھا جس سے فرشتوں کی گفتگو کو آپ ﷺ نے جان لیا۔(ترمذی"کتاب التفسیر"حدیث نمبر 3235)

پس درست عقیدہ یہی ہے کہ اللہ ﷻ نے جب چاہا اپنے پیارے حبیب ﷺ کو دور و نزدیک سے کسی چیز کا مشاہدہ کرا دیا۔لیکن کائنات کی ہر چیز کا ہر وقت نظر میں ہونا یہ اللہ ﷻ کی صفت ہے جو قرآن مجید میں جگہ جگہ بیان ہوئی۔

حاضر و ناظر۔غلط پہلو

اس حوالے سے لوگوں میں ایسے غلط عقائد موجود ہیں جن سے خدا کی صفات میں شراکت سمیت قرآن وسنت کے واضح احکامات کا انکار لازم آتا ہے،اسلئے معاملے کو واضح کیا جارہا ہے تاکہ ہدایت کے متلاشیوں کے لئے بات کو سمجھنا آسان ہو جائے۔سب سے پہلے ایک دفعہ پھر سے قرآنی احکامات سے اعراض کے حوالے سے پروردگار کی سخت وعید ملاحظہ کرلیں:

﴿وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ﴾

(السجدہ:22)

ترجمہ:"اور اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جسے اُس کے پروردگار کی آیات سے نصیحت کی جائے پھر وہ ان سے منہ موڑے،ایسے مجرموں سے یقیناً ہم انتقام لے کر رہیں گے"۔

چنانچہ اگر یہ عقائد جو بھی پیش کیے جائیں گے قرآن وسنت کے خلاف نہ ہوں تو سب سے پہلے ہم انھیں تسلیم کریں گے۔ابلیس نے محبت کے غلو میں جس بات پر لوگوں کو قائل کیا ہے وہ یہ ہے کہ!

"آپ ﷺ کائنات کے نقطۂ آغاز سے قیامت تک ذرہ ذرہ کا مشاہدہ فرما رہے ہیں جسمانی اور روحانی لحاظ سے"۔اس وقت یہ نظریہ آقا ﷺ کے علاوہ عام لوگوں کے لیے بھی تسلیم کرلیا گیا ہے اور لوگ یہ تصور کرتے ہیں کہ پیر حضرات تمام زندگی کے معاملات کو اُسی طرح دیکھ رہے ہیں

جس طرح اللہ ﷻ بس ذاتی عطائی کا فرق ہے۔اللہ ﷻ ہماری حفاظت فرمائے۔حق بات تک رسائی کے لئے چند آیات پیش کی جاتی ہیں:

- ﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هَٰذَا الْقُرْآنَ وَإِن كُنتَ مِن قَبْلِهِ لَمِنَ الْغَافِلِينَ ۝﴾ (سورہ یوسف۔آیت:3)

ترجمہ: ''ہم آپ (ﷺ) کے سامنے بہترین قصہ پیش کرتے ہیں اس قرآن کے ذریعے سے جو ہم نے آپ (ﷺ) کی طرف وحی کیا ہے اور اس سے پہلے آپ (ﷺ) اس سے بے خبر تھے''۔

- ﴿ذَٰلِكَ مِنْ أَنبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ۝﴾ (آل عمران۔آیت:44)

ترجمہ: ''یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جسے ہم آپ (ﷺ) کی طرف وحی کر رہے ہیں اور آپ (ﷺ) وہاں موجود نہ تھے جب وہ اپنے قلم ڈال رہے تھے کہ ان میں سے کون مریم (علیہما السلام) کی کفالت کرے گا اور نہ آپ (ﷺ) ان کے جھگڑنے کے وقت وہاں موجود تھے''۔

- ﴿وَمَا كُنتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ إِذْ قَضَيْنَا إِلَىٰ مُوسَى الْأَمْرَ وَمَا كُنتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ ۝﴾ (القصص:44)

ترجمہ: ''اور آپ (ﷺ) نہیں تھے (طور کی) مغربی سمت میں جب ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف (رسالت) کا حکم بھیجا اور نہ آپ (ﷺ) گواہ تھے (اس واقعہ کے)''۔

- ﴿وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ۝﴾ (البقرہ۔آیت:143)

ترجمہ: ''ہم نے اسی طرح تمہیں عادل اُمت بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول (ﷺ) تم پر گواہ ہو جائیں۔''

اِس آیت کی تفسیر خود رسولُ اللہ ﷺ نے اِن الفاظ میں فرمائی:

ترجمہ: ''ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کی اُمت انکار کر دے گی کہ ہم تک انھوں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام نہیں پہنچایا جس پر حضور ﷺ اور آپ ﷺ کی اُمت گواہی پیش کرے گی''۔ (صحیح بخاری کتاب التفسیر حدیث نمبر 4487)

یہ گواہی قطعی علم قرآن مجید کی وحی کی بنیاد پر ہوگی۔ جن کی خبر آپ ﷺ کی اُمت تک بذریعہ قرآن پہنچی۔ ورنہ غلط نظریہ کی بنا پر آپ ﷺ کی ساری اُمت حاضر و ناظر ہوگی۔ اِسی گواہی کو بطور خاص سورۃ احزاب میں بیان فرمایا گیا:

((**يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا**))(احزاب۔آیت:45)

ترجمہ: ''اَے نبی (ﷺ) یقیناً ہم نے ہی آپ (ﷺ) کو بھیجا گواہیاں دینے والا، خوشخبریاں سنانے والا اور ڈرسنانے والا۔''

اُمید ہے آپ پر حقیقت واضح ہو چکی ہوگی۔ یہ وضاحت محض لوگوں کی خیر خواہی کے لیے پیش کی گئی ہے تا کہ جو بچنا چاہتے ہیں وہ تو کم از کم بچ سکیں۔ صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور آئمہ مجتہدین سمیت پہلے تین سو سال کے مسلمانوں میں ایسے عقیدے کا نام ونشان تک نہ تھا۔ ان چیزوں کا بیان صرف اللہ کے ساتھ خاص تھا۔

کیا ہم محبت کے غلو میں ابلیس کے داؤ میں آتے ہوئے قرآن مجید کا انکار کریں اور شرک کا ارتکاب کریں تا کہ آپ ﷺ کی شفاعت سے بھی محروم ہو جائیں، آخر کیوں؟ پیارے مسلمان بھائیو! ذرا اس پر بھی غور کرو کہ شرک کتنا بڑا جرم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شیطان کے سارے چور دروازے بند کیے ہیں چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

◆ ﴿ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ﴾ (المومن۔آیت:78)

ترجمہ: ''یقیناً ہم آپ (ﷺ) سے پہلے بھی بہت سے رسول بھیج چکے ہیں جن میں سے بعض کے (واقعات) ہم آپ (ﷺ) کو بیان کر چکے ہیں اور ان میں سے بعض کے ہم نے بیان نہیں کیے''۔

کیا اب بھی ہم غلط نظریات پر زندگی بسر کر کے ہمیشہ کا خسارہ اُٹھائیں گے۔ کیا ایسے غلط نظریات کو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ قبول کریں گے؟ ہر گز نہیں۔ لہذا قران وصحیح احادیث کو مضبوطی سے تھام لیں ورنہ بروز قیامت اللہ اور اُسکے محبوب ﷺ کی بارگاہ میں سخت شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

﴿ ویوم یعض الظالم علی یدیه یقول یلیتنی اتخذت مع الرسول سبیلا ٥ یویلتی لیتنی لم اتخذ فلانا خلیلا ٥ لقد اضلنی عن الذکر بعد اذ جآءنی وکان الشیطن للانسان خذولا ٥ وقال الرسول یرب ان قومی اتخذوا هذا القران مهجورا ٥ ﴾ (سورۃ الفرقان آیت نمبر 27تا30)

ترجمہ: ''اور اُس (قیامت) کے دن ظالم شخص اپنے ہاتھوں کو چباچبا کر کہے گا۔ (ہائے افسوس) اَے کاش میں نے رسول ﷺ کا راستہ اختیار کیا ہوتا۔ ہائے افسوس کاش میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ اس نے مجھے گمراہ کر دیا حالانکہ نصیحت (قران وصحیح احادیث) میرے پاس آ پہنچی تھی۔ اور شیطان تو اِنسان کو دھوکہ ہی دینے والا ہے۔ اور رسول ﷺ (شکایت کے انداز میں) عرض کریں گے: اَے میرے رب! میری اُمت نے قرآن کو پیٹھ کے پیچھے ڈال رکھا تھا''۔

چنانچہ اسی ضمن میں سیدنا ابوسعید خُدری رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوحازم رضی اللہ عنہ ایک اِنتہائی رقت انگیز حدیث بیان کرتے ہیں جو پوری صحاحِ ستہ میں موجود ہے کہ رسولُ اللہ ﷺ نے اِرشاد فرمایا:

ترجمہ: ''بروزِ قیامت میں اپنے حوض کوثر پر موجود ہوں گا اور وہاں تمہارا میزبان

ہوں گا۔ جو اُس حوض کوثر تک پہنچے گا وہ اُس کا مشروب پیئے گا۔ اور جو مشروب پیئے گا وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ کچھ لوگوں کو مجھ سے کچھ فاصلے پر پکڑ لیا جائے گا۔ پھر میرے اور اُن کے درمیان رُکاوٹ کھڑی کر دی جائے گی تو میں عرض کروں گا: اے میرے رب یہ میرے ماننے والے میرے اُمتی ہیں! تو مجھے کہا جائے گا کہ آپ ﷺ کو معلوم نہیں کہ اُن لوگوں نے آپ ﷺ کے بعد کس طرح بدعات ایجاد کر لیں تھیں اور (یوں اپنے دین سے) ایڑیوں کے بل پھر گئے تھے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں پھر میں کہوں گا: ((سُحْقاً سُحْقاً لِمَنْ غَيَّرَ بَعْدِي)) (اُنکو مجھ سے دوری ہو، اُنکو مجھ سے دوری ہو، جنہوں نے میرے بعد دین میں تبدیلیاں پیدا کر دیں)۔"

عبداللہ بن ابی ملیکہ رحمہ اللہ اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد دعا کیا کرتے تھے: "اے اللہ ﷻ ہم تیری پناہ مانگتے ہیں اس شر سے کہ ہم اپنی ایڑیوں کے بل پلٹ جائیں یا دین کے معاملہ میں کسی آزمائش میں ڈالے جائیں۔"

(صحیح بخاری "کتاب الرقاق" حدیث نمبر 6593، صحیح مسلم "کتاب الفضائل" نمبر 5972)

وہ حضور ﷺ کے اُمتی جنہوں نے آپ ﷺ کا طریقہ بدلا ان پر آپ ﷺ نے پھٹکار ڈال کر اپنے آپ سے ان کو دُور کر دیا اور حوض کوثر کے پانی سے محروم کر دیا **تو** قرآن مجید کے خلاف نظریات کا انجام کیا ہوگا۔ بات کو سمجھنے کے لئے آپ ﷺ کا فرمان عالیشان سنیے!

☆ ((و عن ابی هريرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ ((لقد رايتنی فی الحجر و قريش تسالنی عن مسرای، فسالتينی عن اشياء من بيت المقدس لم اثبتها، فكربت كربا ما كربت مثله، فرفعه الله لی انظر اليه مايسالونی عن شیء الا انباتهم، و قد رايتنی فی جماعة من الانبياءِ، فاذا موسى قائم يصلی فاذا رجل ضرب جعد كانه من رجال شنوئة، واذا عيسى قائم يصلی))

(صحیح مسلم "کتاب الایمان" حدیث نمبر 430)

ترجمہ: ''سیدنا ابوہریرہ ﷛ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''میں نے اپنے آپ کو حجر (حطیم) میں (کھڑے ہوئے) دیکھا، جبکہ قریش مجھ سے میرے سفر معراج کے متعلق سوال کر رہے تھے، انہوں نے بیت المقدس کی کچھ چیزوں کے متعلق مجھ سے سوالات کیے لیکن وہ مجھے یاد نہیں تھے، میں اس قدر غمگین ہوا کہ اس طرح کا غم مجھے کبھی نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ اللہ ﷻ نے اسے (بیت المقدس) میری نظروں کے سامنے کر دیا، میں اسے دیکھ رہا تھا، اس لیے وہ مجھ سے جس بھی چیز کے متعلق سوال کرتے تو میں انہیں بتا دیتا تھا، میں نے اپنے آپ کو انبیاء کی جماعت میں دیکھا، میں نے موسیٰ ﷵ کو حالت قیام میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔''

__غلط عقیدہ کی بنیاد:__ اگر آپ اللہ و رسول ﷺ کی تعلیمات کا مطالعہ کر چکے ہیں تو یقیناً حیران ہوں گے کہ قرآن و سنت کے محکم دلائل کے خلاف ایسا کیوں کیا گیا۔ عام لوگوں کا تعلق قرآن مجید سے صرف عربی میں تلاوت کی حد تک ہے لیکن بعض علماء نے ایسا کیوں کیا یہ بات بہت تعجب خیز ہے۔ اگر کوئی اُنیس بیس کا فرق ہوتا تو تشریحات میں اختلاف کی گنجائش تھی لیکن اللہ نے دوٹوک الفاظ میں ہر طرح سے وضاحت کے ساتھ ان چیزوں کو بیان کیا ہے۔۔ ہم نے الحمدللہ ان چیزوں کا ہر پہلو سے مطالعہ کیا ہے اس لیے چند بنیادی وجوہات بیان کی جاتی ہیں جو غلط نظریات کی بنیاد ہیں:

نمبر ۱ : __متشابہات آیات کی پیروی اور محکم آیات کی غلط تاویل__

متشابہات کی وضاحت تو پیچھے ہو چکی اور کچھ محکم آیات جن کا غلط معنی بیان کیا گیا ان کا صحیح مفہوم آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اس کے علاوہ بہت ساری آیات جن کے غلط مفہوم کی بنا پر مذکورہ عقیدہ بنایا گیا ان میں سے صرف تین آیات اپنے بھائیوں کے لیے بیان کر دیتے ہیں۔

(1)۔ سورۃ فیل میں ہے کہ!''(اَے نبی ﷺ) تم نے نہ دیکھا کہ تمہارے رب نے ہاتھی والوں

کے ساتھ کیا سلوک کیا''۔

اس سے یہ مراد لیا جاتا ہے کہ آپ ﷺ حاضر و ناظر تھے جبکہ یہ بطور استفہام فرمایا گیا ہے۔ اگر اس کا معنی حاضر و ناظر لیا جائے تو درج ذیل آیت کا کیا معنی ہوگا؟

﴿اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ﴾

(الانبیاء۔آیت:30)

ترجمہ: ''کیا کافر لوگوں نے نہ دیکھا کہ آسمان وزمین باہم ملے ہوئے تھے پھر ہم نے انھیں جدا کیا''۔

اس آیت کریمہ میں اللّٰہ ﷻ نے غالباً 'Big-Bang' کی خبر دی ہے جس سے کائنات وجود میں آئی۔ سوال یہ ہے کہ کون سا کافر تھا جو زمین وآسمان کی تخلیق کے وقت حاضر و ناظر تھا؟

(2)۔ ﴿اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ ﴾ (احزاب۔آیت:6)

ترجمہ: ''نبی (ﷺ) مومنوں پر خود ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھنے والے ہیں''۔

اس سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ کے حکم اور اطاعت کو سب پر مقدم رکھا جائے حتیٰ کہ اپنی جان پر بھی اور یہ بات آپ ﷺ کے فرامین کے عین مطابق ہے کہ حقیقی مومن وہ ہے جو اپنی جان سے بھی زیادہ آپ ﷺ سے محبت کرے۔ اس آیت کریمہ کی تفسیر خود نبی کریم ﷺ نے فرمائی کہ ''تمام مومنوں کا زیادہ حقدار دنیا اور آخرت میں خود ان کی جانوں سے بھی زیادہ میں ہوں''۔

(صحیح بخاری ''کتاب التفسیر'' حدیث نمبر 4781)

محترم بھائیو! شاید اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کہ جو شخص قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہے تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے''۔ (جامع ترمذی ''کتاب التفسیر'' حدیث نمبر 2951)

یعنی قرآن کے بارے ایسی بات کرنا جو اسکی محکم آیات سے متصادم ہو یا جو تفسیر خود قرآن نے کی ہے اس کے خلاف ہو اس پر آپ ﷺ نے جہنم کی وعید سنائی ہے۔ اس کے باوجود ایسا کیا گیا ہے اور بعض مفسرین نے بھی ایسا کیا ہے جس کی وجہ سے عام سادہ لوح مسلمان تذبذب کا شکار

ہوجاتے ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ بعض مفسرین نے اپنے نظریات کے تحفظ کے لیے قرآن مجید کی غلط تاویلات سے جو اُمت پر ظلم ڈھایا ہے وہ نا قابلِ تلافی ہے۔قرآن مجید پر اپنا نقطہ نظر مسلط کرنے کے لیے ضعیف روایات، پسندیدہ علماء کے اقوال اور واقعات کو بُنیاد بنا کر آیات کی ایسی تفسیر کی جاتی ہے جس میں آیت کا مفہوم ہی بالکل تبدیل ہوجاتا ہے۔انسان پریشان ہوجاتا ہے کہ اللہ نے جو حکم نازل کیا تھا اُس کا تو وہ مطلب ہی نہ تھا۔یوں سادہ لوح مسلمانوں کے لیے حق کی پہچان بہت مشکل ہوگئی ہے۔علامہ اقبال رحمہ اللہ نے اس خطرے کو یوں بیان کیا

احکام تیرے حق ہیں مگر اپنے مفسر
تاویل سے بنا دیتے ہیں قرآن کو پازند

پازند: پارسی مذہب کی کتاب۔

(3)۔ ﴿وَ مَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ﴾(سورہ الانبیاء:21،آیت:107)

ترجمہ: ''اورنہیں بھیجا ہم نے آپ ﷺ کو مگر تمام جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر''۔

اس آیتِ کریمہ کے خود ساختہ معنی جو بعض موجودہ مفسرین نے بیان کیے ہیں وہ سلف صالحین، صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، آئمہ مجتہدین سمیت کسی نے بھی نہیں کیے۔اس آیت کو حاضر و ناظر کے لیے دلیل بنایا گیا ہے۔حالانکہ اِس میں اللہ مالک نے جو خبر دی ہے وہ بالکل عام فہم ہے جس کی مختصر وضاحت یوں ہے:

(1) آپ ﷺ اعلیٰ ترین اخلاقِ حسنہ، لوگوں کی بہتری کے لیے حریص، دوسروں کے دُکھ درد کو اپنا دُکھ درد سمجھنے والے، تمام مخلوقات پر رحم کھانے والے، ہمیشہ مخلوقات کی بھلائی کے لیے کوشاں رہنے والے، ہمیشہ اُمت کا فکر کرنے والے، گالیوں اور پتھروں کا جواب دُعاؤں کے ساتھ دینے والے بنا کر بھیجے گئے۔(فداك أمي و ابي)

(2) آپ ﷺ کی رسالت تمام جہانوں کے لیے ہے جو اس پر ایمان لے آئے گا اور آپ ﷺ کی بات تسلیم کرے گا وہ یقیناً دُنیا جہان کی سعادتوں سے ہمکنار ہوگا۔

(3) آپ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے ظلم و بربریت کی بالا دستی تھی، بچیوں کو زندہ درگور کیا جاتا تھا لوگ کفر و شرک کے اندھیروں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ آنحضور ﷺ کے تشریف لانے سے انسانیت کو ان ظلمات سے نجات ملی۔ انسان تو درکنار آنحضور ﷺ نے تو جانوروں کے ساتھ بھی حسن سلوک کا درس دیا۔

(4) آنحضور ﷺ بروز قیامت اپنی اُمت کی بخشش کے لیے اللہ کے اذن سے شفاعت کریں گے یوں اللہ تبارک وتعالی نے آپ ﷺ کو مجسم رحمت بنا کر بھیجا۔

دوسری طرف ایسے ہی الفاظ قرآن مجید کے لیے بھی استعمال کیے گئے ہیں جیسے بنی اسرائیل میں ''ورحمة للمؤمنين ''یعنی جملہ اہل ایمان کے لیے یہ قرآن رحمت ہے۔ اِس کا یہ مطلب تو نہیں کہ قرآن حاضر وناظر ہے۔ بلکہ جو اس کو سمجھے گا اُس کو فائدہ ہوگا یہی اِس کا رحمت ہونا ہے۔

نمبر ۲: ضعیف روایات سے استدلال

بہت ساری ضعیف روایات تقریباً ہر موضوع پر موجود ہیں جو آپ ﷺ کی صحیح احادیث اور قرآن مجید کے خلاف ہیں۔ اس ضمن میں ضروری تفصیل باب ۱ میں گزر چکی ہے وہاں سے استفادہ کریں۔

نمبر ۳: واقعات کو بنیاد بنانا:

حضورِ اقدس ﷺ دوٹوک الفاظ میں اپنی اُمت کو متنبہ کر چکے ہیں کہ ہدایت صرف اس کے لیے ہے جو قرآن وسنت کو مضبوطی سے پکڑ لے گا۔ قرآن وسنت کے واضح احکامات کے خلاف واقعات کی کوئی حیثیت نہیں۔

محترم بھائیو! اللہ ورسول ﷺ کی تعلیمات سے موتیوں کی طرح چمکتی ہوئی واضح ہدایت آپ کے لیے کھول کر پیش کر دی گئی ہے چاہے تو اللہ ورسول ﷺ کی بات مان لیں یا ان کے مقابلے میں لوگوں کی بات تسلیم کر لیں۔ یہ نظریہ رکھ کر جس چیز کی آپ کو ضرورت ہو اللہ ظاہر فرما

دیتے ہیں ہم شرک سے بچ سکتے ہیں۔ ایسا عقیدہ جو قرآن وسنت کے خلاف ہو، صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، آئمہ کرام، سلف صالحین کے اجماع کے خلاف ہو آخر کس بنیاد پر رکھ رہے ہیں۔

درود وسلام (ایها النبی ﷺ) کے الفاظ

اس ضمن میں چند احادیث ملاحظہ فرمائیں:

1) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اپنے گھروں کو قبرستان مت بناؤ (یعنی اُن میں نوافل ادا کیا کرو) اور میری قبر کو میلہ گاہ نہ بنالینا۔ اور (ہر جگہ سے) مجھ پر درود بھیجو کیونکہ تم جہاں کہیں بھی ہو تمہارا درود مجھ تک پہنچا دیا جاتا ہے۔" (سُنن ابی داود "کتاب المناسک" **حدیث نمبر 2042**)

2) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: "جب ہم نبی اکرم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے تو ہم (تشہد میں) یہ کہتے تھے:

﴿السلام على الله قبل عباده السلام على جبرائيل السلام على ميكائيل السلام على فلان و فلان﴾ (یعنی اللہ تعالیٰ پر سلام ہو قبل اُسکے بندوں پر سلام کے۔ جبرائیل پر سلام ہو میکائیل پر سلام ہو فلاں اور فلاں پر) جب نبی ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: تم ایسے نہ کہا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ تو خود السلام ہے یوں کہا کرو:

((التحيات لله والصلوت والطيبا ت السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته السلام علينا وعلى عباد الله الصلحين))

ترجمہ: میری قولی، بدنی اور مالی عبادات صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہیں۔ اے نبی ﷺ آپ پر اللہ تعالیٰ کی سلامتی اور رحمت اور برکتیں ہوں۔ ہم پر اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں پر بھی سلامتی ہو)۔ پس جب وہ ایسا کہے گا تو آسمان وزمین میں موجود ہر نیک بندے کو (اور خصوصاً نبی ﷺ کو) یہ سلام (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) پہنچ جائے گا۔"

(صحیح بخاری "کتاب الاذان" حدیث نمبر **831**، صحیح مُسلم نمبر "کتاب الصلوٰۃ" **897**)

3) سیدنا کعب بن عجرہ ﷛ بیان کرتے ہیں: صحابہ کرام نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ اے اللہ ﷻ کے نبی آپ ﷺ نے ہمیں سلام پڑھنا تو سکھلا دیا اب درود پڑھنا بھی سکھلا دیں تب آپ ﷺ نے درود ابراہیمی تعلیم فرمایا۔

((اللھم صل علی محمد و علی ال محمد کماصلیت علی ابراھیم وعلی ال ابراھیم انک حمید مجیدO اللھم بارك علی محمد وعلی ال محمد کمابرکت علی ابراھیم وعلی ال ابرھیم انك حمید مجیدO))

(صحیح بخاری "کتاب التفسیر" حدیث نمبر 4797، صحیح مسلم "کتاب الصلوۃ" حدیث نمبر 908)

ان دلائل سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ اس نظریہ سے ﴿**السلام علیك ایھا النبی**﴾ پڑھنا کہ اللہ ﷻ آپ ﷺ تک پہنچادے گا درست ہے لیکن حاضر و ناظر کے نظریہ سے درست نہیں۔ مزید یہ بات بھی واضح ہوئی کہ نماز میں "**السلام علیك** ایھا النبی" حکایتاً پڑھنا محرومی ہے۔ یقیناً اسے آپ ﷺ پر سلام بھیجنے کی نیت سے پڑھنا از حد ضروری ہے۔ بعض لوگ اس بنا پر کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ نے آپ ﷺ کی وفات مبارک کے بعد ﴿**ایھا النبی**﴾ کی بجائے ﴿**علی النبی**﴾ پڑھنا شروع کردیا تھا درودوسلام کو حکایتاً پڑھتے ہیں۔

(صحیح بخاری "کتاب الاستیذان" حدیث نمبر 6265)

یہ استدلال درست نہیں کیونکہ "**ایھا النبی**" پڑھنے کا حکم خود آنحضرت ﷺ نے جاری فرمایا ہے جبکہ حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ کا **علی النبی** پڑھنا شاذ ہے اور ذاتی اجتہاد تھا جبکہ آپ ﷺ کی مبارک زندگی میں بھی دور دراز کی مساجد میں "**السلام علیك ایھا النبی**" ہی پڑھا جاتا تھا حالانکہ آپ ﷺ خود تو مسجد نبوی میں نماز پڑھایا کرتے تھے۔ اسی لئے حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ کے "**علی النبی**" پڑھنے پر اجماع نہ ہوسکا اور باقی تمام صحابہ کرام کا اور پوری اُمت کا اتفاق "السلام علیك ایھا النبی" پر ہی ہے۔ (واللہ اعلم)

خلاصہ: حاضر وناظر

کائنات کی ہر چیز کا ہر وقت مشاہدہ میں ہونا اللہ ﷻ کی صفت ہے۔ ایسا عقیدہ اللہ ﷻ کے علاوہ کسی کے لیے رکھنا قرآن مجید کی تعلیمات کے منافی اور شرک ہے۔ ضرورت کے تحت اللہ ﷻ جتنے وقت کے لیے چاہیں زندگی میں کسی چیز کا مشاہدہ کرا دیں۔ ملائکہ یا ابلیس کی طاقت کے ساتھ انبیاء کرام کا موازنہ کرانا درست نہیں کیونکہ ان کا مقصد تخلیق ہی بالکل مختلف ہے۔ اللہ ﷻ سرور کائنات ﷺ کے بھولے بھالے اُمتیوں کی حفاظت فرمائے۔ (آمین)

باب ۸

شرک فی الحقوق: ﴿پکارنا﴾

اللہ ﷻ کے حقوق میں شراکت شرک فی الحقوق کہلائے گی۔ اس میں دو چیزیں زیادہ اہمیت کی حامل ہیں۔

(i) عبادت میں شرک (ii) اطاعت میں شرک

شرک فی العبادت

عبادت صرف اللہ ﷻ کا حق ہے جس میں شراکت بدترین شرک ہے۔ غیر اللہ کی عبادت پر سخت ترین وعیدیں نازل ہوئی ہیں جیسا کہ خالق کائنات نے فرمایا:

﴿لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ○ وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾(بنی اسرائیل، آیت: 23-22)

ترجمہ: ''اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ بنانا ورنہ بیٹھا رہ جائے گا تو ملامت زدہ اور بے یار و مددگار ہو کر اور فیصلہ کر دیا ہے تیرے رب نے کہ نہ عبادت کرو تم مگر صرف اسی کی اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو''

عبادت کی وہ شکلیں جس میں شیطان نے لوگوں کو دھوکے سے شرک میں مبتلا کیا وہ دو ہیں:

(i) دُعا (ii) نذر و منت

عبادت کا مفہوم: عبادت کا معنی ہے بندگی اور پرستش۔ **امام راغب رحمہ اللہ اور امام فخر الدین رازی** رحمہ اللہ علیہ وغیرہ کے مطابق! کسی کے سامنے انتہائی درجہ کی ذلت و رسوائی، عاجزی اور تعظیم عبادت کہلاتی ہے جو صرف اللہ ﷻ کے لیے کی جاسکتی ہے۔ **شاہ ولی اللہ** رحمہ اللہ نے عبادت کا مفہوم یوں بیان فرمایا:

"کسی کے سامنے انتہا درجے کا تذلل ظاہر کرنا" اور "تذلل" کی وضاحت یوں فرمائی:

"تذلل کا مفہوم یہ ہے کہ تذلل کا اظہار کرنے والا اپنے آپ کو کمزور اور حقیر خیال کرے اور جس کے سامنے وہ اسکا اظہار کرتا ہے اسکو طاقت ور اور عظیم القدر جانتا ہو۔ اسی طرح اپنے آپ کو اسکے سامنے پست اور اسکا منقاد (مطیع وفرمانبردار) سمجھتا ہو اور اسکے حق میں اسکا اعتقاد یہ ہو کہ میں اسکا مسخر ہوں، اسکو مجھ میں ہر طرح کا تصرف کرنے کا اختیار حاصل ہے اور اسکا حکم مجھ پر نافذ ہے"۔

(حجۃ اللہ البالغۃ: حصہ اول، ص 238، مترجم، مطبوعہ الفیصل ناشران، اگست، 2006)

عبادت کی مختلف شکلیں جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ ہیں۔ اس کے علاوہ رسوم عبادت جیسے: رکوع، سجدہ، قیام، طواف وغیرہ۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ نے اکبر بادشاہ کے سامنے سجدہ کرنے سے انکار کیا اور صرف ایک اللہ ﷻ کے سامنے سر جھکایا۔ عبادت کی تین اقسام:

﴿التحیات للہ والصلوٰۃ والطیبات﴾ یعنی تمام قولی، بدنی اور مالی عبادات صرف اللہ ﷻ ہی کے لیے ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

- ﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ﴾ (سورۃ انعام۔ آیت:162)

"آپ (ﷺ) کہیئے کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور مرنا اللہ رب العالمین کے لیے ہے"۔

قولی عبادات: تسبیح وتحلیل، تکبیر وتحمید، دعا وغیرہ

بدنی عبادات: نماز، روزہ، اعتکاف، طواف وغیرہ

مالی عبادات: صدقہ خیرات، زکوۃ، نذر ونیاز اور قربانی وغیرہ

شرک فی الدُعا

عربی ڈکشنری القاموس کے مطابق دعا کے معنی: پکارنا، بلانا، سوال کرنا یا مدد کے لیے بلانا ہے اور اصطلاح شریعت میں ہر حال اور بالخصوص مصیبت و پریشانی میں اللہ ﷻ سے سوال کرنا یا اُسے پکارنا ہے۔ غائب سے ایسی ہستی کو پکارنا اس یقین کے ساتھ کہ وہ میرے حالات سے واقف ہے اور مصائب وآلام دور کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے دُعا کہلاتا ہے اور یہ اللہ ﷻ کے ساتھ خاص ہے۔

غائبانہ پکار یا فریاد رسی کرنا عبادت کی وہ قسم ہے جسے اللہ ﷻ نے قرآن مجید میں الفاظ بدل بدل کر دلائل سے بیان فرمایا ہے اور اسے اپنی عبادت اور حق قرار دیا ہے۔ قرآن وسنت کے واضح دلائل کے باوجود بھی لوگ شرک کی اس بدترین شکل میں مبتلا ہیں۔ مشکل ومصیبت کے حل وغیرہ کے لیے جو ہستی بظاہر آپ کے سامنے موجود نہ ہو ظاہری اسباب کے بغیر اُسے پکارنا یا فریاد رسی کرنا بدترین شرک ہے چاہے ہاتھ اُٹھا کر ہو یا بغیر ہاتھ اُٹھائے۔ مزید گفتگو کرنے سے پہلے ہم اپنے آپ کو قرآن وسنت پر پیش کرتے ہیں۔ اللہ حضور ﷺ کی امت کی حفاظت فرمائے۔ (آمین)

اللہ تعالی نے فرمایا:

- ﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَ لْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ﴾ (البقرہ۔آیت:186)

ترجمہ: ”جب میرے بندے میرے بارے میں آپ (ﷺ) سے سوال کریں تو آپ (ﷺ) کہہ دیں کہ میں بہت ہی قریب ہوں، ہر پکارنے والے کی پکار کو جب بھی

وہ مجھے پکارے قبول کرتا ہوں پس انھیں چاہیے کہ میرے حکم مانیں اور مجھ پر ایمان رکھیں تا کہ وہ ہدایت پا جائیں''۔

دُعا کرنا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے اس لیے یاد دہانی کے طور پر اسے فاتحہ میں شامل کیا گیا جس میں بندہ اپنے رب سے عہد کرتا ہے ﴿ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴾ ''ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے اور صرف تجھی سے (دعا کی صورت میں غائبانہ فریادرسی یا) مدد مانگتے ہیں اور مانگتے رہیں گے''۔ نَعْبُدُ اور نَسْتَعِيْنُ دونوں مضارع کے صیغے ہیں جن میں حال اور مستقبل کا معنی پایا جاتا ہے۔ یوں پروردگار نے عبادت اور غائب سے مدد مانگنے کو ہم وزن قرار دیا تا کہ شک کی گنجائش نہ رہے۔ نماز میں تو یہ عہد سب کرتے ہیں لیکن نماز کے بعد اس سے منحرف نظر آتے ہیں۔

اللہ کے سوا پکارنے پر کفر کی وعید

پروردگار نے مخلوقات کو پکارنے پر سخت ترین وعید یوں نازل فرمائی:

﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَ شَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ۝ قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ فِي النَّارِ﴾ (سورۃ الاعراف، آیت۔ 39-37)

ترجمہ: ''اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو جھوٹی باتیں گھڑ کر اللہ کی طرف منسوب کردے یا اللہ کی سچی باتوں کو جھٹلائے۔ ان لوگوں کو نصیبوں کا لکھا ہوا تو ملتا رہے گا۔ یہاں تک کہ ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ان کی روحیں قبض کرنے کے لیے آئیں گے اور پوچھیں گے کہ وہ کہاں ہیں جن کو تم اللہ کے علاوہ پکارتے تھے؟ لوگ جواب دیں گے کہ وہ سب ساتھ چھوڑ گئے۔ یوں وہ اپنی ہی جانوں کے خلاف

گواہی دیں گے کہ وہ کفر کرتے رہے تھے۔ حکم ہوگا کہ تم بھی جنوں اور انسانوں کے ان گروہوں کے ساتھ واصل جہنم ہو جاؤ جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں''

عقلی دلائل کی بنیاد پر:

ہم میں سے بعض لوگ قرآنی آیات کی بجائے عقلی دلائل کی بنیاد پر یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ غیر اللہ کو پکارا یعنی اس سے دعا کی جا سکتی ہے۔ جبکہ قرآن وسنت میں اس کی کوئی گنجائش موجود نہیں۔ قرآن مجید میں یہ وعید ہر طرح سے آئی ہے بغیر معبود قرار دیئے ہوئے اور معبود سمجھ کر پکارنے پر اس لیے کہ یہ کام صرف مشرکین کرتے تھے اور وہ جن کو پکارتے تھے، انھیں معبود بھی سمجھتے تھے۔ انشاء اللہ ہم قرآن وسنت کے واضح دلائل سے یہ بات کھول کر بیان کریں گے کہ غائب سے اپنے مصائب وآلام کے حل کے لیے اللہ کے علاوہ کسی کو پکارنا شرک اکبر ہے۔

واضح رہنمائی: امام کائنات سید الاولین والاخرین ہمارے غمخوار آقا ﷺ نے اس ضمن میں اُمت کی واضح رہنمائی فرمائی ہے۔ چنانچہ:

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿الدعآء هو العبادة﴾ ، **ترجمہ:** ''دُعا عبادت ہی ہے یا دعا ہی اصل عبادت ہے''۔

(جامع ترمذی ''کتاب الدعوات'' حدیث نمبر 3372 ،سُنن ابی داؤد 1479 ،سُنن ابن ماجہ 3828)

یہ جملہ ارشاد فرمانے کے بعد آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

- **﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِيٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ٥﴾** (المومن۔ آیت:60)

ترجمہ: ''اور تمہارے رب کا فرمان ہے کہ مجھے پکارو میں تمہاری دُعا قبول کروں گا، بے شک جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ جہنم میں داخل کیے جائیں گے ذلیل ہو کر''۔

مسائل: (i) اُدْعُوْنِیْ (ندا یا پکار) کو عَنْ عِبَادَتِیْ یعنی اپنی عبادت قرار دیا۔

(ii) حضور ﷺ نے خود اس بات کی تصدیق کر دی کہ دُعا عبادت ہے تا کہ شیطان کا چور دروازہ بند ہو جائے۔

(iii) جو اللہ ﷻ کو نہ پکاریں انھیں سرکش قرار دیا گیا اور دوزخ کی وعید سنائی گئی۔

دعا صرف معبود سے کی جاتی ہے:

اِس حقیقت کو کہ دُعا صرف اُس سے کی جاتی ہے جو معبود ہو، اللہ تبارک وتعالیٰ نے لوگوں کو جھنجھوڑتے ہوئے سوالیہ انداز اختیار کرتے ہوئے یہ بات بالکل واضح کر دی ہے کہ دُعا صرف اور صرف معبودِ حقیقی یعنی اللہ کے ساتھ خاص ہے۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ یَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَ یَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ﴾ (نمل۔ آیت:62)

ترجمہ: "بھلا کون قبول کرتا ہے ایک بے قرار کی فریاد کو جب وہ اُسے پکارتا ہے؟ اور (پھر کون ہے جو) دور کر دیتا ہے اس کی تکلیف کو؟ اور (کون ہے جس نے) تمھیں زمین میں (اگلوں کا) خلیفہ بنایا؟ کیا کوئی اور معبود بھی ہے اللہ ﷻ کے ساتھ؟ تم لوگ بہت کم ہی غور وفکر کرتے ہو!"

خلیفہ: مراد ایسی مخلوق پیدا کرنا جسے ارادہ واختیار کی دولت دی جائے اور وہ اللہ ﷻ کے احکامات نافذ کرے دیکھیے سورہ ص: آیت 26۔

بھائیو: کیا اب بھی شک کی گنجائش باقی ہے۔ خوابِ غفلت سے بیدار ہو جائیں اور ابلیس لعین کی مکاریوں اور عیاریوں کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ عربی گرائمر کی رُو سے "دُعا" مصدر یعنی فعل ہے جس کے ماضی اور مضارع کے چند صیغے یہ ہیں:

ماضی: دَعَا: اس نے پکارا، دَعَوْا: انہوں نے پکارا، دَعَوْتَ: تم نے پکارا

مضارع: یَدْعُوْا: وہ پکارتا ہے، یَدْعُوْنَ: وہ پکارتے ہیں وغیرہ۔

پکارنے کے حوالے سے بڑی غلط فہمی کا ازالہ

پکارنے کے حوالے سے مسلمانوں میں پائی جانے والی غلط فہمی کو شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے یوں رفع فرمایا:

''من جملہ مظنہ ہائے شرک کے ایک یہ ہے کہ مشرک لوگ قضاو حوائج کے لئے غیر اللہ کو پکارتے تھے اور انہیں سے شفاء مریض اور افلاس دور ہونے اور دوسری تیسری مرادیں مانگتے تھے، اس سلسلہ میں ان کے لئے منتیں مانتے اور تبرک کے طور پر ان کے نام جپتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس مشرکانہ عقیدہ کو مٹانے کے لئے کہ حکم دیا کہ وہ ہر نماز میں بلکہ ہر ایک رکعت میں یہ کہا کریں ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ تاکہ توحید کا صحیح مفہوم ہر وقت ان کے پیش نظر رہے''

مزید فرمایا:

''آیت کریمہ (فلا تدعوا مع اللہ احدا)' اللہ عزوجل کے ساتھ کسی دوسرے کو مت پکارو'۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ اس دُعا کے معنی عبادت کے ہیں۔ ان کا یہ قول محض غلط ہے، دُعا کا لفظ اپنے اصلی مفہوم پکارنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور آیت کا صاف اور صریح مفہوم یہ ہے کہ قضاو حوائج یعنی مرادیں مانگنے کے لیے سوائے اللہ عزوجل کے کسی دوسرے کو مت پکارو''۔

(حجۃ اللہ البالغہ: حصہ اول، ص 244، مترجم، مطبوعہ الفیصل ناشران، اگست، 2006)

قرآن مجید سے واضح تصدیق

شاہ صاحب کی پیش کردہ وضاحت کی تصدیق قرآن مجید میں کئی جگہ بیان ہوئی ہے۔ایک مقام پر مذکورہ بات کو بالکل صراحت سے بیان کر دیا گیا ہے تاکہ شک کی گنجائش نہ رہے، پروردگار نے فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِیْ یُسَیِّرُكُمْ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ حَتّٰۤى اِذَا كُنْتُمْ فِی الْفُلْكِ وَ جَرَیْنَ بِهِمْ بِرِیْحٍ طَیِّبَةٍ وَّ فَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِیْحٌ عَاصِفٌ وَّ جَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّ ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اُحِیْطَ بِهِمْ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ لَىِٕنْ اَنْجَیْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ﴾

(سورہ یونس، آیت:22)

ترجمہ: ''وہی اللہ ہے جو تمھیں لیے پھرتا ہے خشکی اور تری میں۔ یہاں تک کہ جب تم کشتی میں ہوتے ہو اور وہ کشتیاں لوگوں کو موافق ہوا کے ذریعے لے کر چلتی ہیں اور وہ لوگ ان سے خوش ہوتے ہیں۔ پھر ان پر ایک جھونکا سخت ہوا کا آتا ہے اور انھیں موجیں ہر طرف سے گھیر لیتی ہیں اور لوگ خیال کرتے ہیں کہ وہ گھیرے گئے۔ (اس وقت) سب خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارتے ہیں کہ اگر تو ہم کو اس (طوفان) سے بچالے تو ہم ضرور تیرے شکر گزار بن جائیں گے''

سنن نسائی حدیث نمبر:۲۶۸۳ اور ابوداود کی روایت کے مطابق یہ آیت کریمہ عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی۔ چنانچہ فتح مکہ کے بعد عکرمہ فرار ہو گئے راستے میں دریا کو عبور کرنے کے لئے کشتی پر سوار ہوئے۔ جب کشتی طوفانوں کی زد میں آگئی تو ملاح نے کہا کہ آج خدائے واحد سے فریاد کرو اسکے سوا تمھیں اس طوفان سے کوئی نجات دینے والا نہیں، حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے سوچا اگر سمندر میں نجات دینے والا صرف ایک اللہ ہے تو خشکی میں بھی یقیناً نجات دینے والا وہی ہے اور یہی بات (حضرت) محمد ﷺ فرماتے ہیں۔ انھوں نے فیصلہ کیا کہ آج اگر وہ بچ گئے تو واپس جا کر

اسلام قبول کر لیں گے، چنانچہ واپسی پر وہ آنحضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔

نوٹ: یاد رہے لفظ (دُعا) قرآن مجید میں کئی اور معنی جیسے دین کی طرف بلانا (سورۃ نوح آیت: 6-5)، جنت کی طرف بلانا (یونس آیت:25)، کسی کو خطاب کرنا (آلِ عمران:153) وغیرہ کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے لیکن ممانعت صرف غائب سے فریادرسی کرنے یعنی اپنے مصائب و آلام کے حل کے لیے اللہ ﷻ کے علاوہ کسی اور کو پکارنے پر آئی ہے جس کی تفصیل بیان کی جائے گی۔ اسی طرح لفظ استغاثہ کی ممانعت بھی صرف غائب سے فریادرسی کرنے پر ہے اس کے علاوہ باقی صورتوں میں اگر حقیقی فاعل اللہ تعالیٰ کو سمجھا جائے تو جائز و مستحسن ہے۔

ابلیس کا دھوکہ

موجودہ دور کے لوگوں کو دو طرح سے دھوکہ دیا اولاً یہ کہ "مِنْ دُوْنِ اللّٰه" صرف بتوں کے لیے ہے۔ اس کی وضاحت پیچھے گزر چکی اور دوم یہ کہ اگر کسی کو معبود سمجھ کر پکاریں تو شرک ہوگا جبکہ حقیقت یہ نہیں۔ آپ نے اوپر دیکھ لیا کہ پکار کی ممانعت اس وجہ سے ہے کہ اسے عبادت قرار دیا گیا ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر کسی کو اللہ ﷻ کے علاوہ معبود بنالیا گیا تو پھر پکارنے پر ہی کیوں شرک ہوگا بلکہ معبود قرار دینے پر ہی شرک ہو جائے گا۔ ایسا کرنا دراصل اپنے آپ کو دھوکہ دینا ہے۔ بہرکیف کوئی جواز نکلتا بھی تو محتاط رہنے کی ہی ضرورت تھی کیونکہ اس پر شرک اور کفر کی وعید ہے۔

چند آیات ملاحظہ کریں

- ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَ يَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا﴾ (بنی اسرائیل۔ آیت:7۔56)

ترجمہ: "فرمادیجیے اللہ ﷻ کے سوا جن پر تمہیں مان ہے، جنھیں تم پکار رہے ہو نہ تو وہ تم

سے کسی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں اور نہ اُسے بدل سکتے ہیں۔ جنھیں یہ لوگ پکارتے ہیں وہ خود اپنے رب کے تقرب کے لیے وسیلہ تلاش کرتے ہیں کہ ان میں سے کون زیادہ نزدیک ہو جائے، وہ تو خود اس کی رحمت کی اُمید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں بے شک تیرے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے۔"

نتائج: (i) جن کو غائب سے پکارا جاتا ہے ان کے اختیار کی نفی کر دی گئی ہے کہ پکارنے پر نہ تو وہ تکلیف کو دور کر سکتے ہیں اور نہ حالات بدل سکتے ہیں (ii) وہ مقربین اس شرک سے پاک ہیں، وہ تو خود نیک اعمال کے ذریعے اپنے رب کے قرب اور رحمت کے امیدوار ہیں (iii) پکارنے والے پر سخت وعید فرما دی گئی۔

وضاحت: اسی آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان پکارے جانے والوں سے مراد وہ جنات ہیں جن کو لوگ جنگلات میں مدد کے لئے پکارتے تھے حالانکہ وہ جن خود مسلمان ہو چکے تھے۔"

(صحیح بخاری "کتاب التفسیر" حدیث نمبر 4714 صحیح مسلم "کتاب التفسیر" حدیث نمبر 7555)

جنات میں تو تصرف کی طاقت بھی ہوتی ہے اس کے باوجود وعید آئی ہے۔ کیا روز روشن کی طرح عیاں حقیقت دیکھ کر بھی توبہ نہ کی جائے گی؟ اس آیت پر سوچیں اور ہزار بار سوچیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے۔

نوٹ: تمام مفسرین جیسے روح المعانی، قرطبی، مظہری، ابن کثیر، مدارک، بیضاوی، خازن وغیرہ کے نزدیک یہاں "**من دون الله**" سے مراد بت نہیں بلکہ ملائکہ، جنات، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت عزیر علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام سب مراد ہیں۔

☆ **﴿مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَ اُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ O قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا**

يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا وَ اللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ (سورۃ المائدۃ، آیات نمبر 76 تا 75)

ترجمہ : " عیسیٰ بن مریم علیہ السلام تو نہیں تھے مگر ایک رسول ہی بیشک اُن سے پہلے بھی بہت رسول گزر رے ہیں اور اُنکی ماں ایک سچی عورت تھی۔ وہ دونوں (ماں بیٹا) کھانا کھایا کرتے تھے (یعنی اِنسان تھے)۔ دیکھو تو ہم اپنی آیات کیسے کھول کھول کر بیان کر رہے ہیں اور پھر اُن (مشرک عیسائیوں) کی طرف بھی دیکھو کہ کیسے اُلٹے پھرے جاتے ہیں (اے محبوب ﷺ) تم فرماؤ ! کیا تم اللہ جل جلالہ کے علاوہ اُن (ماں بیٹا) کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہارے نقصان کا اِختیار رکھتے ہیں اور نہ ہی نفع کا۔ اور اللہ جل جلالہ ہی (ہر پُکار) سننے والا علم رکھنے والا ہے۔"

نوٹ: مندرجہ بالا آیت میں اللہ جل جلالہ نے نہ صرف عیسیٰ بن مریم علیہما السلام اور اُنکی والدہ کو ﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ﴾ فرمایا بلکہ غائب سے فریادرسی کے حوالے سے اُنکے مُشکل کُشا اور حاجت روا ہونے کی بھی نفی فرما دی۔

تسلی کے لیے چند مزید آیات ملاحظہ کریں:

﴿وَ اَعْتَزِلُكُمْ وَ مَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ اَدْعُوْا رَبِّيْ عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا﴾ (مریم۔ آیت:48)

ترجمہ: "میں (ابراہیم علیہ السلام) تو تمھیں بھی اور جن جن کو تم اللہ جل جلالہ کے سوا پکارتے ہو ان سب کو چھوڑ رہا ہوں۔ صرف اپنے پروردگار کو پکارتا رہوں گا۔ مجھے یقین ہے کہ میں اپنے پروردگار سے دُعا مانگ کر محروم نہ رہوں گا۔"

انبیاء علیہم السلام صرف اللہ تعالیٰ کو پکارتے تھے

تمام انبیاء کرام نے مصائب و آلام میں صرف اللہ تعالیٰ ہی کو پکارا جس پر کئی آیات قرآن مجید میں موجود ہیں۔ وضاحت کے لیے ایک آیت پیش ہے:

﴿ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَ وَهَبْنَا لَهُ يَحْيٰى وَ اَصْلَحْنَا لَهُ زَوْجَهُ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَ يَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّ رَهَبًا وَ كَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴾ (الانبیاء۔آیت:90)

ترجمہ: ''بے شک وہ لوگ (انبیاء کرام) بھلائی کے کاموں کی طرف سبقت کرتے تھے اور اُمید اور خوف کی حالت میں ہمیں پکارتے تھے اور ہمارے لیے خشوع وخضوع اختیار کرتے تھے۔''

غیر اللہ کو پکارنا اور رسول اللہ ﷺ کی شرک سے پاک دعوت:

ایک آدمی نے آپ سے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ آپ کی دعوت کیا ہے؟ فرمایا: ﴿ **ادعو الی اللہ وحدہ الذی ان مسك ضر فدعوته کشف عنك والذی ان ضللت بارض قفر دعوته رد علیك والذی ان اصابتك سنة فدعوته أنبت علیك** ﴾

ترجمہ: ''ایک اللہ کی طرف بلاتا ہوں، اگر تجھے تکلیف پہنچے اور تو اس کو پکارے تو وہی تیری تکلیف دور کردے گا، اگر ویران زمین میں گم ہو جائے اور تو اس کو بلائے تو واپس لا دے گا، اگر تجھے قحط سالی پہنچے اور تو اس کو پکارے تو وہ تیرے لیے اُگائے گا۔'' [(مسند احمد،64/5)،صحیح الجامع الحدیث نمبر98]

محترم ساتھیو! کیا اب بھی کوئی شک باقی ہے؟

سخت مشکل میں انسان کا اپنی فطرت پر آ جانا

انسانی فطرت میں چونکہ ایک ہی خدا ہے۔ چنانچہ دردناک صورت حال میں مشرکین مکہ بھی صرف ایک اللہ تعالیٰ کو پکارتے اور باقی خداؤں کو بھول جاتے۔ اس حقیقت کو پروردگار نے یوں

بیان فرمایا:

◆ ﴿ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ (انعام۔آیت:40)

ترجمہ: ''آپ (ﷺ) فرما دیجیے کہ بتلاؤ اگر تم پر اللہ ﷻ کا کوئی عذاب آپڑے یا تم پر قیامت آپہنچے تو کیا اللہ ﷻ کے سوا کسی اور کو پکارو گے اگر تم سچے ہو؟''

◆ ﴿ بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴾ (انعام۔آیت۔41)

ترجمہ: ''بلکہ خالص اُسی کو پکارو گے پھر جسے تم پکارو گے اگر وہ چاہے تو مصیبت رفع کر دے اور جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو ان سب کو بھول بھال جاؤ گے۔''

◆ ﴿ وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ﴾ (لقمٰن۔آیت:32)

ترجمہ: ''اور جب ان (مشرکین) پر موجیں سائبانوں کی طرح چھا جاتیں تو خالص یقین کے ساتھ اللہ ﷻ ہی کو پکارتے۔''

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شرمندہ:

جن لوگوں کو اللہ کے سوا پکارا جاتا ہے بروز قیامت جب اللہ ان برگزیدہ بندوں سے سوال کرے گا کہ کیا تم نے کہا تھا کہ یہ لوگ پکاریں تو وہ برگزیدہ لوگ پکارنے والوں کے خلاف ہو جائیں گے اس پر کئی آیات ہیں صرف ایک پیش کی جاتی ہے:

◆ ﴿ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴾ (احقاف۔آیت:6)

ترجمہ: ''اور جب لوگوں کو جمع کیا جائے گا تو یہ لوگ ان کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کی پرستش سے صاف انکار کر دیں گے۔''

اس سے پچھلی آیت نمبر 5 میں پکارنے کا ذکر آیا اس کے بعد اس آیت میں اسے عبادت قرار دیا گیا۔ خدا کی پناہ کہ انسان ایسے قبیح جرم کا ارتکاب کرے جسے اللہ کسی صورت برداشت نہیں کرتا۔

غیر اللہ سے دُعا کی ممانعت کی وجہ:

دُعا صرف اس سے کی جا سکتی ہے جو معبود ہو۔ جس کو کبھی نیند نہ آتی ہو، کبھی اونگھ نہ آتی ہو، ہر زبان جانتا ہو، تمام مخلوقات کے احوال سے ہر وقت آگاہ ہو، دِلوں کے خطرات تک سے واقف ہو، ایک سیکنڈ کے لیے بھی کبھی غافل نہ ہوتا ہو، ہر قسم کے حالات بدلنے کی پوری قوت رکھتا ہو۔ معبود کی صفات کی تفصیل دیکھیے سورہ النمل آیات: ۶۰ تا ۶۵۔ کیا ایسی صفات اللہ ﷻ کے علاوہ کسی کی ہو سکتی ہیں؟ پھر شرک کیسے نہیں ہوگا۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ اللہ ﷻ تو ہمیں نظر نہیں آتا صرف دُعا ہی سے تو اس پر یقین بنتا تھا اس میں بھی ہم نے دوسروں کو شریک کر لیا ہے۔ اللہ ﷻ اُمت مسلمہ کی حفاظت فرمائے۔ (آمین)

لوگ بات تسلیم کیوں نہیں کرتے؟

غائب سے فریاد رسی کے حوالے سے فرقان حمید کی روشن آیات سے مسئلہ بالکل واضح ہے لیکن اسکے باوجود بھی لوگ اس بات کو کیوں تسلیم نہیں کرتے؟ اسکی وجہ بعض بزرگوں کی طرف منسوب وہ اقوال ہیں جن میں وہ خود خدا کے سوا دیگر لوگوں سے فریاد رسی کرنے کی دعوت دیتے رہے۔ جیسے میاں محمد بخش صاحب ؒ کی طرف منسوب اشعار جن کے مطابق سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنے مصائب و آلام سے چھٹکارہ کے لئے پیران پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی ؒ سے فریاد رسی کرتے رہے، حالانکہ اس وقت پیران پیر ؒ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ اسی طرح حضرت سلطان باہو صاحب ؒ کی طرف منسوب درج ذیل شعر جس میں پیران پیر ؒ سے فریاد رسی کی گئی ہے کو لوگ دلیل بناتے ہیں۔

سن فریاد پیراں دیا پیرا تے میری عرض سنیں کن دھر کے ہو

بیڑا میرا وچ کپھراں دے جتھے مچھ وی نہ بیندے ڈردے ہو

سوچنے کی بات یہ ہے کہ جس چیز کو حضور ﷺ عبادت قرار دے رہے ہیں، اور مشرک بھی ایسے حالات میں اپنے معبودوں کو بھول کر صرف خدائے واحد سے فریادرسی کرتے تھے۔ اسی چیز کا جواز دیگر لوگوں سے مل رہا تو خدا اور رسول ﷺ کی بات کو تسلیم کیا جائے گا یا لوگوں کی طرف منسوب بات کو؟ حالانکہ ہو سکتا ہے ایسی باتیں ان بزرگوں نے نہ کہیں ہوں بلکہ لوگوں نے انکی طرف منسوب کر دی ہوں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے انسان کے ایمان کی پرکھ ہوتی ہے کہ وہ خدا اور رسول ﷺ کو فوقیت دیتا ہے یا شرک کا ارتکاب کرتا ہے؟ اور یہی چیز سابقہ اقوام کی بربادی کی بنیادی وجہ بنی۔

خلاصہ: غیر اللہ کو پکارنا

مشکل مصیبت کے حل کے لیے غائب سے کسی سے فریادرسی کرنا دُعا کہلاتا ہے جسے اللہ نے اپنے ساتھ خاص کیا ہے اور آنحضور ﷺ نے اسے اصل عبادت قرار دیا ہے۔ دُعا یعنی پکارا صرف اُسے جا سکتا ہے جو معبود ہو کیونکہ صرف معبود کو یہ قدرت حاصل ہے کہ فریادوں کو سُن کر مشکلات دُور فرمائے۔ تمام انبیائے کرام صرف اور صرف اللہ کو پکارتے اور اِسی کا درس دیتے تھے۔ اللہ کے علاوہ کسی کو پکارنا مشرکین کا فعل تھا۔ مشرکین جب بھی بڑی مصیبت میں پھنستے تو اپنے معبودوں کو بھول کر صرف اور صرف ایک اللہ کو پکارتے تھے۔ مشرکین مکہ اپنے معبودوں کو مستقل بالذات نہیں سمجھتے تھے بلکہ اُن کے اختیارات اللہ کی طرف سے تفویض تصور کرتے تھے۔ قرآن وسنت میں ممانعت پکارنے پر ہے۔ اللہ کے علاوہ کسی کو پکارنا شرک ہے چاہے مستقل بالذات سمجھ کر پکارا جائے یا غیر مستقل بالذات سمجھ کر کیونکہ یہ عبادت ہے۔

باب ۹

شرک فی الحقوق: ﴿قبروں کے احکام﴾

جیسا کہ آپ پر یہ حقیقت واضح ہو چکی کہ بغیر اسباب کو اختیار کیئے ہوئے اللہ کی مخلوقات سے کی گئی غائب سے فریادرسی یا استمداد عبادت میں داخل ہے جسکی تین صورتیں کتاب الٰہی میں مذکور ہوئی ہیں: (1) ایسے شخص سے فریادرسی کرنا جو زندہ ہو (2) جو فوت ہو چکا ہو۔ (3) فوت شدہ کے بت بنا کر جسکا ذکر سورہ نوح آیت ۲۳ تا ۲۵ میں بیان ہوا۔ سابقہ اقوام میں غیر اللہ کی پرستش کی یہ تینوں صورتیں پائی جاتی تھیں جن کا بیان باب ۶ میں کر دیا گیا ہے۔ حوالہ کے طور پر اہل قبور سے فریادرسی پر پروردگار کی شدید وعید پر صرف دو آیات پیش خدمت ہیں:

☆ ﴿وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ٥ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ٥﴾ (الاحقاف: 5-6)

ترجمہ: ’’اور اُس شخص سے زیادہ گمراہ کون ہے جو اللہ ﷻ کو چھوڑ کر دوسروں کو پکارے، جو قیامت تک اُسے جواب نہیں دے سکتے اور وہ ان کی پکار سے بے خبر ہیں۔ اور جب لوگوں کو جمع کیا جائے گا تو یہ اپنے (پجاریوں) کے دشمن بن جائیں گے اور ان کی عبادت کا (صاف) انکار کر جائیں گے۔‘‘

☆ ﴿قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ﴾ (سورہ النمل: آیت: 65)

ترجمہ: ''فرما دیجئے کہ آسمانوں اور زمین میں کوئی بھی اللہ کے سوا غیب کا علم نہیں رکھتا، انہیں (قبروں میں مدفون لوگوں کو) یہ بھی معلوم نہیں کہ انہیں کب (قبروں سے) اٹھا کھڑا کیا جائے گا''

چونکہ اس حوالے سے اکثر ہمارے بھائی حقیقت سے آگاہ نہیں اسلیئے یہ ضروری ہے کہ سچ بات کو واضح کیا جائے۔ اب ہم اپنے آپ کو قرآن وسنت کے سامنے پیش کرتے ہیں اور زیارت قبور کے متعلق اللہ ﷻ اور رسول ﷺ کی تعلیمات سے رہنمائی لیتے ہیں۔ انشاءاللہ ہر چیز کے دونوں پہلو بیان کیے جائیں گے یعنی جہاں تک کسی چیز کی اجازت دی گئی ہے وہ بھی اور جس کام سے روکا گیا ہے وہ بھی۔

زیارت قبور۔ جائز پہلو

آپ ﷺ نے ابتداء میں قبروں کی زیارت سے روک دیا تھا جس کی دو وجوہات تھیں۔

نمبر ۱: قبریں ہمیشہ سے شرک کا ذریعہ رہی تھیں اور سابقہ اُمتوں کے شرک کی بڑی وجہ قبریں ہی تھیں جو رفتہ رفتہ بت پرستی میں تبدیل ہو گئیں۔

نمبر ۲: ابتداء میں توحید کا شجرا تنا پختہ نہ تھا اس لیے خدشہ تھا کہ لوگ جو نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے ہیں ابلیس انہیں شرک میں مبتلا نہ کر دے۔ جب ایک اللہ کا یقین راسخ ہو گیا اور شرک سے نفرت پیدا ہو گئی تو آپ ﷺ نے قبروں کی زیارت کی اجازت دے دی لیکن عورتوں کے لیے ممانعت فرما دی۔ چنانچہ: سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میں تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا کرتا تھا، اب اُن کی زیارت کیا کرو، کیونکہ وہ دنیا سے بے رغبت کرتی ہیں اور آخرت کی یاد دلاتی ہیں۔''

(صحیح مسلم ''کتاب الجنائز'' حدیث نمبر 2259 ، سُنن ابن ماجہ ''حدیث نمبر 1572'')

اسی طرح اور احادیث میں والدین کی قبروں پر جانے کی ترغیب دلائی گئی ہے اور اہلِ قبور

کے لیے دُعا تعلیم فرمائی۔ چنانچہ سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اُنھیں قبرستان جا کر پڑھنے کیلئے یہ دُعا تعلیم فرمائی:

﴿السلام علیکم اھل الدیار من المومنین والمسلمین وانشاء اللہ بکم للاحقون۔ نسال اللہ لنا ولکم العافیہ﴾

(صحیح مُسلم ''کتاب الجنائز'' حدیث نمبر 2257 ، سُنن ابن ماجہ حدیث نمبر 1547)

ترجمہ: '' سلامتی ہو گھر والوں میں سے مومنین اور مسلمین تم پر۔ اور ہم بھی تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں۔ ہم اپنے اور تمہارے لئے اللہ عزوجل سے عافیت کا سوال کرتے ہیں''

مقصد: آپ ﷺ نے اجازت دی اور ساتھ ہی اجازت دینے کا مقصد بھی بیان فرمادیا کہ دنیا سے دِل اچاٹ ہو اور آخرت کی طرف رجحان پیدا ہو، یا اہل قبور کی سلامتی، عافیت اور مغفرت کے لئے دعا کی جائے۔ قبروں پر جانے کا مقصد آپ ﷺ کی طرف سے صراحتاً بیان ہو جانے کے بعد کسی بھی اہل ایمان کے لئے اس مقصد سے ہٹ کر کوئی اور غلط مقصد بنانے کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

پس قبروں کی زیارت کو جانا، ان کے لیے دُعائے مغفرت کرنا، سلامتی کی دُعا کرنا، قبروں کا احترام کرنا، ان کے اوپر پاؤں نہ رکھنا وغیرہ بالکل درست ہے۔ لیکن جو کچھ آج ہو رہا ہے بہت افسوسناک ہے جس کی تفصیل انشاءاللہ عزوجل آگے آئے گی۔

زیارت قبور۔ شرکیہ امور

محترم بھائیو! اس چیز پر ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے اس کے نزدیک بہت عزت اور قدر والے ہیں۔ ایسے لوگوں کی صحبت اور نسبت باعث خیر و برکت ہے۔ ان کی تعظیم اور ادب و احترام کرنا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ اللہ عزوجل کے وہ بندے جنہوں نے دین کی خاطر زندگی بسر کی خود بھی شرک سے بچے اور لوگوں کو بھی بچایا۔ ایسے لوگ اللہ عزوجل کو بہت محبوب ہیں اور اللہ عزوجل ان کا بڑا لحاظ اور اکرام کرتا ہے لیکن ابلیس لوگوں کو برباد کرنے کے لیے مقربین کو ہی ڈھال بناتا ہے۔

چنانچہ ذرا گہری بصیرت سے دیکھیے گا کہ نبی مکرم ﷺ نے کس بڑے خطرے کی نشاندہی فرمائی ہے اور اپنی اُمت کی خیر خواہی فرماتے ہوئے کس قدر سختی سے روکا ہے۔آپ ﷺ کی زندگی کی آخری وصیتیں پڑھیں اور عبرت حاصل کریں:

آنحضور ﷺ کی زندگی کی آخری وصیتیں

نمبر ۱: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ مرضِ وفات میں مبتلا تھے تو بار بار اپنی چادر کو اپنے چہرہ مبارک پہ ڈالنا شروع کر دیا۔اور جب چادر کی وجہ سے گھبراہٹ شروع ہو جاتی تو اُسے اپنے چہرے سے ہٹا دیتے اور اسی حال میں فرماتے جاتے: **((لعنت اللہ علی الیھود والنصاریٰ اتخذو قبور انبیا ئھم مساجدا))** **(ترجمہ:** اللہ جل جلالہ کی لعنت ہو یہودیوں اور نصرانیوں (عیسائیوں) پر کہ اُنھوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا تھا)۔

اِسی روایت کے بعد سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر پہ لوگ سجدے شروع کر دیں گے تو آپ ﷺ کی قبر (مبارک) کو (زائرین کی زیارت کیلئے) کھلا چھوڑ دیا جاتا۔مگر آپ ﷺ کو یہی خوف تھا جس کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ اِس عمل سے بچنے کی تلقین کر رہے تھے۔''

(صحیح بُخاری ''کتابُ الجنائز'' حدیث نمبر 1390، صحیح مُسلم ''کتابُ المساجد'' حدیث نمبر 1183)

نمبر ۲: سیدنا جُندب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی وفات سے 5۔دن قبل آپ ﷺ کو یہ بات اِرشاد فرماتے ہوئے سُنا۔۔۔۔: '' خبردار! تم سے پہلے لوگ اپنے انبیاء علیہم السلام اور نیک لوگوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا کرتے تھے۔خبردار! تم لوگ قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنانا۔بے شک میں تمہیں اِس حرکت سے منع کرتا ہوں۔''

(مُسلم ''کتابُ المساجد'' نمبر 1188)

نمبر ۳: سیدنا امام مالک رحمہ اللہ مشہور تابعی عطا بن یسار رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ

رسولُ اللہ ﷺ نے اِرشاد فرمایا:((اللھم لا تجعل قبری وثنا یعبد اشتد غضب اللہ علی قوم اتخذو قبور انبیا ئھم مساجدا)) (اَے اللہ ﷻ میری قبر کو بُت نہ بنانا کہ اُسے پوجا جانے لگے۔ اللہ ﷻ کا غضب نازل ہوا اُن لوگوں پر جنہوں نے اپنے انبیاء علیھم السلام کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا تھا)

(الموطاء للمالک ''کتابُ قصر الصلوۃ فی السفر'' حدیث نمبر

نمبر ٤: سیدنا قیس بن سعد ﷛ روایت کرتے ہیں کہ میں (کوفہ کے پاس شہر)''حیرہ'' گیا تو میں نے وہاں کے لوگوں کو اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا۔ میں نے سوچا کہ رسولُ اللہ ﷺ تو اس چیز کا زیادہ حق رکھتے ہیں کہ اُنھیں سجدہ کیا جائے۔ میں واپس آیا تو واقعہ بیان کر کے سجدے کی اجازت طلب کی تو رسولُ اللہ ﷺ نے اِرشاد فرمایا: ''اگر تم میری قبر سے گزرو گے تو کیا اُسے بھی سجدہ کرو گے؟'' میں نے عرض کیا نہیں! تو اس پر رسولُ اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ایسا مت کرو۔ اگر میں کسی کو اللہ ﷻ کے علاوہ سجدہ کا حکم دیتا تو بیویوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کریں کیونکہ اللہ ﷻ نے اُن کا بیویوں پر حق دیا ہے۔'' (سُنن ابی داود ''کتابُ النکاح'' حدیث نمبر 2140)

نمبر ٥: عن جابر رضی اللہ عنہ ((نھیٰ رسول اللہ ﷺ أن یجصص القبر و أن یقعد علیہ و أن یبنی علیہ))

ترجمہ: سیدنا جابر بن عبداللہ ﷛ روایت کرتے ہیں:'' منع فرمایا ہے رسولُ اللہ ﷺ نے: (1) قبروں کو پکا کرنے سے اور (2) اِن پر عمارت بنانے سے۔ اور (3) اِن پر بیٹھنے سے۔ (چاہے ویسے بیٹھنا ہو، چاہے مجاور بن کے) اور (4) اِن پر لکھنے (کتبہ لگانے) سے۔''

(نوٹ: آخری جملہ نمبر (4) ''جامع ترمذی'' میں موجود ہے)

(صحیح مُسلم ''کتابُ الجنائز'' حدیث 2245، جامع ترمذی 1052، نسائی 2027، ابن ماجہ 1562)

نمبر ٦: سیدنا ابو مرثد غنوی ﷛ روایت کرتے ہیں کہ رسولُ اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''

قبروں پر مت بیٹھو اور نہ ہی اُنکی طرف رُخ کر کے نماز پڑھو۔"

(صحیح مُسلم "کتابُ الجنائز" حدیث نمبر 2250 ، سُنن ابی داود 3229، جامع ترمذی 1050)

نمبر ۷: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسولُ اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: " اپنے گھروں کو قبرستان مت بناؤ (یعنی اُن میں نوافل ادا کیا کرو) اور ﴿لَاتَجْعَلُوْا قَبْرِی عِیْدًا﴾ (میری قبر کو میلہ گاہ نہ بنالینا)۔ اور (ہر جگہ سے) مجھ پر درود بھیجو کیونکہ تم جہاں کہیں بھی ہو تمہارا درود مجھ تک پہنچا دیا جاتا ہے۔" (سُنن ابی داود "کتابُ المناسک" نمبر 2042)

نمبر ۸: ((لعن رسول الله ﷺ زائرات القبور والمتخذين عليها المساجد والسراج)) (سُنن ابی داود "کتابُ الجنائز" حدیث نمبر 3236 ، ترمذی "حدیث نمبر 320)

ترجمہ: " لعنت فرمائی ہے رسولُ اللہ ﷺ نے (1) قبروں کی زیارت (کثرت سے) کرنے والی عورتوں پر اور (2) اِن پر سجدہ کرنے والی عورتوں پر اور (3) اِن پر چراغ روشن کرنے والیوں پر۔"

نمبر ۹: مشہور تابعی ابو ھیاج اسدی رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مجھ سے ارشاد فرمایا:

((ألا أبعثك على ما بعثني عليه رسول الله ﷺ أن لا تدع تمثالاً الا طمسته ولا قبرا مشرفا الا سويته)) (صحیح مُسلم "کتابُ الجنائز" حدیث نمبر 2243، ترمذی" نمبر 1049)

ترجمہ: کیا میں تمہیں اُس کام کے لئے نہ بھیجوں جس کام کے لئے مجھے خود رسولُ اللہ ﷺ نے مامور فرمایا تھا اور وہ یہ کہ تم ہر تصویر کو مٹا دو اور ہر اونچی قبر کو زمین کے برابر کر دو۔"

نمبر ۱۰: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ایک دفعہ اُم المومنین سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا اور اُم المومنین سیدہ اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا نے رسولُ اللہ ﷺ کے سامنے اِیک گرجے کا ذکر کیا جو اُنھوں نے سرزمین حبشہ میں دیکھا تھا اور اُسے "ماریہ" کہا جاتا تھا۔ اور اُنھوں نے اُس گرجے میں لگی ہوئی کچھ تصاویر کا ذکر بھی رسولُ اللہ ﷺ کے سامنے کیا تو رسول

اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "یہ لوگ ایسے تھے کہ جب اُن میں سے کوئی نیک آدمی مر جاتا تو وہ اُسکی قبر پر مسجد بنا لیتے اور پھر اُس میں اُسکی تصویریں لٹکا دیتے۔ قیامت کے دن یہ لوگ اللہ ﷻ کے نزدیک بدترین مخلوق شمار ہونگے۔"

(صحیح بخاری "کتاب الجنائز" نمبر 1341، صحیح مسلم "کتاب المساجد" نمبر ١٠

نمبر ۱۱: سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

"بے شک (قیامت کے دن) لوگوں میں سے بدترین وہ لوگ ہونگے جن پر قیامت قائم ہوگی۔ اور وہ ایسے لوگ ہونگے جو قبروں پر مسجدیں بنائیں گے۔"

(**نوٹ**: آخری جملہ مسند امام احمد، صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان میں موجود ہے)

(صحیح بخاری "کتاب الفتن" حدیث نمبر 7067، صحیح مسلم "کتاب الفتن" حدیث نمبر 7402)

(مسند امام احمد حدیث 3921، صحیح ابن خزیمہ حدیث 767، صحیح ابن حبان حدیث 6973)

فیصلہ آپکے ہاتھ! یہ جو کچھ آپ نے پڑھا ہے یہ میری باتیں نہیں اللہ کے پیارے رسول ﷺ کی آخری وصیتیں ہیں۔ انھیں بار بار پڑھیں اور خود فیصلہ کریں کہ ہم کیا کر رہے ہیں۔ ہمارے خیال میں یہ وصیتیں انسان کے ایمان کے لئے آزمائش ہیں کہ وہ عملاً آپ ﷺ کی باتوں کو اپنے خود ساختہ نظریات پر ترجیح دیتا ہے یا اسکے برعکس کرتا ہے۔ مزید وضاحت کے لئے آئمہ وسلف کی رائے بھی پیش کر دیتے ہیں:

آئمہ وسلف صالحین کی رائے

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا فتویٰ (المتوفی۔150ھ): امام محمد رحمہ اللہ شاگرد امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((ولا نرى ان يزاد على ما خرج منه و نكره ان يجصص او يطين او يجعل عنده مسجدا او يكتب عليه و يكره الاجر ان يبنى به او يدخل القبر ولا نرى برش الماء عليه بأساً وهو قولُ أبي حَنيفة رحمة الله عليه)) (کتاب الآثار، باب تسنیم القبور وتجصیصھا، صفحہ:126)

ترجمہ: ''اور نہیں دیکھتے ہم یہ کہ زیادہ کیا جائے اس چیز پر جو کہ اس سے نکلے۔ یعنی جو مٹی قبر سے نکلی اس کے سوا اور مٹی اس میں نہ ڈالی جائے۔ اور مکروہ رکھتے ہیں ہم یہ کہ گچ (چونے سے پکا کرنا) کی جائے یا مٹی سے لیپی جائے یا اس کے پاس مسجد بنائی جائے یا نشان بنایا جائے یا اس پر لکھا جائے اور مکروہ ہے پکی اینٹ کہ اس سے قبر بنائی جائے یا قبر میں داخل کی جائے اور ہمارے نزدیک قبر پر پانی چھڑکنے میں کچھ گناہ نہیں اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا یہی قول ہے۔''

علامہ محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ کا فتویٰ (المتوفی۔1270ھ):

''اِس بات پر اجماعِ اُمت ہے کہ سب سے بڑا حرام اور شرک کے اسباب کی چیزوں میں سے مزاروں کے پاس نماز پڑھنا، اور اُن پر مسجدیں یا عمارتیں بنانا ہے۔۔۔۔۔۔۔ یہ ''مسجد ضرار'' (جسے گرانے کا حکم خود اللہ ﷻ نے دیا تھا) سے بھی زیادہ نقصان دہ ہیں۔ اِس لئے کہ اِن کی بنیادیں رسولُ اللہ ﷺ کی مخالفت پر رکھی گئی ہیں۔ اور قبروں پر ہر قندیل اور ہر چراغ بجھا دینا بھی واجب ہے اور کوئی جواز موجود نہیں ہے اِنکے وقف کرنے اور نذر ماننے کا۔''

(روح المعانی'' حوالہ:15 / 238 ، مکتبہ امدادیہ، ملتان)

پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ کا فتویٰ (المتوفی۔561 ھ)

((و یرفع القبر من الارض قدر شبر و یرش علیه الماء و یوضع علیه الحصا و ان طین جاز وان جصص کره))(غنیۃ الطالبین، صفحہ 640)

ترجمہ: ''قبر زمین سے ایک بالشت بلند کی جائے، اور اس پر پانی چھڑکا جائے اور اس پر سنگریزہ رکھ دیں اور اگر لیپ کر دیں تو جائز ہے مگر گچ (چونے سے پکا کرنا) سے بنانا مکروہ ہے۔''

نوٹ: ۔سلف کے نزدیک مکروہ سے مراد مکروہ تحریمی ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ کا فتویٰ (المتوفیٰ۔1176ھ)

"حجۃ اللہ البالغہ" میں رقم طراز ہیں کہ:((جولوگ حاجتیں طلب کرنے کے لیے اجمیر یا سالار مسعود کی قبر پر یا ایسے ہی دوسرے مقامات پر جاتے ہیں وہ اتنا بڑا گناہ کرتے ہیں کہ قتل اور بدکاری کا گناہ اس سے کم تر ہے۔ آخر اس میں اور خود ساختہ معبودوں کی پرستش میں کیا فرق ہے؟ جولوگ لات اور عزیٰ سے حاجتیں طلب کرتے تھے اُن لوگوں کا فعل ان لوگوں کے فعل سے آخر کس طرح مختلف تھا؟ ہاں یہ ضرور ہے کہ ہم اُن کے برعکس اِن لوگوں کو صاف الفاظ میں کافر کہنے سے احتراز کرتے ہیں))۔

(حجۃ اللہ البالغہ: حصہ اول، ص51، مترجم، مطبوعہ الفیصل ناشران، اگست، 2006)

تمام سلف صالحین کی رائے رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق ہے

سلف صالحین کی رائے کے حوالے سے چند عبارات پیش کر دی گئی ہیں یہی موقف باقی آئمہ وسلف صالحین کا ہے۔حوالے کے طور پر چند بزرگان دین کے نام اور وہ تصانیف جن میں ان کی رائے موجود ہے اختصار کی خاطر پیش کی جاتی ہیں موقعہ ملے تو ضرور مطالعہ کریں:

علامہ مرغینانی رحمہ اللہ، صاحب ہدایہ۔ ہدایہ مع فتح القدیر 100/2، علامہ قاضی خان رحمہ اللہ۔ فتاویٰ قاضی خان رحمہ اللہ، فتاویٰ عالمگیری: 166/1؛ علامہ علاؤ الدین الحصکفی رحمۃ اللہ۔ الرد المختار: 125/1، علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ۔ الرد المختار: 601/1، علامہ عینی حنفی، رمز الحقائق: 67/1، علامہ طحطاوی حنفی رحمۃ اللہ، طحطاوی علی مراقی الفلاح: 335، قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ۔ مالا بدمنہ: 67 وملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ: 414/1، علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ۔ کتاب الزواجر فی اقتراب الکبائر: 163 وعلامہ عبدالوہاب الشعرانی، کشف الغمۃ: 149/1، امام حسن بصری رحمۃ اللہ، موسوعۃ فقہ الحسن البصری: 773/2 وامام مالک رحمہ اللہ۔ المدونۃ الکبریٰ: 170/1، امام جعفر صادق رحمۃ اللہ۔ تہذیب الاحکام: 461/1 وغیرہ۔

ممانعت کس نے کی؟ محترم بھائیو! قبروں کو پکا کرنے، ان پر عمارت تعمیر کرنے انھیں ایک بالشت سے اونچا کرنے، ان پر بیٹھنے، ان پر اکٹھ کرنے، ان پر چراغ جلانے، انھیں سجدہ گاہ بنانے، ان کے قریب مساجد تعمیر کرنے کی ممانعت کس نے کی ہے؟ ہمارے پیارے رسول ﷺ نے۔ کیوں کی ہے؟ اس لیے کہ سابقہ اُمتوں نے انبیاء کرام اور صالحین کی قبروں پر مجاوری کی، ان کو عبادت گاہ بنایا اور ان سے حاجتیں طلب کیں اور شرک کا ارتکاب کیا تو کیا ہم آقا ﷺ کی بات تسلیم نہ کریں؟۔ رسولُ اللہ ﷺ کے واضح احکامات سے آگے بڑھ کر ہمیں بزرگانِ دین کی رائے بھی لکھنی پڑی تاکہ شاید ہمارے بھائی اس خطرہ سے بچ جائیں۔ محترم بھائیو! کیا رسولُ اللہ ﷺ کے واضح احکامات کو ترک کر کے وہم کی پیروی کی جائے؟

اب ہم اُن باتوں کا جائزہ لیتے ہیں جن کے ذریعے شیطان نے رخنہ اندازی کی اور لوگوں کو دھوکہ دیا۔

آنحضور ﷺ کے حکموں کی غلط تاویلیں

اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول ﷺ نے اپنے امتیوں کو شرک سے بچانے کے حوالے سے کوئی کسر تو نہ چھوڑی تھی اس کے باوجود شیطان نے دھوکہ دیا۔ شرک کے سنگین خطرہ کے پیش نظر ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اگر کوئی گنجائش نکلتی بھی تو محتاط رویہ اپنایا جاتا لیکن حالات اسکے برعکس ہیں۔ وہ تمام کام جن کے کرنے سے سختی سے روکا گیا وہی سارے کام آج ہو رہے ہیں۔ مزارات پر مردوں اور عورتوں کا اختلاط، قبروں سے حاجت روائی، مشکل کشائی، ڈھول ڈھمکے جیسے کام عروج پر ہیں اور وہ شدید خطرات جن کی بابت آپ ﷺ کو اپنی اُمت کے بارے خدشہ تھا آج اُمت مسلمہ اُنھیں کاموں میں ملوث ہے۔ بہر کیف آپ ﷺ کے حکموں کی کس طرح غلط تاویلیں ہوئی ہیں، چند ایک کی حقیقت ملاحظہ کریں۔

رسول اللہ ﷺ کا قبروں کو پست کرنے کا حکم: حضور اقدس ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ "ہر تصویر کو مٹا دیں اور ہر اونچی قبر کو زمین کے برابر کر دیں" پھر یہی کام حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے انتقال کے بعد کروایا جس کے متعلق آپ صحیح مسلم کے حوالے سے حدیث پڑھ آئے ہیں۔اس کی تاویل یہ کی گئی ہے کہ یہ حکم کفار کی قبروں کے لیے تھا نہ کہ ایمان والوں کی قبروں کے لیے۔

محترم بھائیو! جیسا کہ آپ دیکھ چکے ہیں کہ تمام آئمہ ومحدثین کے نزدیک قبر کو ایک بالشت سے اونچا کرنا جائز نہیں۔آپ ﷺ نے یہ حکم اس لیے صادر فرمایا تاکہ لوگ سابقہ اُمتوں کی پیروی کرتے ہوئے ان کی پوجا شروع نہ کر دیں۔اس ضمن میں زیادہ خطرہ تو مسلمانوں کی قبروں سے ہی تھا۔کون مسلمان ہے جو کفار کی قبروں سے فریاد رسی کرتا ہو۔پھر احادیث میں اس کی تخصیص موجود نہیں۔آپ ﷺ کا یہ حکم سب کے لیے یکساں ہے۔جب آپ ﷺ اپنے بارے میں اللہ تعالیٰ سے التجا کر رہے ہیں کہ "اے اللہ تعالیٰ میری قبر کو بت بننے سے بچائیو! بہر کیف اس ضمن میں سند کے طور پر ایک حدیث پیش کر دیتے ہیں تاکہ ابلیس کا رستہ ہمیشہ کے لیے بند ہو جائے۔

((عن ثمامة بن شفي حدثه' قال كنا مع فضالة بن عبيد بارض الروم برودس فتوفي صاحب لنا فامر فضالة رضي الله عنه بقبره فسدي ثم قال سمعت رسول الله صلى الله عنه وسلم يامر بتسويتها))

ترجمہ: "مشہور تابعی ثمامہ بن شفی رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ ہم سیدنا فُضالہ بن عبید ﷺ کے ہمراہ روم کے شہر "روڈس" میں قیام پذیر تھے۔اسی دوران ہمارا ایک ساتھی وفات پا گیا تو سیدنا فُضالہ بن عبید ﷺ کے حُکم سے اُس کی قبر کو زمین کے برابر بنایا گیا۔سیدنا فُضالہ بن عبید ﷺ نے فرمایا کہ میں نے خود رسولُ اللہ ﷺ سے سُنا ہے کہ آپ ﷺ قبروں کو زمین کے برابر بنانے کا حُکم دیا کرتے تھے۔"

(صحیح مُسلم "کتاب الجنائز" حدیث نمبر 2242 ، سُنن ابی داود 3219)

رسول اللہ ﷺ کا قبر کو پکا کرنے سے منع کرنا:

اس حکم کی تاویل یہ کی گئی ہے کہ قبر کو اندر سے پکا کرنا منع ہے نہ کہ باہر سے۔ حالانکہ قبر کو پکا کرنے کی ممانعت اس لیے تھی کہ پختہ عمارات کے رُعب اور شان وعظمت کی وجہ سے لوگ ان کی پرستش نہ شروع کردیں۔ ایک دفعہ پھر سے آئمہ دین کی تعلیمات کا مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ یہ کس حد تک درست ہے۔ تمام آئمہ وسلف صالحین کے نزدیک قبر کو گارے سے لیپ کرنا اور اس پر پانی چھڑکنا جائز ہے اس سے زیادہ نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ قبروں کی زیارت کرو یہ آخرت کی یاد دلاتی ہیں تو آخرت کی یاد تو کچی قبروں سے ہوتی ہے نہ کہ مزین وآراستہ مزارات سے۔

حضور اقدس ﷺ کا قبر پر عمارت بنانے سے منع فرمانا:

آپ ﷺ کے اس حکم کی تاویل یوں کی گئی ہے کہ عین قبر کے اوپر عمارت بنانے کی مخالفت ہے قبر کے اردگرد دیواریں بنا کر گنبد وغیرہ بنانا جائز ہے۔ **محترم بھائیو!** صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا سلف صالحین میں سے کسی نے بھی یہ تاویل نہیں کی۔ حوالے کے طور پر امام شافعی رحمہ اللہ کی رائے ملاحظہ فرمائیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ (المتوفی 204ھ) فرماتے ہیں:

((ولم ارقبور المهاجرين والانصار مجصصة (قال الراوی) عن طاوس ان رسول الله ﷺ نهى ان تبنى القبور او تجصص......و قد رايت من الولاة من يهدم بمكة ما يبنى فيها فلم ارالفقهاء يعيبون ذالك))

(کتاب الام: 277/1 باب ما یکون بعد الدفن)

ترجمہ: ''میں نے مہاجرین اور انصار صحابہ رضی اللہ عنھم کی قبروں کو پختہ تعمیر شدہ نہیں دیکھا، طاؤس نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبروں پر عمارت کی تعمیر یا پختہ کرنے سے منع کیا ہے اور میں نے ان حکمرانوں کو دیکھا ہے جو مکہ میں قبروں پر عمارت کو گراتے

تھے اور میں نے اس کام پر فقہاء کو عیب لگاتے نہیں دیکھا۔"

قبروں کو مساجد بنانے کی ممانعت: قبروں کو عبادت گاہ بنانے اور اِن کے قریب مساجد بنانے کا جواز اصحابِ کہف کے واقعے کے حوالے سے درج ذیل آیت سے لیا گیا:

ترجمہ: ''جن لوگوں نے اِن کے بارے غلبہ پایا وہ کہنے لگے ہم تو اِن کے آس پاس مسجد بنائیں گے''۔(سورہ کہف۔آیت:21)

چند ضروری باتیں

(1) رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، تبع تابعین سلف صالحین اور آئمہ دین میں سے کسی نے بھی اس آیت سے قبروں کے قریب مساجد بنانے کا جواز نہیں پکڑا۔

(2) یہ اُس دور کے چند طاقتور لوگوں کی ذاتی رائے تھی جو قرآن مجید میں بیان کی گئی نہ کہ اللہ اور رسول اللہ ﷺ کا حکم۔

(3) جس طرح سجدہ تعظیمی سابقہ اُمتوں میں جائز تھا (دیکھیے سورہ یوسف) ہوسکتا ہے اُس دور میں یہ بات جائز ہو بعد ازاں شرک کی وجہ سے شریعتِ محمد ﷺ میں اِسے ممنوع قرار دے دیا گیا ہے۔

(4) صالحین کے قبروں کو عبادت گاہ یا مسجد بنانے سے آنحضور ﷺ نے بڑی سختی سے منع فرمایا:

﴿لعنت الله علی الیهود والنصاریٰ اتخذو قبور انبیا ئهم مساجدا﴾

ترجمہ: (اللہ ﷻ کی لعنت ہو یہودیوں اور نصرانیوں (عیسائیوں) پر کہ اُنھوں نے اپنے انبیاء علیهم السلام کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا تھا)۔

(صحیح بخاری ''کتاب الجنائز'' حدیث نمبر 1390، صحیح مسلم ''کتاب المساجد'' حدیث نمبر 1183)

قبروں پر خیمے لگانا: اِس کا جواز ایک روایت جس کے مطابق ''حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے بیٹے جن کا نام حسن رحمہ اللہ تھا جب ان کی اہلیہ کی وفات ہوئی تو وہ ایک سال تک قبر پر بیٹھی رہیں۔'' یہ حدیث آدھی بیان کی جاتی ہے ذرا پوری حدیث ملاحظہ فرمائیں:

> ''جب حسن بن حسن بن علی رحمہ اللہ فوت ہوئے تو ان کی اہلیہ نے سال بھر کے لیے ان کی قبر پر خیمہ لگا لیا، پھر انھوں نے اُٹھا لیا تو انھوں نے کسی پکارنے والے کو سُنا (جس نے کہا) کیا انہوں نے اپنی گم شدہ چیز کو پالیا؟ دوسرے نے جواب دیا نہیں بلکہ مایوس ہو کر واپس ہو گئے۔''

(صحیح بُخاری ''کتاب الجنائز'' باب نمبر 61 : ما یکرہ من اتخاذ المساجد علی القبور)

وضاحت: اسے امام بخاری رحمہ اللہ اس دلیل پر لے کر آئے ہیں کہ: قبروں پر مساجد بنانے کی ممانعت ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وغیرہ نے اس کام پر طنز کیا کہ ایسا کرنے سے کیا اُنھوں نے اپنے خاوند کو حاصل کر لیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ ان کی اہلیہ کا اپنا فعل تھا جو آپ ﷺ کے واضح حکموں کے خلاف دلیل نہیں بن سکتا۔ بالکل اسی طرح جیسے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے التحیات میں السلام علی النبی پڑھنا شروع کر دیا۔ وہ تو پھر بھی جید صحابی تھے جبکہ یہاں معاملہ مختلف ہے۔ پھر دوسرے لوگوں نے اس کام پر طنز بھی کر دیا۔

محترم بھائیو! جن جن چیزوں سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے وہ چیزیں تاویلوں سے جائز کر لی گئی ہیں۔ بخاری مسلم کی واضح احادیث کے مطابق جن جن کاموں سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ان کاموں کو کرنے کے حوالے سے دوسری کتابوں میں بہت ساری ضعیف روایات موجود ہیں جن کی تفصیل میں جانے سے یہ مضمون بہت طویل ہو جائے گا۔ بس اصول یاد رکھیں کہ بخاری و مسلم اور دیگر صحاح ستہ کی صحیح روایات کے خلاف کوئی بھی حدیث ملتی ہے تو وہ قابل عمل نہ ہو گی کیونکہ اس خطرہ کی پیشگی خبر خود رسول اللہ ﷺ دے چکے ہیں۔ آپ خود ہی فیصلہ کریں کہ ایسی احادیث جو

محدثین کے نزدیک ہر لحاظ سے صحیح ہوں ان میں آپ ﷺ کسی کام کے کرنے پر لعنت بھیج کر منع فرمائیں اور وہی کام کچھ اور احادیث جن کی سند درست نہ ہو آپ ﷺ اُسی کام کے کرنے کا حکم دیں تو اس کا مطلب کیا ہوگا؟

شعائر اللہ کی تعظیم: یہ بات بھی بیان کی جاتی ہے کہ اولیاء اللہ کے مزارات شعائر اللہ ہیں اس لیے ان کی تعظیم صرف وہی کرے گا جس کے دل میں خوف خدا ہوگا۔

محترم بھائیو! جن چیزوں کے شعائر اللہ ہونے کے حوالے سے قرآن وسنت میں سند نازل ہوئی وہ یقیناً شعائر اللہ ہیں جن کا ادب واحترام لازم ہے۔ باقی کون سی چیز شعائر اللہ ہے کون سی نہیں اس کا علم اللہ ﷻ کے پاس ہے۔ ہاں عمومی طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ جو بھی اللہ ﷻ کے برگزیدہ بندے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت محترم ہیں۔ باقی رہی بات ادب واحترام کی تو مزارات کے حوالے سے یہ جو بھی چیزیں بیان ہوئی ہیں یہ رسول اللہ ﷺ کا موقف ہے نہ کہ ہمارا۔ باقی اولیاء اللہ کی قبور پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور ملائکہ کا نزول بھی ہوتا ہوگا لیکن ہمیں جن چیزوں سے اللہ ﷻ کے پیارے حبیب ﷺ نے روک دیا ہے ان چیزوں پر عمل پیرا ہونے سے گھاٹے کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

باقی مزارات کے لیے گنبد خضریٰ کو دلیل بنانا

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: "اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر پہ لوگ سجدے شروع کر دیں گے تو آپ ﷺ کی قبر مبارک کو (زائرین کی زیارت کیلئے) کھلا چھوڑ دیا جاتا۔ مگر آپ ﷺ کو یہی خوف تھا جس کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ اس عمل سے بچنے کی تلقین کر رہے تھے۔"

(صحیح بخاری "کتاب الجنائز" حدیث نمبر 1390، صحیح مسلم "کتاب المساجد" حدیث نمبر 1183)

محترم بھائیو! اگر آپ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے الفاظ پر غور فرمائیں تو بات بالکل عیاں ہو جائے گی کہ آقا ﷺ جو خطرہ محسوس کرتے تھے جس کی بنا پر آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی کہ ﴿اے اللہ میری قبر کو بت بننے سے بچائیو﴾۔ اُسی خطرہ کے پیش نظر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو باہر کھلی جگہ پر دفن نہ کیا بلکہ حجرہ کے اندر دفن کیا۔ گنبد خضریٰ کو دلیل بنا کر آپ ﷺ کی درجنوں صحیح احادیث سے پہلو تہی کی جاتی ہے اور بعض لوگ جہالت کی بنا پر مذاق اُڑاتے ہیں۔ حالانکہ حقیقتِ حال یہ ہے کہ گنبد بنانے کی ٹیکنالوجی قبل از مسیح علیہ السلام ہونے کے باوجود پہلے 650 سال تک کے مسلمانوں نے رسولُ اللہ ﷺ کی قبر مبارک پر گنبد بنانے سے متعلق نہیں سوچا کیونکہ اُنھیں رسولُ اللہ ﷺ کی درجنوں صحیح احادیث نے روک رکھا تھا۔ گنبد خضریٰ کی تاریخ کے متعلق مشہور مورخ علامہ نور الدین علی بن احمد سمھودی رحمہ اللہ (المتوفی۔911ھ) یوں لکھتے ہیں:

> "678ھ میں (یعنی رسولُ اللہ ﷺ کی وفات مبارک کے 667 سال بعد) بادشاہِ مصر منصور بن قلاوون صالحی نے کمال احمد بن برہان کے مشورے سے لکڑی کا گنبد بنوایا اور اُسے حجرۂ عائشہ رضی اللہ عنہا کی چھت پر لگا دیا اور اُس کا نام "قبہ رزاق" پڑ گیا۔" ("وفاء الوفا" جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 435)

محترم دوستو! اس کام کو دلیل بنا کر جو آپ ﷺ کی وفات مبارک کے قریباً سات سو سال بعد ہوا آقا ﷺ کے سخت ترین احکامات کو پسِ پشت ڈالنے سے ہمیں تو بہت ڈر لگتا ہے۔ آپ ﷺ کی قبر انور ہمیں دل و جان سے زیادہ عزیز ہے اور اللہ کی رحمتوں کا مرکز ہے اور ہمارے لیے باعث برکت ہے۔ مزارات پر عمارات تعمیر کرنا آپ ﷺ نے حکماً منع فرمایا ہے اسلئے آپ ﷺ کے سخت ترین حکموں کی مخالفت کیسے کی جائے۔ آپ ﷺ کی دُعا کے مطابق اللہ نے آپ کی قبر انور کو شرکیہ افعال سے محفوظ فرمایا ہے۔

نجات اسی میں ہے کہ ہم اپنی مرضی کرنے کی بجائے اللہ عزوجل کے رسول ﷺ کی

مانیں۔ایمان بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ و رسول ﷺ کے سامنے اپنی خواہش نفس کو قربان کر دیا جائے۔اللہ تعالیٰ آگاہی ہونے پر ہمیں اپنی اور اپنے حبیب ﷺ کی بات تسلیم کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

مسلمانوں کی موجودہ حالت

اس وقت ہمارے کلمہ گو بھائیوں کی صورت حال یہ ہے کہ:

مصائب اور نقصانات کو اصحاب قبور کی ناراضی پر مامور کیا جاتا ہے۔بہت سے لوگ ان کو سمیع و بصیر خیال کرتے ہیں ،خطرات اور مصائب کے وقت ان کو پکارتے ہیں۔ان کی خدمت میں مختلف اغراض و مقاصد کے لیے درخواستیں پیش کرتے ہیں یہاں تک کہ بعض مزارات پر سائلین کی درخواستوں کو پیش کرنے کا باضابطہ اہتمام ہے۔کیا یہ وہی کام نہیں جن میں شیطان نے سابقہ امتوں کو ملوث کیا تھا،جسکی وجہ سے آپ ﷺ نے آغاز اسلام میں صحابہ کرام کو قبروں پر جانے سے منع فرمایا تھا؟

نوٹ: اس باب سے اگر کسی کی دل آزاری ہوئی ہوتو ہم معذرت خواہ ہیں۔ہمارا مقصد صرف اور صرف یہی ہے کہ اللہ و رسول ﷺ کی پسند اور ناپسند کو لوگوں کے لئے واضح کر دیا جائے تا کہ جو سلیم الفطرت (خدا اور رسول کے احکامات کے سامنے سر تسلیم خم کرنے والے) لوگ ہیں انکے لئے رہنمائی کا سبب بن جائے۔ایمان والے تو وہی ہیں جو اللہ اور اسکے پیارے رسول ﷺ کی باتوں کو فوراً قبول کر لیتے ہیں اپنی خواہش ،گروہ یا اکابرین کو اللہ اور رسول ﷺ پر ترجیح نہیں دیتے۔

باب ۱۰

شرک فی الحقوق: ﴿برزخی حیات﴾

قرآن وسنت کی تعلیمات سے آگاہی سے آپ پر یہ بات واضح ہو چکی ہوگی کہ مصائب وآلام کے حل کے لئے اللہ کے سوا زندہ یا فوت شدہ کو پکارنا **شرک** ہے کیونکہ پکارنا عبادت میں داخل ہے۔ فوت شدہ لوگوں کو پکارنے کی بنیادی وجہ ان لوگوں کو دنیا کی طرح زندہ خیال کرنا ہے۔ اسلئے یہ ضروری ہے کہ قرآن وسنت کی رو سے قبروں میں زندگی کے متعلق آگاہی حاصل کی جائے۔

شہداء کی برزخی حیات

سورہ آل عمران کی آیت۔7 کے زیر تحت اس حقیقت سے آگاہ کیا گیا ہے کہ عالم برزخ کا تعلق متشابہات سے ہے جس کا ادراک عالم برزخ میں جا کر ہی ہوگا اس بات کو خود پروردگار نے (وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ) "اور تم اس کا شعور نہیں رکھتے" ارشاد فرما کر واضح کر دیا ہے کہ یہ معاملات متشابہات میں سے ہیں۔ بہر کیف جہاں تک قرآن وسنت میں اس کی وضاحت موجود ہے وہاں تک ہم تسلیم کرتے ہیں لیکن اس کی گہرائی میں جانے سے اجتناب کرتے ہیں۔ اللہ ﷻ نے شہداء کی زندگی کے بارے میں ارشاد فرمایا:

◆ ﴿وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۝﴾

(البقرہ آیت-154)

ترجمہ: "اور اللہ ﷻ کی راہ کے شہیدوں کو مردہ مت کہو وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں اس کا شعور نہیں۔"

اسی طرح ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

◆ ﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴾

(آل عمران:169)

ترجمہ: ''جو لوگ اللہ ﷻ کی راہ میں شہید کیے گئے ہیں اُن کو ہرگز مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس رزق دیے جاتے ہیں''

شہداء کی زندگی کو سمجھنے کے لیے درج ذیل احادیث پر غور کریں:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کا مطلب دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

(i) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿جب غزوہ احد میں تمہارے بھائی شہید کر دیئے گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روحیں سبز پرندوں کے پیٹ میں داخل کر دیں، وہ جنت کی نہروں میں آتے ہیں، جنت کے میوے کھاتے ہیں اور عرش کے سائے میں معلق سونے کی قندیلوں میں بسیرا کرتے ہیں۔ چنانچہ جب وہ بہترین کھانا پینا اور آرام گاہ پاتے ہیں تو وہ کہتے ہیں ہمارے متعلق ہمارے بھائیوں کو کون بتائے کہ ہم جنت میں زندہ ہیں۔ تاکہ وہ بھی جنت کی رغبت رکھیں اور لڑائی کے وقت سستی نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں تمہاری بات اُن تک پہنچاؤں گا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت (آل عمران:169) نازل فرمائی﴾

(ابوداؤد کتاب الجہاد، حدیث نمبر 2520، مسند احمد، 266/1، نمبر 2388)

(ii) ''اِن (شہداء) کی روحیں سبز پرندوں کے قالب میں ہیں۔ عرش کی قندیلیں اُن کے لیے ہیں۔ ساری جنت میں جہاں کہیں چاہیں چریں چگیں اور قندیلوں میں آ کر بسیرا کریں۔ اِن کی طرف اُن کے رب نے ایک مرتبہ نظر کی اور دریافت فرمایا

کچھ چاہتے ہو؟ عرض کرنے لگے اے اللہ تعالیٰ اور کیا مانگیں ساری جنت میں سے جہاں کہیں سے چاہیں کھائیں پئیں اختیار ہے پھر کیا طلب کریں..الخ“)

(صحیح مُسلم ”کتابُ الامارۃ“ نمبر 1887)

اللہ ﷻ کے فضل و کرم سے یہ بات تو بالکل واضح ہوگئی کہ شہداء اللہ ﷻ کے پاس جنت میں برزخی زندگی کے ساتھ زندہ ہیں۔

شہداء وانبیاء کرام کے اجسام کا سلامت ہونا

اِس ضمن میں چند احادیث کا مفہوم ملاحظہ کریں:

(1) سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے والد محترم غزوہ احد میں شہید ہوئے تو دو آدمیوں کو ایک ہی قبر میں دفن کر دیا گیا۔سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے والدِ محترم کے دفن کیے جانے کے چھ ماہ بعد قبر کھودی تو آپ کے والد محترم کا جسم بالکل سلامت تھا جیسے دفنایا گیا تھا بالکل اُسی طرح تھا۔“

(صحیح بُخاری ”کتابُ الجنائز“ حدیث نمبر 1351)

(2) ”اُموی خلیفہ ولید بن عبدالملک نے آپ ﷺ کی وفات مبارک کے 76 سال بعد مسجد نبوی کی توسیع کا ارادہ کیا۔دوران توسیع حجرہ مبارک کی دیوار گر گئی اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا پاؤں (مبارک) بالکل صحیح حالت میں ظاہر ہوا جبکہ آپ رضی اللہ عنہ کی وفات کو 63 سال گزر چکے تھے۔“ (صحیح بُخاری ”کتابُ الجنائز“ حدیث نمبر 1390)

شہداء کو برزخی حیات میں جو خصوصی مقام حاصل ہوا وہ اپنی جان اللہ ﷻ کے لیے پیش کرنے کی وجہ سے ہوا۔انبیائے کرام کے شب و روز بھی یقیناً اللہ ﷻ کے لیے صرف ہوتے ہیں۔انبیائے کرام کی برزخی زندگی اعلیٰ وارفع ہونے کے حوالے سے چند دلائل ملاحظہ کریں:

(i) سیدنا اوس بن اوس ﷛ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اِرشاد فرمایا: ﴿ **ان الله حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء** ﴾ (اللہ ﷻ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام کے جسموں کو کھائے یا بوسیدہ کرے)۔

(سُنن ابی داود "کتاب الصلوۃ" حدیث نمبر 1047، سُنن نسائی 1374 ، سُنن ابن ماجہ 1636)

(ii) **سیدنا انس بن مالک ﷛ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اِرشاد فرمایا: میں** نے سفر معراج کے دوران حضرت موسیٰ ؑ کو دیکھا ﴿ **ھو قائم یصلی فی قبرہ** ﴾ (وہ قیام کی حالت میں اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔)

(صحیح مُسلم "کتاب الفضائل" حدیث نمبر 6157، سُنن نسائی "کتاب قیام الیل" حدیث نمبر 1631)

یہ متشابہ کیفیت کا بیان ہے جو معجزانہ طور پر آنحضور ﷺ کو دکھائی گئی، جہاں تک بات آئی ہے وہیں تک محدود رہتے ہیں اِس نماز کی کیفیت کی گہرائی میں نہیں جاتے کہ عالم برزخ متشابہات میں داخل ہے۔

(iii) سیدنا انس بن مالک ﷛ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اِرشاد فرمایا: ﴿ **الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون** ﴾ (انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں (برزخی حیات کے ساتھ) زندہ ہیں نماز بھی پڑھتے ہیں۔)

(مسند ابی یعلیٰ حدیث نمبر 3331 ، السلسلہ احادیث الصحیحہ للبانی نمبر 621)

مفتی اعظم سعودی عرب الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ کا فتویٰ

اس میں شک نہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی قبر میں برزخی حیات کے ساتھ زندہ ہیں جو شہداء کی زندگی سے زیادہ کامل ہے لیکن وہ ایسی زندگی نہیں جیسی موت سے قبل تھی اور نہ قیامت کے دن کی زندگی ہے بلکہ قبر کی زندگی ایسی ہے جس کی حقیقت و کیفیت اللہ ﷻ کے سوا کوئی نہیں جانتا....... آپ ﷺ کی وفات کے دلائل قرآن وسنت میں معروف ہیں اور اہلِ علم کے نزدیک یہ ایک متفق علیہ مسئلہ ہے لیکن یہ موت آپ ﷺ کی حیات برزخی کے لیے مانع نہیں جیسے شہداء کی موت اُن کی حیات برزخی

کے لیے مانع نہیں۔ (حج، عمرہ اور زیارت: عبداللہ بن باز رحمہ اللہ)

معلوم ہوا کہ انبیاء و شہداء کی ارواح رب کی جنتوں میں ہیں اللہ عزوجل اُنکے اجسام قبر میں سلامت رکھتا ہے اور اُنھیں برزخی حیات بھی حاصل ہے مگر اس حیات کو دنیاوی زندگی پہ ہرگز قیاس نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ متشابہات میں سے ہے۔ اَب اگلا سوال یہ ہے کہ فوت شدہ لوگ ہماری بات سنتے ہیں کہ نہیں؟ اِس حوالے سے دونوں قسم یعنی سننے اور نہ سننے کے چند دلائل ملاحظہ کریں۔

نہ سننے پر دلائل

(1) ﴿وَ یَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَ شُرَكَآؤُكُمْ فَزَیَّلْنَا بَیْنَهُمْ وَ قَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِیَّانَا تَعْبُدُوْنَ ○ فَكَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا بَیْنَنَا وَ بَیْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِیْنَ ○﴾ (سورۃ یونس: آیت 28-29)

ترجمہ: ''اور جس دن ہم ان سب کو جمع کرینگے، پھر مشرکوں سے کہیں گے کہ تم اور تمھارے شریک اپنی اپنی جگہ ٹھہرے رہو تو ہم ان میں جدائی ڈال دینگے اور ان کے شریک (ان سے) کہیں گے کہ تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔ پس آج تمھارے اور ہمارے درمیان اللہ کافی گواہ ہے۔ کہ ہم تمہاری عبادت سے بالکل بے خبر تھے''۔

(2) ﴿وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَهٗۤ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ○ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّ كَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِیْنَ ○﴾ (الاحقاف: آیت 5-6)

ترجمہ: ''اور اُس شخص سے زیادہ گمراہ کون ہے جو اللہ عزوجل کو چھوڑ کر دوسروں کو پکارے، جو قیامت تک اُسے جواب نہیں دے سکتے اور وہ ان کی پکار سے بے خبر ہیں۔ اور جب لوگوں کو جمع کیا جائے گا تو یہ اپنے (پجاریوں) کے دشمن بن جائیں گے اور ان کی عبادت کا (صاف) انکار کر جائیں گے''۔

(3) ﴿وَ مَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَ لَا الْاَمْوَاتُ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ وَ مَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ○﴾ (فاطر، آیت:22)

ترجمہ: ''اور زندے اور مردے برابر نہیں ہو سکتے، بے شک اللہ ﷻ جسے چاہے سنا دے اور آپ (ﷺ) نہیں سنا سکتے (ان کو) جو قبروں میں ہیں۔''

بروز قیامت جب خالقِ کائنات حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھیں گے کیا تم نے کہا تھا کہ لوگ مجھے چھوڑ کر تجھے معبود بنالیں اِس پر وہ فرمائیں گے:

(4) ﴿وَ كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ وَ اَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ﴾ (مائدہ، آیت:117)

ترجمہ: ''میں اِن پر گواہ رہا جب تک اِن میں موجود رہا پھر جب تو نے مجھے اُٹھالیا تو تُو ہی اُن پر مطلع رہا اور تو ہر چیز کی پوری خبر رکھنے والا ہے''۔

(5) میدان محشر میں نبی ﷺ کی طرف آپ کے کچھ امتی آنے لگیں گے تو فرشتے ان کو پکڑ کر دوسری طرف لے جائیں گے، آپ ﷺ فرمائیں گے ان کو آنے دو یہ تو میرے امتی ہیں، فرشتے آپ کو بتلائیں گے، ﴿**انك لا تدری ما احدثوا بعدك**﴾ (اے محمد ﷺ) ''آپ ﷺ نہیں جانتے کہ آپ ﷺ کے بعد انہوں نے دین میں کیا کیا بدعتیں ایجاد کیں'' جب آپ ﷺ یہ سنیں گے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں بھی اس وقت یہی کہوں گا جو العبد الصالح (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کہیں گے :-------﴿وَ كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ . ''میں اِن پر گواہ رہا جب تک اِن میں موجود رہا پھر جب تو نے مجھے اُٹھالیا تو تُو ہی اُن پر مطلع رہا اور تو ہر چیز کی پوری خبر رکھنے والا ہے''﴾

(صحیح بخاری ''کتاب التفسیر'' حدیث نمبر 4625، صحیح مسلم ''کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا'' حدیث نمبر 7201)

(6) اصحاب کہف قریبا 300 سال سوئے رہے ان کا رب ان کی کروٹیں بدلتا رہا لیکن جب اُنھیں اُٹھایا گیا تو کہنے لگے ہم نہیں ٹھہرے یہاں ﴿یوما او بعض یوم﴾ ''ایک دن یا دن کا کچھ حصہ'' (الکھف۔آیت:19)۔حالانکہ روح تو زندہ تھی۔

(7) حضرت عزیر علیہ السلام کو جب سو سال کے بعد اُٹھایا گیا تو پروردگار نے سوال کیا کتنی دیر ٹھہرے رہے تو انھوں نے جواب دیا ﴿یوما او بعض یوم﴾ ''دن یا دن کا کچھ حصہ'' (دیکھیے البقرہ۔آیت:259)۔

نوٹ: بعض لوگوں نے عقل کی بنیاد پر اس آیت کریمہ کی غلط تاویلات کی ہیں جو کہ بالکل بے بنیاد بلکہ قرآن میں تحریف کے مترادف ہیں۔

(8) سورہ سبا۔آیت:14 کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی روح قبض کی اور دیمک کے کیڑے کو اِس بات کی خبر کر دی لیکن جنات کو نہ کی۔جب دیمک نے عصا چاٹ لیا اور وہ کھوکھلا ہو کر گر پڑا تو سلیمان علیہ السلام بھی زمین پر گر پڑے اِس پر اللہ تعالیٰ نے جنات کے غیب جاننے کے متعلق فرمایا: ﴿اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ﴾ ''کہ اگر جنات علم غیب جانتے ہوتے تو اِس ذلت کے عذاب (تعمیر) میں مبتلا نہ رہتے''۔

(9) انسان جب سو جاتا ہے اُس کی روح کو جسم کے ساتھ رہنے کے باوجود گرد و نواح کی خبر نہیں ہوتی۔اِسی طرح جن میں قوتِ سماعت یا بینائی نہ ہو وہ جاگتے ہوئے بھی نہ سُن سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں حالانکہ رُوح جسم کے اندر موجود ہوتی ہے۔

مذکورہ ٹھوس دلائل انسان کو یہ بات تسلیم کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں کہ عمومی لحاظ سے فوت شدہ لوگ عالم دنیا میں موجود لوگوں کے حالات سے بے خبر ہیں۔اب ہم سننے کے حوالے سے دلائل کی حقیقت بیان کرتے ہیں۔

سننے کے دلائل

اِس حوالے سے کئی ضعیف احادیث موجود ہیں یہاں صرف صحیح احادیث پیش کی جاتی ہیں۔

(1) قلیب بدر میں مارے گئے کفار کی پلید، مردہ اور بدبودار لاشوں کو مخاطب ہوکر آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم نے اپنے انجام کو پالیا ہے؟ اِس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ! ایسے جسموں سے کلام کر رہے ہیں جن میں روحیں نہیں ہیں یہ کیسے؟ اِس پر آپ ﷺ نے فرمایا تُم اِن سے زیادہ سننے والے نہیں جو میں اِن سے کہہ رہا ہوں۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ عقیدہ تھا کہ مُردے نہیں سنتے چنانچہ: ''اِس کا ذکر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کیا گیا تو انہوں نے فرمایا نبی اکرم ﷺ نے تو یہ فرمایا تھا کہ اب یہ مردے یقیناً اِس چیز کو (یعنی عذاب کو) جان چکے ہوں گے جو میں اِن سے کہا کرتا تھا کہ وہ حق ہے۔ پھر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ آیت تلاوت فرمائی: (**انك لا تسمع الموتی** ''بے شک آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے'')

(صحیح بُخاری ''کتاب الجنائز'' حدیث نمبر 1371، صحیح مُسلم ''کتاب الجنائز'' حدیث نمبر 2154)

قلیب بدر کے معاملے میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رائے میں صرف یہ اختلاف ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ قلیب بدر کے مشرکوں کے متعلق اَسْمَعُ (زیادہ سننے والے) کہنے سے مراد علم ہے یعنی ان مشرکوں پر جب عذاب کا دور گزرا تو حقیقت حال کو یقینی طور پر وہ جان گئے جبکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا تھا کہ اَسْمَعُ سے سننا ہی مراد ہے مگر یہ نبی ﷺ کا معجزہ تھا۔ اور ظاہر ہے کہ معجزہ معمول کے لئے دلیل نہیں ہوتا اور یہ خاص تھا قلیب بدر کے مشرکین کے لیے۔

علمائے اُمت میں سے بعض جیسے علامہ آلوسی رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے: ''اصل بات یہ ہے کہ عام مردے نہیں سنتے جبکہ مذکورہ کفار کو خاص اُس وقت آپ ﷺ کی بات سُنائی گئی جو کہ بطور معجزہ اور خرقِ عادت تھی''۔ (روح المعانی، 455/6)

(2) ایک روایت کے مطابق "مردہ دفنا کر جانے والوں کے جوتوں کی آہٹ سُن رہا ہوتا ہے کہ سوال و جواب کے لیے منکر نکیر آ جاتے ہیں"۔ سوال و جواب کے بعد مردہ نیک ہو تو اُسے سُلا دیا جاتا ہے بد ہو تو عذاب شروع ہو جاتا ہے۔"

یعنی اس خاص موقع پر اسے سنا دیا جاتا ہے۔

(صحیح بخاری "کتاب الجنائز" حدیث نمبر 1374، صحیح مسلم "کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا" حدیث نمبر 7216)

(3) صحیح روایت کے مطابق سفر معراج کے دوران آپ ﷺ نے انبیاء کرام کی امامت کرائی جس کی علمائے اُمت نے یوں وضاحت بیان فرمائی۔(i) مفسرین جیسے بیضاوی، مظہری، روح المعانی وغیرہ کے نزدیک (آپ ﷺ نے) ارواح کو مثالی اجسام میں دیکھا۔(ii) روح المعانی میں امام غزالی رحمہ اللہ کی رائے یوں نقل کی گئی ہے: **((لیس المراد انه یری جسمه و بدنه بل مثالا له صار ذلك المثال آلة یتادی بها المعنی الذی فی نفسه))**

"جسم و بدن دکھانا مراد نہیں بلکہ وہ ایک مثالی وجود ہے جو ذ. یعہ فی نفسہ اِس معنی کے ادا کرنے کا جو مقصود و مطلوب ہے"۔

فوت شدہ کے متعلق محدثین کا عقیدہ

محدثین کرام کا یہ متفقہ عقیدہ تھا کہ فوت ہونے کے بعد انسان کا رابطہ عالم دنیا سے کٹ جاتا ہے۔ چنانچہ ایسی تمام روایتیں جن میں کوئی راوی کسی شخص کے فوت ہو جانے کے بعد والے ایام میں اس سے ملاقات یا قول نقل کرتا محدثین اسے منقطع روایت قرار دے دیتے، دلیل کے طور پر مسلم کے مقدمہ میں امام مسلم رحمہ اللہ کی پیش کردہ ایک روایت پیش خدمت ہے۔

"ابو نعیم نے ذکر کیا معلی بن عرفان کا تو فرمایا کہ معلی نے کہا مجھ سے حدیث بیان کی ابو وائل نے:

((قال خرج علینا ان مسعود بصفین فقال ابو نعیم بعث بعد الموت))

"کہا کہ نکلے ہمارے سامنے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ صفین میں، ابو نعیم نے

کہا: شاید موت کے بعد پھر قبر سے اٹھے ہوں گے‘‘ (صحیح مسلم: المقدمہ نمبر۔83)

یعنی ابو وائل کے اس بیان پر ابونعیم نے نے طنز کرتے ہوئے اسے رد کیا کہ موت کے بعد قبر سے نکل کر انہوں نے تجھے حدیث سنائی ہوگی۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ سلف ایسے عقائد کے قائل نہ تھے۔

احناف کی رائے

☆ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ایک شخص کو کچھ لوگوں کی قبروں کے پاس آکر سلام کر کے یہ کہتے ہوئے سنا کہ: اے قبر والو! تم کو کچھ خبر بھی ہے اور کیا تم پر اس کا کچھ اثر بھی ہے کہ میں تمھارے پاس مہینوں سے آرہا ہوں اور تم سے میرا سوال صرف یہ ہے کہ میرے حق میں دُعا کر دو۔ بتاؤ تمہیں میرے حال کی کچھ خبر بھی ہے یا تم بالکل غافل ہو۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس کا یہ قول سُن کر کہا کہ تجھ پر پھٹکار۔ تیرے دونوں ہاتھ گرد آلود ہو جائیں تو ایسے جسموں سے کلام کرتا ہے جو نہ جواب دے سکتے ہیں اور نہ کسی کے مالک ہی ہیں اور نہ آواز ہی سُن سکتے ہیں۔ پھر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿ وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴾ سورۃ فاطر، آیت ۲۲)

ترجمہ: ’’کہ اے نبی ﷺ آپ ان لوگوں کو جو قبروں میں ہیں نہیں سنا سکتے‘‘

(غرائب فی تحقیق المذاھب وتفھیم المسائل، صفحہ 91-172)

☆ شیخ ابن الہمام فتح القدیر میں لکھتے ہیں:

’’ہمارے اکثر مشائخ کے نزدیک یہ ہے کہ مردہ نہیں سنتا جیسا کہ کتاب الایمان باب الیمین بالضرب میں تصریح کی ہے کہ اگر کوئی شخص حلف اٹھاتا ہے کہ میں فلاں سے کلام نہیں کروں گا اور مرنے کے بعد اس سے کلام کرتا ہے تو حانث (قسم کو توڑنے والا) نہیں ہوگا اس لیے کہ کلام کا مطلب ہے مخاطب کو سمجھانا اور مردہ نہیں سمجھتا کیونکہ وہ سنتا ہی نہیں‘‘۔

(فتح القدیر 336/1، ردالمختار لابن عابدین 201/3)

اور فقہ حنفی کی ساری معتبر کتابوں میں بھی یہی لکھا ہوا ہے کہ مردے نہ سنتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں مثلاً:

ترجمہ: ''اسی طرح اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ میں تم سے کلام نہ کروں گا، یا یوں کہ میں تمھاری ملاقات اور زیارت کو نہ آؤں گا، پھر مر جانے کے بعد اس کی لاش سے اس نے کلام کیا یا قبر کی زیارت کی تو قسم نہ ٹوٹے گی کیونکہ کلام سے مقصود سمجھانا ہوتا ہے اور موت اس سے روک دیتی ہے''۔ **(شامی، ج:3،ص:180)**

اسی قسم کی بات **(ھدایہ، جلد ا، صفحہ 484)** پر بھی موجود ہے۔ اسی طرح یہ علم کلام اور فقہ کا اصول ہے کہ:

((لانزاع ان المعیّت لا یسمع)).

ترجمہ: ''اس بات میں کسی کا اختلاف نہیں کہ میت قوت سماع سے قطعی محروم ہے''

(شرح القاصد، جلد 2، صفحہ 33 شرح المواقف، جلد ۴ صفحہ 163) ۔

دونوں قسم کے دلائل کو سامنے رکھا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے:

(1) یہ معاملہ متشابہات میں داخل ہے جس کی حقیقی کیفیت معلوم کرنا ممکن نہیں۔

(2) عام حالات میں فوت شدہ لوگ نہیں سُن سکتے لیکن مخصوص حالات میں بطور معجزہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو سنا دیا۔ اِس ضمن میں جو چیزیں دلیل کے ساتھ قرآن وسنت میں بیان ہوئی ہیں صرف وہیں تک محدود رہا جائے ایک قدم بھی اُس سے آگے نہ بڑھا جائے کیونکہ شرک کا خطرہ ہے۔ ویسے بھی ایسی چیزوں کے متعلق بروز قیامت سوال نہ ہوگا۔ وہ کام کیے جائیں جن کا محکم آیات میں حکم دیا گیا ہے۔

اگر کسی نے قرآن وسنت کو رہبر بنانا ہو تو اسکے لئے حق بات بالکل واضح ہے۔

مسئلہ حیات النبی ﷺ

انبیائے کرام اور بالخصوص آنحضور ﷺ کے حوالے سے اِس وقت بعض طبقات میں یہ نظریہ موجود ہے کہ آپ ﷺ فوت نہیں ہوئے بلکہ پردہ فرما گئے ہیں اور قبر میں دُنیاوی زندگی حاصل ہے۔ جس طرح تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے کہ انبیاء کرام کو اعلیٰ ترین برزخی زندگی حاصل ہے جس

کی کیفیت کا حقیقی ادراک عالمِ دنیا میں ممکن نہیں۔ دنیاوی زندگی کا عقیدہ قرآن وسنّت کے خلاف ہے۔ رہنمائی کے لیے چند دلائل ملاحظہ کریں:

نمبر ۱: ﴿حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۝ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝﴾

(مومنون، آیت:99-100)

ترجمہ: ''یہاں تک کہ جب اُن میں سے کسی کو موت آنے لگتی ہے تو وہ کہنے لگتا ہے: اے میرے رب! مجھے دنیا میں واپس بھیج دے تاکہ وہاں جا کر نیک اعمال کرلوں۔ ہرگز ایسا نہیں ہوگا یہ تو صرف کہنے کی بات ہے۔ اُن کے پس پشت تو برزخ (پردہ) ہے اُن کے دوبارہ اُٹھنے کے دن (قیامت) تک۔''

نمبر ۲: ﴿وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ اَفَاۡئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ﴾

(انبیاء، آیت:34)

ترجمہ: ''آپ (ﷺ) سے پہلے کسی انسان کو بھی ہم نے ہمیشگی نہیں دی، کیا اگر آپ فوت ہو جائیں تو کیا وہ ہمیشہ کے لیے رہ جائیں گے۔''

نمبر ۳: ﴿اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ﴾ (زمر، آیت:30)

ترجمہ: ''بے شک آپ (ﷺ) وفات پانے والے ہو اور یہ لوگ بھی مرنے والے ہیں''۔

نمبر ۴: سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے انتقال پر فرمایا: ''سن لو جو شخص محمد (ﷺ) کی عبادت کرتا تھا تو بے شک محمد (ﷺ) فوت ہو گئے ہیں۔

(صحیح بُخاری ''کتاب الجنائز'' حدیث نمبر 1242)

نمبر ۵: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ﴿لقد مات رسول الله﴾ الخ یقیناً رسول اللہ ﷺ فوت ہو گئے ہیں۔ (صحیح مُسلم ''کتاب الزھد والرقائق'' حدیث نمبر 7453)

نمبر ۶: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ﴿ خرج رسول اللہ ﷺ من الدنیا ﴾ الخ

"رسولُ اللہ ﷺ دُنیا سے چلے گئے۔" (صحیح بُخاری' کتاب الاطعمۃ' حدیث نمبر 5414)

امید ہے ان یقینی دلائل سے آپ پر حق بات واضح ہو چکی ہوگی، اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے گمان کی بنا پر عقائد اپنانے سے محفوظ فرمائے۔ (آمین)

خلاصہ برزخی حیات

ہر انسان کی موت کے بعد سے لے کر قیامت کے بعد اُٹھائے جانے تک کی زندگی برزخی (پوشیدہ) زندگی کہلاتی ہے۔ شہداء اور انبیاء کرام کو برزخی زندگی حاصل ہے۔ اس ضمن میں سخت احتیاط کی جائے جہاں تک بات صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے اُس سے ذرہ بھر بھی آگے نہ بڑھا جائے کیونکہ ان معاملات کو کما حقہٗ سمجھنا ممکن نہیں۔ اِس کائنات میں سب سے اعلیٰ وارفع برزخی زندگی سید الاولین والآخرین جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو حاصل ہے۔ عام قانون اور قاعدے کے مطابق فوت شدہ لوگ عالم دُنیا میں بسنے والے لوگوں کی بات نہیں سنتے البتہ ہماری دعا اور سلام اللہ ﷻ اُن تک پہنچا دیتا ہے مگر اِسکی کیفیت بلکہ قبر و برزخ کی زندگی کے تمام معاملات متشابہات میں داخل ہیں جن کا حقیقی شعور انسان کو نہیں دیا گیا۔ اِس لیے جہاں تک بات بیان ہوئی ہے وہیں تک رہنا چاہیے۔ ہم نہ ان چیزوں کا انکار کرتے ہیں اور نہ ہی ان کی گہرائی میں جاتے ہیں کیونکہ یہ چیزیں محکم نہیں اور نہ ہی ہم سے بروز قیامت برزخی کیفیت کے متعلق سوال ہوگا۔ ان چیزوں کے پیچھے زندگیاں صرف کرنا جن کی کیفیت سمجھنے سے ہم قاصر ہیں اور جن کے بارے میں ہم سے پوچھا نہیں جائے گا کیا عقلمندی ہے؟ کیا اللہ ﷻ نے سختی سے ساتھ متشابہات کو دلیل بنانے سے منع نہیں فرمایا۔ کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسی چیزوں میں اُلجھے؟ اللہ ﷻ جس کا چاہے جسم سلامت رکھے لیکن یہ حیات برزخی ہے نہ کہ دنیاوی۔ اسی لئے ہمیں اُن کو پکارنے کی اجازت قطعاً نہیں دی گئی اور ایسا کرنا ابدی ہلاکت کا باعث ہوگا۔

باب ۱۱

شرک فی الحقوق: ﴿عقل سے ماورا امور﴾

ایک حقیقی مومن کے لیے تو قرآن وسنت کے واضح دلائل سے بڑھ کر کوئی اور چیز قابل اعتبار نہیں ہوتی لیکن بعض ہمارے بھائی اپنے مشاہدات کی بنا پر رسول اللہ ﷺ کے منع کرنے کے باوجود بھی قبروں سے فریاد رسی کرتے ہیں۔ اس حوالے سے کئی مشاہدات بیان کرتے ہیں، جیسے قبروں سے آوازیں آنا، مردہ کا قبر سے باہر نکل آنا، مشکلات دور کرنا وغیرہ۔ اکثر ہمارے بھائیوں کی حالت یہ ہے کہ دین کی بنیاد ہی خرق عادت امور پر رکھ لی ہے۔ وہ گروہ جو عقل سے عاجز کرنے والے امور ظاہر کر کے دکھائے فوراً اُسے عین حق تسلیم کر لیتے ہیں اس کے بعد اس فرقے کی تعلیمات ان کے لیے قرآن وسنت بن جاتی ہیں۔ ان امور کا اثر انسان پر جادو کی طرح ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت شامل حال ہو تو انسان بچتا ہے ورنہ اکثریت اس سحر میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو جاتی ہے۔

عقل سے ماورا امور کی اقسام

خوارقِ عادت امور کی تین بڑی اقسام ہیں:

1۔ معجزہ 2۔ کرامت 3۔ استدراج یا شعبدہ بازی

کسی نبی علیہ السلام سے ظاہر ہونے والے خوارقِ عادت کام کو معجزہ کہتے ہیں جس کی تفصیل باب ۷ میں گزر چکی۔ خلافِ عقل کام نبی کے علاوہ کسی سے ظاہر ہو تو اُسے کرامت یا استدراج کہتے ہیں۔ کرامت کا ظہور خیر و بھلائی پر مبنی ہوتا ہے اور یہ اللہ کے فضل کی علامت ہے۔ کرامت وہی چیز ہے اکتسابی نہیں یعنی کرامت کا ظہور انسان کی اپنی کوشش اور ارادے سے ممکن نہیں بلکہ ضرورت کے تحت

اللہ ﷻ کی طرف سے ہوتا ہے۔

کرامت کا ظہور نص قطعی سے ثابت ہے جیسے حضرت مریم علیہا السلام کے لیے جنتی پھلوں کا آنا، اصحابِ کہف کا واقعہ جو باطل خداؤں کی پرستش سے انکار اور خدائے واحد کو اپنا کارساز بنانے پر پیش آیا۔ جس کے مطابق قریباً 300 سال سے زائد عرصہ تک چند نوجوانوں کو پروردگار نے غار میں سلایا، ان کی حفاظت فرمائی پھر زندہ کیا۔ وہ لوگ جو مخلص ہوں، حقیقی ایمان رکھتے ہوں اور شرک کی آلودگیوں سے اپنا دامن پاک رکھتے ہوں، ضرورت کے تحت اللہ تعالیٰ ان کے ہاتھ پر خرق عادت امور ظاہر فرما سکتا ہے جسے کرامت کہتے ہیں لیکن موجودہ دور میں کرامات کی آڑ میں جس طرح بعض لوگ سادہ لوح مسلمانوں کا مال اور ایمان لوٹ رہے ہیں یہ ضروری ہے کہ اس حوالے سے حقیقت کو واضح کیا جائے تا کہ لوگ نقصان سے بچ جائیں۔ اکثریت نے دین کی بنیاد قرآن وسنت کی بجائے ان لوگوں پر رکھ لی ہے جو خرقِ عادت امور ظاہر کر کے دکھائیں اور حالت یہ ہو چکی ہے کہ کوئی بات سننے کو بھی تیار نہیں۔ ایسے لوگوں نے یقیناً اپنے لیے نقصان کا فیصلہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے حال پر رحم فرمائے (آمین)۔ شیطان کی انسان سے دشمنی حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے وقت سے چلی آ رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے انسانوں کے دِل میں وسوسہ ڈالنے کی قوت دے کر قیامت تک کے لیے ڈھیل دے دی ہے۔ جس کے بل بوتے پر شیطان نے اللہ تعالیٰ کو چیلنج کر دیا ہے کہ وہ آدم علیہ السلام کے بیٹوں (انسانوں) کو اللہ کریم کا باغی بنا کر جملہ گناہوں اور شرک میں آلودہ کرے گا اور انہیں جہنم کا ایندھن بنا دے گا، لیکن اللہ ﷻ نے فرمایا کہ جو میرے مخلص بندے ہیں وہ تیری پیروی نہیں کریں گے اور نہ تیرے دھوکے میں آئیں گے۔

شرکیہ افعال وعقائد میں ملوث ہونے کی بنا پر تائید ربانی انسان سے اُٹھ جاتی ہے۔ شیاطین انسان کو گھیر لیتے ہیں جس کی بنا پر خلاف عادت امور کا ظہور ہوتا ہے جسے استدراج کہتے ہیں۔ استدراج مسلمان یا کافر دونوں سے ہوسکتا ہے۔ وہ لوگ جو علی الاعلان ہتھیلی پر سرسوں جما کر

دکھاتے ہیں، دعوے کرتے ہیں، ادھر ہاتھ بڑھایا اُدھر انگور کا خوشہ ہاتھ میں آ گیا اور اسے اپنی بزرگی کے دعوے کے طور پر پیش کرتے ہیں تو یہ شیطانی عمل ہوتا ہے۔ نجات کا واحد راستہ یہی ہے کہ ایسی چیزوں کی تحقیق میں وقت ضائع کرنے کی بجائے یقینی راہِ نجات یعنی قرآن وسنت پر عمل پیرا ہوا جائے۔ شیطان کے ذریعے انسان کی آزمائش اور پرکھ کس طرح کی گئی ہے۔ چند دلائل ملاحظہ کریں:

نمبر ۱ : ﴿وَ اسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَ اَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَ رَجِلِكَ وَ شَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ وَ عِدْهُمْ وَ مَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ۝ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ وَ كَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ۝﴾ (بنی اسرائیل۔ آیت:64)

ترجمہ: ''اور گمراہ کرنے کی کوشش کر جن کو تو گمراہ کر سکتا ہے ان میں سے اپنی آواز سے اور دھاوا بول دے ان پر اپنے گھوڑ سواروں اور پیادہ دستوں کے ساتھ اور شریک ہو جا ان کے مالوں میں اور اولاد میں اور ان سے (جھوٹے) وعدے کرتا رہ اور وعدہ نہیں کرتا ان سے شیطان مگر مکروفریب کا۔ جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا غلبہ نہیں ہو سکتا اور کافی ہے تیرا رب اپنے بندوں کی کارسازی کے لیے۔''

نمبر ۲ : شیطان کو جو تصرف دیا گیا ہے وہ لوگوں کی آزمائش کے لیے ہے تاکہ کھوٹے اور کھرے کا فرق واضح ہو جائے اِس طرح وہ لوگ جن کے دل میں بیماری ہے، تعلیمات الٰہی پر عمل پیرا نہ ہونے یا گناہوں کے باعث جن کے دل سخت ہو چکے ہیں اُن کی پہچان ہو جائے۔ اِس حقیقت کو اللہ تعالی نے یوں بیان فرمایا:

﴿لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ ۝﴾ (سورہ:الحج، آیت:53)

ترجمہ: ''یہ اس لیے کہ شیطانی القاء کو اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کی آزمائش کا ذریعہ بنا دے جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جن کے دل سخت ہو چکے ہیں۔ بیشک ظالم لوگ گہری مخالفت میں ہیں۔''

اِس کے بعد آیت 54 میں یہ بات بتلائی گئی کہ القائے شیطانی اہلِ علم کے ایمان ویقین میں اضافہ اور اللہ کی نازل کردہ تعلیمات کے حق ہونے کا یقین پیدا کرنے کا ذریعہ بنتی ہے۔ آیت نمبر 55 میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ کفار ہمیشہ وحی الٰہی میں شک وشبہ ہی کرتے رہیں گے۔

اگر کسی نے خوارقِ عادت امور کی بجائے حق کا رستہ اپنانا ہو اور دین کی بنیاد قرآن وسنت پر رکھنی ہو تو اُس کے لیے یہ آیات سو فیصد راہِ ہدایت واضح کر رہی ہیں۔

نمبر ۳: آنحضور ﷺ نے فرمایا: **((ان الشیطان یجری من الانسان مجری الدم))**

"یقیناً شیطان انسان کے اندر اس طرح گردش کرتا ہے جس طرح خون گردش کرتا ہے"۔

(صحیح بخاری "کتاب بدء الخلق" حدیث نمبر 3281)

اِس سے بڑھی دلیل اور کیا ہو.....؟

(1) اللہ تعالیٰ نے انسان میں یہ بات راسخ کرنے کے لیے کہ اسکی نجات تعلیمات وحی کی پیروی میں ہے۔ ایک مقام پر بات کو اس طرح واضح کیا ہے کہ ظالم شیطان کے لیے رخنہ اندازی کے سارے راستے بند کر دیے ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے۔

﴿قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰى نَفْسِىْ وَ اِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوْحِىْٓ اِلَىَّ رَبِّىْ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ﴾ (سورہ سبا، آیت: 50)

ترجمہ: "(اے نبی ﷺ) آپ فرما دیں کہ اگر میں راستے سے ہٹ گیا ہوں تو اسکا وبال مجھ پر ہی ہوگا اور اگر میں ہدایت پر ہوں تو اس کی وجہ وہ وحی ہے جو میرا رب مجھ پر کرتا ہے بے شک وہ بڑا سننے والا اور بہت ہی قریب ہے"

کیا حضور ﷺ سے بڑھ کر بھی کوئی اس دنیا میں ہوگا جو اس قرآن کو معیار بنائے بغیر ہدایت پر رہ سکے؟۔ کیا یہ بات جان لینے کے باوجود بھی ہم شیطان کے وسوسوں کا شکار ہوں گے؟

(2) خود آنحضور ﷺ سے یہ اعلان کروایا کہ آپ ﷺ لوگوں کو بتا دیں کہ میں اور میرے رفقاء

نے دین کی بنیاد صرف واضح دلیل و برہان یعنی تعلیماتِ وحی پر رکھی ہے چنانچہ ارشاد ہے:

﴿قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِيْ وَ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝﴾ (سورہ یوسف آیت:108)

ترجمہ: ''فرما دیجیے یہ میرا رستہ ہے میں بُلاتا ہوں اللہ ﷻ کی طرف واضح دلیل پر ہوں میں بھی اور میرے پیروکار بھی اور اللہ ﷻ پاک ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں۔''

(3) قرآن مجید میں جگہ جگہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات کھول کر بیان فرمائی ہے کہ ہدایت صرف اس کے لیے ہے جو تعلیمات وحیؔ د بنیاد بنائے گا حتیٰ کہ جب کفار نے آنحضور ﷺ سے خرق عادت امور کی طلب کی تو ارشاد ہوا:

﴿اَوَ لَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّ ذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ شَهِيْدًا يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝﴾ (العنکبوت:51-50)

ترجمہ: ''انھوں نے کہا کہ اس (رسول ﷺ) پر کچھ نشانیاں (معجزات) اس کے رب کی طرف سے کیوں نہیں اُتاری گئیں۔ آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ نشانیاں تو سب اللہ کے پاس ہیں۔ میں تو صرف کھلم کھلا آگاہ کر دینے والا ہوں۔ کیا انہیں یہ کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر کتاب نازل فرمادی۔ جو ان پر پڑھی جا رہی ہے۔ اس میں رحمت بھی ہے اور نعمت بھی ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔''

(4) کفار ہمیشہ حسی معجزات کی خواہش کرتے رہے اور تعلیمات وحی سے روگردانی کرتے رہے، آپ ﷺ کو تنگ کرتے رہے، پروردگار نے آپ ﷺ کو یہی حکم دیا کہ:

﴿نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ۝﴾ (ق: آیت:108)

ترجمہ: ''یہ جو کچھ کر رہے ہیں ہم بخوبی جانتے ہیں اور آپ ﷺ ان پر زبردستی کرنے والے نہیں، پس آپ ﷺ انہیں قرآن کے ذریعے سمجھاتے رہیں جو میرے وعید (ڈراوے) کا خوف رکھنے والے ہیں۔''

(5) حضرت یحییٰ علیہ السلام کو پروردگار نے یوں تلقین فرمائی: ﴿يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ﴾

ترجمہ: ''اے یحییٰ (علیہ السلام)! میری کتاب کو مضبوتی سے تھام لو۔'' (مریم: آیت: 12)

کس قدر سخت تلقین فرمائی جا رہی ہے صرف کتاب کو تھامنے کی حالانکہ آپ علیہ السلام کی پیدائش ہی معجزانہ طریقہ سے ہوئی تھی۔ اسکے باوجود اگر پیغمبر کو اس چیز کی سخت حاجت ہے تو عام لوگ بغیر کتاب وسنت تھامے کیسے بچ سکتے ہیں۔

یوں گمراہی سے بچنے کے لیے ہمیں قرآن وسنت کو بنیاد بنانے کا پابند کیا گیا ہے نہ کہ خرق عادت امور کا۔ اس معاملے کو آپ یوں سمجھئے کہ آج اگر کوئی خاتون بغیر خاوند کے بچہ جنے اور دلیل لائے کہ اللہ قادر ہے جب وہ حضرت مریم علیھا السلام کے بطن سے بغیر خاوند حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا فرما سکتا ہے تو مجھے بھی یہ بچہ دے سکتا ہے۔ اس دلیل کو کون مانے گا؟ اسی لئے دین مکمل ہو جانے پر دلیل کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔ کیا اب بھی کوئی شک رہ گیا ہے؟ کیا بروز قیامت ان امور کو بطور دلیل اللہ ﷻ کی بارگاہ میں پیش کر سکیں گے؟ ہرگز نہیں۔ اہل عقل کے لئے ان دلائل میں بڑی عبرت ہے۔

حقیقی ایمان: قرآن وسنت کے مطابق اصل ایمان یہ ہے کہ اپنے آپ کو قرآن وسنت کے حوالے کر دیا جائے اور دین کی بنیاد کشف وکرامت کی بجائے تعلیمات الٰہی پر رکھی جائے۔ نجات یافتہ لوگوں کے ایمان کی کیفیت کیا ہے، ملاحظہ کریں اور عبرت حاصل کریں۔

(i) صحیح مسلم کتاب الفتن کی روایت نمبر 7377 کے مطابق: ''ایک مومن شخص جب دجال کو دیکھے گا تو کہے گا یہ وہی دجال ہے جس کا رسول اللہ ﷺ نے ذکر کیا تھا یعنی آنحضور ﷺ کے

فرامین کی روشنی میں اسے پہچانے گا۔ جب یہ مومن شخص دجال پر ایمان نہیں لائے گا تو دجال اسے قتل کر کے دوبارہ زندہ کریگا اور کہے گا کیا تم (اب) مجھ پر ایمان لاتے ہو؟ وہ جواب دیگا تمھارے متعلق میری بصیرت میں اضافہ ہی ہوا ہے"۔

یعنی اتنی بڑی خرق عادت دلیل دیکھنے کے باوجود بھی وہ مومن شخص اس پر ایمان نہیں لائے گا اور دلیل فرامین رسول ﷺ کو بنائے گا یوں اس کا ایمان اور مضبوط ہوگا۔ **(فاعتبروا یا اولی الابصار)**

(ii) ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "دجال آئے گا اور اس کے لیے مدینہ کی گھاٹیوں میں داخل ہونا حرام ہے، چنانچہ وہ مدینہ کے قریب شور والی زمین پر پڑاؤ ڈالے گا، پھر ایک آدمی اُس کے پاس جائے گا جو کہ (اس وقت) سب سے بہترین شخص ہوگا، وہ کہے گا میں گواہی دیتا ہوں کہ تو وہی دجال ہے جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بیان فرما دیا تھا۔ دجال کہے گا مجھے بتاؤ اگر میں اس کو قتل کر دوں، پھر اسے زندہ کروں تو کیا تم میرے معاملہ میں شک کرو گے؟ وہ کہیں گے نہیں، وہ اُس کو قتل کریگا، پھر اسے زندہ کریگا تو وہ (شخص) کہے گا اللہ جل جلالہ کی قسم تیرے متعلق مجھے آج پہلے سے زیادہ بصیرت حاصل ہوگئی، پھر دجال اسے قتل کرنا چاہے گا لیکن وہ اس (کے قتل کرنے) پر قادر نہ ہو سکے گا"۔

(صحیح بخاری کتاب الفتن حدیث نمبر۔7132،صحیح مسلم،حدیث نمبر 7375)

پس معلوم ہوا حقیقی ایمان والے وہ لوگ ہیں جو صرف اور صرف قرآن وسنت کو بنیاد بناتے ہیں۔ بڑے سے بڑا خرق عادت کام بھی ان کے ایمان کو متزلزل نہیں کر سکتا۔ اسکے برعکس روش پر چلنے والے لوگوں کا دجال کے فتنہ سے بچنا ناممکن نظر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے حال پر رحم فرمائے اور ان کا رخ قرآن وسنت کی طرف موڑ دے تاکہ نجات کی راہ ہموار ہو سکے۔ (آمین)

ظالم شیطان کے فریب

شیطان انسانیت کی ابدی ہلاکت کے لیے خرق عادت امور کے ذریعے کس طرح ہمہ تن کوشاں ہے۔ چند حقائق ملاحظہ کریں تاکہ وہ لوگ جو اپنے آپ کو بچانا چاہیں ان کے لیے قرآن و سنت کی راہ ہموار ہو سکے۔

نمبر ۱ : شیطان کا انسانی صورت میں آ کر حدیث بیان کرنا

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

☆ ''بعض اوقات شیطان انسانی شکل میں کسی مجمع کے اندر آتا ہے اور لوگوں سے حدیث بیان کرتا ہے۔ جب مجمع چھٹ جاتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ یہاں ایک شخص آیا تھا جس نے یہ حدیث بیان کی ہے جس کی شکل تو پہچانتا ہوں لیکن نام یاد نہیں اور وہ شیطان ہوتا ہے''۔

(صحیح مسلم ''المقدمہ'' روایت نمبر 17)

نمبر ۲ : شیطان آنحضور ﷺ کی نماز میں:

☆ ابودرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (ایک دفعہ) آپ ﷺ نے نماز میں کچھ نئے الفاظ پڑھے اور اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ دریافت کرنے پر آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا دشمن (ابلیس) آگ کا ایک انگارہ لے کر آیا تاکہ میرے چہرے پر مارے چنانچہ میں نے تین مرتبہ کہا: ''آعوذ بالله منك'' پھر میں نے کہا! میں تجھ پر اللہ تعالیٰ کی مکمل لعنت بھیجتا ہوں اس پر وہ پیچھے ہٹ گیا پھر میں نے ارادہ کیا کہ اس کو پکڑ لوں............(الخ)

(صحیح مسلم ''کتاب المساجد'' حدیث نمبر 1211 ، سُنن نسائی حدیث نمبر 1215)

نمبر ۳ : حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی آزمائش:

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کے حوالے اپنی اُمت کر کے کوہ طور پر چلے گئے تو سامری جادوگر نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے گھوڑے کے قدموں کے نیچے آنے والی مٹی پگھلے ہوئے زیورات یا بچھڑے کے بت میں ڈالی جس سے وہ بولنا شروع ہو گیا۔ یہ خرق عادت کام دیکھتے ہی قوم نے اس بچھڑے کو معبود بنالیا جس پر حضرت ہارون علیہ السلام نے لوگوں کو بہت سمجھایا کہ اس بچھڑے سے تو تمہاری آزمائش کی گئی ہے تمہارا حقیقی پروردگار تو اللہ ہی ہے اس لیے میری اتباع کرو لیکن قوم نے اتنی بڑی ''دلیل'' دیکھ لینے کے بعد حضرت ہارون علیہ السلام کی بات تسلیم نہ کی یعنی سچی تعلیمات کو بنیاد بنانے کی بجائے خرق عادت کام کو دلیل بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے سامری جادوگر کو شرک پر آمادہ کرنے کی سزا دنیا میں یہ دی کہ جو بھی اسے چھوتا اسے اور سامری جادوگر کو بخار ہو جاتا۔ چنانچہ یہ انسان کو دیکھتے ہی چیخ اُٹھتا ﴿ لا مساس ﴾ کہا جاتا ہے کہ پھر یہ انسانوں کی بستی سے نکل کر جنگلوں میں چلا گیا۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام جب واپس آئے تو غصے میں کہا کہ ہم اس (بچھڑے) کو ریزہ ریزہ کر کے جلا کر دریا میں اڑا دیں گے۔

تفصیل کے لیے دیکھیے: (سورہ طہٰ: آیات: 85 تا 98)

معلوم ہوا:

(i) اللہ تعالیٰ نے قوم کی آزمائش کے لیے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے گھوڑے کے قدموں کی مٹی میں تاثیر رکھ دی جس سے بچھڑے کا بت بولنا شروع ہو گیا۔

(ii) تعلیمات الٰہی کو بنیاد بنانے کی بجائے عقل کو عاجز کر دینے والے امور کو دلیل بنانا ہمیشہ سے ہی انسان کی گمراہی کی بنیادی وجہ رہی ہے۔

(iii) ایسی چیزیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہوتی ہیں۔

(iv) اس روش پر زندگی بسر کرنے والوں کے لیے آخرت میں دردناک عذاب اور دنیا میں یقینی

گمراہی ہے۔اللہ ﷻ ہم بھائیوں پر رحم فرمائے۔(آمین)

(v) خرق عادت امور کو دلیل بنانے والے پیغمبر کی بات بھی تسلیم نہیں کرتے۔حضرت ہارون علیہا السلام نے اپنی قوم کو یوں سمجھایا:

﴿وَ لَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ وَ اِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَ اَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ۝﴾ (سورہ طہ۔آیت:90)

ترجمه: ''اور ہارون (علیہ السلام) نے اس سے پہلے ہی ان سے کہہ دیا تھا اے میری قوم والو! اس بچھڑے سے تو صرف تمہاری آزمائش کی گئی ہے،تمہارا حقیقی پروردگار تو اللہ رحمٰن ہی ہے،پس تم سب میری تابعداری کرو اور میری بات مانتے چلے جاؤ۔''

قوم نے آپ کی بات نہ مانی اور بچھڑے کو پوجتے رہے۔حقیقت یہ ہے کہ خرق عادت امور کو دلیل بنانے کا جادو اگر کسی پر ہو جائے تو پیغمبر کا سمجھانا بھی کارآمد ثابت نہیں ہوتا تو پیغمبر کی تعلیمات اِن کے لیے کیسے کارآمد ثابت ہو سکتی ہیں۔اللہ تعالیٰ ہماری اصلاح فرمائے۔

قوم موسیٰ علیہ السلام کے شرک کی دنیا میں سزا

اس شرکیہ فعل پر پروردگار نے انکی معافی قبول کرنے کا طریقہ یہ وضع فرمایا کہ وہ سب لوگ جو اس شرک میں مبتلا ہوئے انھیں قتل کرنے کا حکم دیا،جیسا کہ فرمایا:

﴿فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ﴾ (البقرہ،آیت:54)

ترجمہ: ''پس توبہ کرو اپنے پیدا کرنے والے کی طرف،قتل کرو اپنے آپ کو۔یہ تمھارے لئے بہتر ہے تمھارے پیدا کرنے والے کے ہاں''

یوں ایک دن میں ستر ہزار یہودی قتل کیے گئے۔

نمبر ٤ : پیران پیر رحمہ اللہ کا واقعہ ﴿ہلاکت خیز شیطانی فریب﴾

وہ لوگ جنہوں نے دین کی بنیاد ہی خوارق عادت امور پر رکھ لی ہے درس عبرت کے لیے پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے ساتھ پیش آنے والا کشف کا واقعہ سنیے اور ایسے کاموں سے تائب ہو کر ہر طرف سے منہ پھیر کر دین کی بنیاد قرآن وسنت پر رکھ لیں۔ چنانچہ پیرانِ پیر رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں:

''ایک مرتبہ ایک عظیم الشان روشنی ظاہر ہوئی جس میں آسمان کے کنارے بھر گئے اس سے ایک صورت ظاہر ہوئی اُس نے مجھ سے خطاب کر کے کہا ''اے عبدالقادر میں تمہارا رب ہوں۔ میں نے تمہارے لیے سب محرمات حلال کر دیے۔ میں نے کہا دور ہو مردود۔ یہ کہتے ہی وہ روشنی ظلمت سے بدل گئی اور وہ صورت دھواں بن گئی اور ایک آواز آئی کہ: اے عبدالقادر! اللہ ﷻ نے تم کو تمہارے علم وتفقہ کی وجہ سے بچالیا ورنہ اس طرح میں تیرے جیسے ستر صوفیوں کو گمراہ کر چکا ہوں۔ میں نے کہا: محض اللہ کی مہربانی سے کسی نے پوچھا کہ حضرت آپ کیسے سمجھے کہ یہ شیطان ہے؟ فرمایا: اس کے کہنے سے کہ میں نے حرام چیزوں کو تمہارے لیے حلال کر دیا۔''

(طبقات الکبریٰ، الشعرانی، جلد 1، ص137، بہجۃ الاسرار)

اس طرح کے واقعات لاتعداد لوگوں کو پیش آ چکے ہیں۔ بعض کو اللہ ﷻ نے شیطان کے فتنوں سے بچالیا اور اکثر ہلاک ہو گئے۔

درس عبرت: (i) انسانیت کا ازلی دشمن شیطان انسان کو تباہ و برباد کرنے کے لیے دیدارِ الٰہی کی صورت میں اگر اتنا بڑا فریب دے سکتا ہے تو پھر کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ (ii) آپ رحمہ اللہ کے بچنے کی بنیادی وجہ اللہ کا فضل یعنی قرآن وسنت کا قطعی علم بنی۔ (iii) جو 70 صوفیاء گمراہ ہوئے انھوں نے یقیناً اسے خدا تسلیم کر لیا ہوگا۔

کیا اب بھی آپ ایسی چیزوں سے لاتعلق ہو کر قرآن وسنت کی طرف نہیں آئیں گے؟

نمبر ۵ : نبوت کا دعویٰ: تلبیس ابلیس میں علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ (المتوفی ۵۹۷ھ) نے ایک واقعہ نقل کیا ہے جس کے مطابق حارث الکذاب ابن دمشق کا انتہائی عبادت گزار زاہد تھا۔ جب حمد باری تعالیٰ میں رطب اللسان ہوتا تو سامعین کے لیے اس کلام سے بڑھ کر کوئی احسن کلام نہ ہوتا۔ جب اس نے کچھ خرق عادت چیزیں دیکھیں تو اپنے والد سے مشورہ کیا، اس کے والد نے کہا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِينُ٥ تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ٥ ﴾
(الشعراء، آیت: 221-222)

ترجمہ: ''کیا میں تمہیں بتلاؤں کہ شیطان کس پر اُترتے ہیں؟ وہ ہر جھوٹے گنہگار پر اُترتے ہیں۔''

والد نے فرمایا کہ تو جھوٹا گنہگار نہیں لہٰذا تجھے جس کام کا حکم ملا ہے اس پر عمل پیرا ہو جا۔ اس کے بعد حارث کے ہاتھ پر عجیب وغریب قسم کی چیزیں ظاہر ہونا شروع ہوئیں جیسے: مسجد میں پڑے ہوئے سنگ مرمر کے تراشوں کو ٹھونکتا تو وہ تسبیح بولتیں، لوگوں سے کہتا آؤ میں تمہیں فرشتے دکھاؤں، پھر وہ انہیں گھوڑ سوار افراد دکھاتا۔ چنانچہ ایک خلق کثیر اس کے پیچھے لگ گئی۔ اس کا معاملہ پھیل گیا، اس کے اصحاب بکثرت بن گئے یہاں تک کہ اس کی خبر قاسم بن مغیرہ اور عبدالملک تک پہنچ گئی۔ قصہ مختصر اس کے بعد اس شخص نے نبی ہونے کا دعویٰ کر دیا۔

نمبر ٦ : موجودہ دور کا واقعہ: جنوبی افریقہ کے مسلم سکالر ''شیخ احمد دیدات'' اور امریکہ کے عیسائی پادری ''جمی سواگرڈ'' کے مابین ۱۹۸۷ء میں مناظرہ ہوا جس کا موضوع: ''کیا بائبل خدا کا کلام ہے Is the Bible word of God'' تھا۔ اس کی ویڈیو۔ CD اب بھی مارکیٹ میں دستیاب ہے ضرور دیکھیے۔ مسلم سکالر کے دلائل کا جواب عیسائی پادری نے یوں دیا:

(i) ہزاروں لوگوں کو بائبل سے شفا ملتی ہے ان کے امراض ہم نے خود ٹھیک ہوتے دیکھے ہیں اگر یہ خدا کا کلام نہیں تو یہ کیسے ممکن ہوا؟۔

(ii) ایسے ہزاروں واقعات میں سے ایک یوں ہے کہ: ''ایک شخص کو جنات کا قابو تھا وہ ایک مسلمان کے پاس گیا جس نے (جناب) محمد ﷺ کا نام لے کر کہا نکل جاؤ وہ نہ نکلا میرے پاس آئے میں نے بائبل اُٹھائی اور کہا عیسیٰ علیہ السلام کے نام پر نکل جاؤ تو وہ شخص فوراً ٹھیک ہو گیا۔

(iii) انھیں معجزات کی بنا پر ہم انھیں اللہ ﷻ کا بیٹا سمجھتے ہیں (نعوذ باللہ) اور جو بھی ایسا کرے گا اسے ہم سچا مانیں گے۔

مزید یہ کہ آج بھی بے شمار امراض کا علاج ہندو جوگی کرتے ہیں تو کیا اس بنا پر انھیں سچا تسلیم کر لیا جائے گا؟۔ یوگ کے متعلق (نوائے وقت بابت 11۔ اپریل 1979ء) میں ایک واقعہ شائع ہوا جس کے مطابق: 104 سالہ بوڑھا ہندو یوگی، 6 فٹ گہری قبر میں آٹھ دن رہنے کے بعد جب نکالا گیا تو اس کے جسم میں ایک بار پھر زندگی کی حرکت پیدا ہو گئی۔ دفن کرتے وقت ڈاکٹرز نے اس کے جسم پر ایسے آلات لگا دیئے تھے جن کی مدد سے دل کی حرکت، نبض کی رفتار اور دماغی حالت وغیرہ کی کیفیت معلوم ہو سکے۔ ان آلات کی روسے قریباً 6 گھنٹے بعد اس کی موت واقع ہو چکی تھی۔ اس کے باوجود آٹھ دن بعد وہ زندہ تھا۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ ہندو سمجھتے ہیں کہ ان کے بے شمار کام بتوں کے ذریعے سے ہوتے ہیں۔ اگر ہندوؤں کو اپنے گمان کے مطابق بتوں سے کچھ ملتا نظر نہ آتا ہوتا تو آج روئے زمین پر کوئی ہندو نہ ہوتا۔ یہ سب ابلیس اور سرکش جنات کی کارستانیاں ہوتی ہیں تاکہ انسان شرک کی دلدل میں پھنس جائے۔

نمبر ۷ : شیطانی فریب کا خطرناک انداز

قرآن وسنت کی بجائے خوارق عادت امور کو دلیل بنانے والوں پر شیطان پوری قوت سے حملہ آور ہو جاتا ہے اور انسان بڑی آسانی سے اس کا لقمہ بن جاتا ہے۔ انھیں چالوں میں سے بہت خطرناک چال مزارات اور بتوں کو ڈھال بناتے ہوئے شیطان کا لوگوں کو گمراہ کرنا ہے۔ سابقہ اُمتیں اور اہل عرب زمانہ جاہلیت میں اسی خطرناک فریب کا شکار رہوئے اور خرق عادت امور کی بنیاد پر قبروں اور بتوں کی مجاوری اور پوجا شروع کر دی۔ اسی لئے آنحضورﷺ نے قبروں پر عمارات بنانے سے بڑی سختی سے منع فرمایا۔ حقیقت حال ملاحظہ فرمائیں:

ابواحمد حسن بن عبداللہ عسکری نے اپنی کتاب میں ابومسکین سے باسند لکھا ہے کہ:

حضرموت میں جلسد نامی ایک بُت تھا جس کو اہل کندہ وحضرموت پوجتے تھے۔ اس کے مجاور بنی شکامہ بن شبیب تھے جو کندہ کی نسل سے تھے۔ پھر بنو علاق مجاور بنے۔ اخزر بن ثابت مجاورت کے فرائض سرانجام دیتا تھا۔

اخزر نے بیان کیا کہ ایک دن جب میں جلسد کے پاس تھا بنی الامری بن مرہ کے ایک شخص نے اس بُت کے لیے ایک جانور ذبح کیا۔ اچانک ہم نے بادل کی گرج جیسی آواز سنی۔ ہم نے دھیان سے سنا تو یہ آواز آ رہی تھی:

﴿ فاء نجم العراق یا اخزر بن علاق هل احسست جمعا عما و عدداجما یهوی من الیمن واشام الی ذات لاجام نورا ظل الضلام افل وملك انتقل من محل الی محل ﴾

ترجمہ: ''اے اخزر بن علاق، عراق کا ستارہ غروب ہو گیا۔ کیا تو نے ایک عام لشکر کو محسوس کیا ہے جو جم غفیر کی شکل میں یمن وشام سے قلعوں والے علاقے پر حملہ آور ہوگا۔ روشنی پھیل جائے گی اور اندھیرا ختم ہو جائے گا بادشاہی ایک جگہ سے دوسری جگہ

منتقل ہو جائے گی۔"

پھر وہ بُت خاموش ہو گیا۔ ہم نے کہا یہ صورتِ حال پیدا ہو کر رہے گی۔ جب اگلا سال آیا تو بُت کی آواز جو ہم سنا کرتے تھے وہ نہ آئی اور دیر کر دی۔ ہمیں بدگمانی پیدا ہوئی تو ہم نے قربانی کی، اور بُت کو اس کے خون سے ملوث کیا۔ اچانک پھر آواز آئی۔ ہم نے کہا: اے ہمارے رب! ہر صبح کو ہمارے ساتھ گفتگو کیا کرو۔ کوئی تجھے روکنے ٹوکنے والا نہیں۔ ہم تیرے غضب سے پناہ مانگتے ہیں اور تیرے درگزر کا سہارا چاہتے ہیں۔ اچانک بُت سے پھر آواز آئی۔

مندرجہ بالا واقعات واقتباسات سے درج ذیل باتیں واضح ہوتی ہیں:

پتھر کے بے جان بتوں سے بھی آوازیں آتی تھیں وہ اپنے عبادت گزاروں کو غیب کی خبریں بھی دیتے تھے، جو بسا اوقات مُہمل اور کبھی درست بھی ہوتی تھیں۔ یہ وہی بات ہے جسے اللہ تعالیٰ ﴿ ان الشیاطین لیوحون الی اولیائھم (الانعام: ۱۲۱) ﴾۔ ﴿یقیناً شیاطین ضرور اپنے دوستوں کی طرف القاء کرتے ہیں﴾ سے تعبیر کرتا ہے اور اس کی حقیقت قرآن نے یوں بیان فرمائی کہ یہ شیاطین، کائنات پر مامور فرشتوں سے کچھ باتیں سن پاتے ہیں۔ پھر اس حق میں کچھ باطل کی بھی آمیزش کر کے اپنے عبادت گزاروں تک پہنچا دیتے ہیں۔

احوال جاننے کے ذرائع

چونکہ قسمت کے احوال بتلانا اور لوگوں کے دلوں کے بھید جاننے کی ٹوہ میں لگنا ایک کاروبار کی شکل اختیار کر چکا ہے اسلئے یہ ضروری ہے کہ اس ضمن میں حقیقت حال واضح کی جائے۔

نمبر ۱ : نجومی اور پامسٹ حضرات ایسی غیبی باتیں بتلاتے ہیں جن کی بُنیاد وہ خبر ہوتی ہے جو جنات، فرشتوں کے کلام سے چُرا کر اُن کے کانوں میں ڈال دیتے ہیں۔ جسے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں بیان فرمایا:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ: "کچھ لوگوں نے نبی ﷺ سے کاہنوں کے بارے

میں سوال کیا آپ ﷺ نے فرمایا وہ کچھ نہیں ہیں، انہوں نے عرض کیا اے اللہ ﷻ کے رسول ﷺ بعض اوقات تو وہ ٹھیک بات بتا دیتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا اس ٹھیک بات کو کبھی کوئی جن (جب فرشتے بادلوں میں آ کر اُس حکم کا تذکرہ کرتے ہیں جو آسمان میں جاری ہوا ہوتا ہے تو) کسی کی بات کو چُرا لیتا ہے تو پھر وہ مرغی کی آواز کی طرح اسے جا کر اپنے دوست کے کان میں پھونک دیتا ہے جو اس کے ساتھ اپنی طرف سے سو جھوٹ ملا کر آگے بیان کرتے ہیں''۔ (صحیح بخاری کتاب الادب حدیث نمبر:6213, صحیح مسلم: حدیث نمبر:5817)

نمبر ۲: آنحضور ﷺ کے دور میں بھی ایسے لوگ موجود تھے جو دل کا حال بتلاتے تھے۔ چنانچہ مدینہ میں ابن صیاد نامی ایک شخص رہتا تھا جو کہانت کے فن سے غیب کی خبریں بتلایا کرتا تھا۔ اس ضمن میں صحیح حدیث ملاحظہ کریں۔

''ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا: کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ ﷻ کا رسول ہوں اس نے رسول اللہ ﷺ کی طرف (غصہ سے) دیکھا اور کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ تو ان پڑھوں کا رسول ہے۔ پھر اس نے کہا کیا آپ گواہی دیتے ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں، رسول اللہ ﷺ نے اسے زور سے دبایا......... پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے تمھارے لئے دل میں ایک چیز چھپائی ہے (بتلاؤ وہ کیا ہے؟) آپ ﷺ نے یہ بات چھپائی تھی: ''جس دن آسمان ظاہر دھوئیں کے ساتھ آئے گا''۔ اس نے کہا وہ ''دخ'' (یعنی دھواں) ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: دور ہو جا تو اپنی حیثیت سے تجاوز نہیں کرسکتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی اے اللہ ﷻ رسول ﷺ کیا آپ اس کے متعلق مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں اسے قتل کر دوں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تو یہ وہی (دجال) ہے تو پھر اس پر غلبہ حاصل نہیں کیا جا سکتا، اور اگر یہ وہ نہیں تو پھر اس کے قتل کرنے میں تیرے لئے کوئی بھلائی نہیں''۔

(صحیح بخاری کتاب الجہاد حدیث نمبر:57-3055, صحیح مسلم: کتاب الفتن)

پس معلوم ہوا ایسے علوم موجود ہیں جن کے ذریعے کسی حد تک دِل کے حالات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ چونکہ ایسی باتوں پر یقین رکھنے سے شرک کا اندیشہ تھا اس لیے آنحضور ﷺ نے ایسے لوگوں سے احوال دریافت کرنے کی سخت ممانعت فرمائی، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"جو شخص کسی نجومی اور کاہن کے پاس آیا اور اُس کے اقوال کی تصدیق کی تو اُس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شُدہ (وحی) کا انکار کیا۔"

(مسند احمد: 2/429، حدیث نمبر: 9536، مستدرک حاکم، 1/8 سندہٗ صحیح)

نمبر ۳ : احوال جاننے کے چند مزید ذرائع

قوت ارادی: ماہرین نفسیات کی تحقیق کے مطابق انسان کی قوت متخیلہ یا قوت ارادی (will power) کو مختلف طریقوں سے بڑھایا جاسکتا ہے۔ یوں غالب قوت ارادی والا شخص اپنے سے کمزور قوت ارادی والے انسان کو اپنی قوت سے متاثر کرسکتا ہے۔ جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اس کے حواس اس کی مرضی کے تابع کام کرنے لگ جاتے ہیں۔: 'Steiner' نے اپنی کتاب (The Way of Initiation) میں یہ بات لکھی ہے کہ: "ہر انسان میں ایسی مخفی قوتیں موجود ہیں جن کی رو سے وہ عالم بالا کا علم حاصل کرسکتا ہے"۔ اسی طرح فن سحر کے بہت بڑے محقق 'Eliphas Levi' کا قول ہے: "جس طرح جسمانی ورزشوں کے ذریعے انسان اپنی جسمانی صلاحیتوں کو محیر العقول درجہ تک لے جاسکتا ہے اور قائم رکھ سکتا ہے اسی طرح روحانی قوتوں کا حال ہے"۔

پاکستان میں (Mind Sciences) کے مشہور ماہر پروفیسر معز حسین بھی قوت ارادی اور (Concentration) کے ذریعے عقل کو عاجز کرنے والے امور پر مہارت رکھتے ہیں۔

علم مسمریزم:

آسٹریا کے مشہور ڈاکٹر مسیمر نے 1780ء میں حیوانی مقناطیسیت کا نظریہ پیش کیا جو بعد میں مسمریزم کے نام سے مشہور ہوا۔ جس کی رو سے حیوانی مقناطیسی اثر سے بغیر دوائی سے کئی امراض کا

علاج کیا جاتا ہے۔اس کے ماہرین کا دعویٰ ہے کہ عامل حضرات معمول پر توجہ ڈال کر روح کو حاضر کرتے ہیں جس سے کئی طرح کی چیزیں معلوم ہوتی ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ ریاضت، مجاہدہ، چلّہ کشی اور مکاشفات کے ذریعے انسان عالم ارواح میں پائی جانے والی کئی قسم کی نیک، شیطانی اور خبیث روحوں کو قابو کرتا ہے پھر ان سے معلومات لیتا ہے۔مسمریزم کے لیے بعدازاں ہپناٹزم کی اصطلاح تعبیر کی گئی۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا تجزیہ!

شاہ ولی اللہؒ اپنے مقالہ ''وصية في النصيحة و الوصية'' میں تیسری وصیت کے تحت لکھتے ہیں:

''اس زمانہ کے کرامات فروش ﴿ الا ماشاء الله ﴾ طلسمات اور فریب سازیوں کو کرامات سمجھے ہوئے ہیں۔خرق عادت امور کی مشہور قسمیں اشراف ﴿دوسروں کے دلوں کے ارادے معلوم کرنا﴾ اور آئندہ کے واقعات کا انکشاف ہے اور اس اشراف وانکشاف کے بے شمار طریقے ہیں۔ازاں جملہ نجوم اور رمل کا علم بھی ہے اور اپنی مختلف قسموں میں کہانت بھی ہے اور یہ فن بہت وسیع ہے، کبھی جنوں کی حاضری سے اور کبھی اُن کی حاضری کے بغیر بھی اور ازاں جملہ ایک طلسم کا باب بھی ہے اور جوگ کے عمل بھی ہیں۔کہ جوگیوں کی بعض نظروں میں اشراف اور کشف کے سلسلہ میں پوری خاصیت ہے۔کسی کام پر ''توجہ دینا'' کسی مہیب شکل میں ظاہر ہونا، اپنے دل کا دباؤ کسی کے دل پر ڈالنا اور طالب کو مسخر کرنا، یہ سب فریب آفرین فنون میں سے ہیں۔ایسی چند نگاہیں اور ملاحظات ہیں جو اس مقام تک پہنچا دیتے ہیں۔صلاح وفساد، سعادت وشقاوت اور مقبول یا مردود ہونا یہاں کوئی فرق پیدا نہیں کرتا اور ایسے ہی حاضرین میں وَجد اور شوق، بیقراری اور مسرت کوئی وزن نہیں رکھتی۔ان کوائف کا منشاء اور محرک قوت بہیمیہ (حیوانیت) ہے، لہٰذا جس کی حیوانیت قوی تر ہے اس کا وَجد بھی پُر جوش ہوتا ہے، البتہ یہ اعمال اور ایسے افعال بعض نیک لوگ بھی کسی نیک نیت پر کرتے ہیں اور یہ چیز ان اعمال کو کرامات نہیں بنا دیتی۔ہم نے بہت سے سادہ لوحوں کو دیکھا ہے کہ جب ایسے اعمال

کسی شیخ میں دیکھ پاتے ہیں تو ان کو عین ''کرامت'' یقین کر لیتے ہیں۔

شاہ صاحب کے درج بالا اقتباس سے معلوم ہوتا ہے:

مندرجہ ذیل علوم وفنون ایسے ہیں جن سے دل کے احوال کا علم ہوتا ہے۔

(۱) علمِ نجوم یا جوتش......(۲) علم رمل......(۳)......کہانت اور اس کی مختلف اقسام......
(۴)......علمِ طلسمات یا جادوگری......(۵)......جوگ اور اس کی مختلف اقسام یعنی توجہ ڈالنا یا علم مسمریزم اور ہپنا ٹزم وغیرہ۔ یہ سب علوم وفنون غیر شرعی ہیں اور اکتساب سے حاصل کیے جاتے ہیں۔

ان مشاہدات کی بنا پر:

ان مشاہدات پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے نفع ونقصان ان بتوں یا آستانوں یا مجاوروں کے تصرف میں ہیں یوں لوگ شرک کی اتھاہ گہرائیوں میں پھنستے چلے جاتے ہیں۔ ہمیں خود کئی لوگ یہ بات بتلا چکے ہیں کہ فلاں فلاں مزار سے بزرگ خود باہر نکل کر ہمیں ملتے ہیں جبکہ جن لوگوں نے یہ بات ہمیں بتلائی وہ غیر شرعی افعال میں ملوث ہیں۔ سلفی مکتب فکر کے امام ابن تیمیہؒ نے اپنی کتاب الوسیلہ میں یہ بات بیان کی ہے کہ:

> ''بعض لوگوں نے ان کو بتلایا کہ وہ یعنی ابن تیمیہؒ خود اڑتے ہوئے ہمارے پاس آئے اور حاجات دریافت کیں جبکہ وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے اس کی خبر تک نہ تھی۔''

کشف والہام۔ احتیاط کی ضرورت

دین کی اصل بنیاد تو شریعت کی تعلیمات ہیں نہ کہ کشف والہام۔ اگر کسی پر کوئی ایسی چیز ظاہر ہو تو اسے قرآن وسنت کی تعلیمات کو رہنما بناتے ہوئے سمجھنا چاہیے۔ بہر کیف اس ضمن میں آنحضور ﷺ کی تعلیمات سے یوں رہنمائی ہوتی ہے۔

(1) ''نبوت میں سے صرف مبشرات باقی رہ گئے ہیں۔صحابہ نے عرض کیا مبشرات سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اچھے خواب۔''

(صحیح بخاری، کتاب التعبیر ،حدیث نمبر 6990)

یہ صحیح ذریعہ ہے جسکی آپ ﷺ نے خبر دی۔ باقی نجومی اور کاہن وغیرہ جن ذرائع سے غیبی خبریں دیتے ہیں اُن کی آنحضور ﷺ نے سخت ممانعت فرمادی ہے۔

(2) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(لقد كان فيما قبلكم من الامم محدَثون فان يلك احد في امي فانه عمر) (صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی، صحیح مسلم، کتاب)

ترجمہ: ''تم سے پہلی امتوں میں محدَث ہوا کرتے تھے۔ اگر میری امت سے کوئی شخص ہوا تو وہ عمر (رضی اللہ عنہ) ہوگا۔

یاد رھے : محدِث (زیر کیساتھ) اسے کہتے ہیں جو حدیثیں بیان کرے اور محدَث (زبر کیساتھ) کا معنی ہے جس پر الہام ہو۔

مذکورہ حدیث مبارک سے دو باتیں واضح ہوئیں:

(۱) سابقہ امتوں میں سے بعض لوگوں پر الہام ہوتا تھا۔ (۲) اگر آنحضور ﷺ کی امت میں کسی پر ہوتا تو وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر ہوتا۔ چونکہ آپ ﷺ پر دین کی تکمیل آخری درجے تک کر دی گئی ہے اور ہر چیز کی پوری تفصیل نازل ہو چکی ہے شاید اسی لیے آپ ﷺ کی امت کے لیے اس سلسلے کی ضرورت نہ رہی ہو۔ بہر کیف ایسی چیزوں سے احتیاط کی ضرورت ہے۔ بہتری اسی میں ہے کہ شک سے پاک تعلیمات وحی کو بنیاد بنایا جائے کیونکہ کشف والہام کی بنیاد پر کئی لوگ بالآخر اپنا نقصان کر بیٹھے ہیں جسکی بڑی مثال مرزا غلام احمد قادیانی ہے جو کشف والہام کی بنیاد پر مقام نبوت تک پہنچنے کا دعویدار ہوا چنانچہ اس نے ابتداء میں یہ دعویٰ کیا کہ۔

"ہمارے سید رسول اللہ ﷺ، خاتم الانبیاء ہیں اور بعد آنحضرت کوئی نبی نہیں بن سکتا۔ اس لیے شریعت میں نبی کے قائمقام محدث رکھے گئے ہیں۔ (شہادت القرآن ص۔28)

اس بیان میں اس نے محدث ہونے کا دعویٰ کیا ہے حالانکہ اسکی تردید آنحضور ﷺ خود فرما چکے ہیں جسے آپ نے اوپر ملاحظہ کیا۔ ایک اور جگہ کہا۔

"میں نے لوگوں سے سوائے اسکے جو میں نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے اور کچھ نہیں کہا کہ میں محدث ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے اس طرح کلام کرتا ہے جس طرح محدثین سے" (حمامتہ البشریٰ ص۔96)

اسکے بعد اس نے مزید دعویٰ کیا۔

"میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ان الہامات پر اسی طرح ایمان لاتا ہوں جیسا کہ قرآن شریف پر اور خدا کی دوسری کتابوں پر اور جسطرح میں قرآن شریف کو یقینی اور قطعی طور پر خدا کا کلام جانتا ہوں اسی طرح اس کلام کو بھی جو میرے اوپر نازل ہوتا ہے خدا کا کلام یقین کرتا ہوں۔ (حقیقت الوحی صفحہ۔11)

چنانچہ اس کے بعد رفتہ رفتہ اس نے ظلی نبی امتی نبی، مجازی نبی، مسیح موعود وغیرہ جیسے دعوے کر دیئے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم سب کو یقینی تعلیمات (قران وسنت) پر ثابت قدم رکھے اور اسی پر چشمہ ہدایت سے رہنمائی حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

ایسا کیوں ہوتا ہے؟:

جو لوگ اللہ ﷻ ورسول ﷺ کے رستے کو نہ اپنائیں، تعلیمات الٰہی کو بنیاد بنانے کی بجائے عقل کو عاجز کر دینے والے امور کی طلب کریں اور انہیں بنیاد بنائیں یا حق واضح ہو جانے پر بھی اُسے قبول نہ کریں تو اللہ ﷻ بطور تدبیر ان کی ہدایت سلب فرمالیتا ہے اور اُنھیں شیاطین کے سپرد کر دیتا ہے اس حوالے سے بہت ساری آیات ہیں صرف دو آیات پر غور کریں ارشاد ہے:

☆ ﴿وَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (الاعراف، آیت:182)

ترجمہ: ''اور جو لوگ ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں انھیں ہم بتدریج لے جائیں گے (تباہی کی طرف) ایسے طریقے سے کہ انھیں خبر تک نہ ہو گی''

☆ ﴿ وَ نُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَ اَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ یُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ نَذَرُهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ۠ ﴾ (انعام، آیت:110)

ترجمہ: ''اور ہم بھی ان کے دلوں اور نگاہوں کو پھیر دیں گے جیسا کہ یہ لوگ اس پر پہلی دفعہ ایمان نہ لائے اور ہم چھوڑ دیں گے انھیں کہ اپنی سرکشی میں حیران بھٹکتے رہیں۔''

مرضی آپ کی! قطعی علم قرآن و سنت اور لوگوں کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کی بنیاد پر حقائق آپ کے لیے پیش کر دیے گئے ہیں۔ یہ حقیقت بھی آپ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ سابقہ امتوں کا بتوں اور مزارات کو پوجنا خوارق عادت امور کی بنا پر تھا اور یہ چیزیں ہی شرک اکبر کی بنیادی وجہ بنیں۔ شرک کی سنگینی بھی باب۔۲ میں آپ ملاحظہ کر چکے ہیں۔ اب مرضی آپ کی اپنی ہے۔ دنیا میں آپ آزاد ہیں جس رستے کو آپ پسند کریں گے اسی میں آپ کے لیے راہیں کھلتی جائیں گی جس کا انجام آخرت میں سامنے آئے گا۔ اگر اپنا بھلا چاہتے ہیں تو ایسے واقعات کو بنیاد بنانے کی بجائے قرآن و سنت کو رہنما بنا لیں۔

رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر ہمارا کوئی خیر خواہ نہیں اس لیے جن چیزوں سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے ان میں کتنا ہی نفع نظر آتا ہو ہرگز عمل نہ کریں۔ ورنہ ایمان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔ جب ابلیس انسانی صورت میں آ کر احادیث سنا سکتا ہے تو پھر بہت کچھ ممکن ہے۔ تباہی سے بچنے کا واحد ذریعہ قرآن و سنت ہے۔ ہر چیز کو اس کسوٹی پر پیش کیا جائے اگر خلاف ہو تو فوراً پیچھے ہٹ جائیں چاہے کتنا ہی فائدہ نظر آتا ہو۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

☆ ((اوصانی خلیلی أن لا تشرك بالله شيئا و ان قطعت و حرقت))

(سنن ابن ماجہ ''کتاب الفتن'' حدیث نمبر 4034)

ترجمہ: "میرے انتہائی مخلص دوست (رسول اللہ ﷺ) نے مجھے وصیت فرمائی کہ اللہ ﷻ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا خواہ تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جائیں یا تجھے جلا دیا جائے"۔

پیارے بھائیو! دنیا کی تھوڑی سی تکالیف برداشت کر لو کتنا ہی فائدہ حاصل ہوتا ہو کبھی غیر شرعی طریقہ نہ اپنائیں انشا۔اللہ تعالیٰ پروردگار آپ کو کسی اور ذریعہ سے عافیت دے دے گا۔ یہ بات مشاہدہ میں آئی ہے کہ اگر آپ ان غیر شرعی طریقوں سے اجتناب کریں گے تو اللہ ﷻ آپ کو ان چیزوں کی حاجت ہی نہیں رہنے دے گا۔ جب آپ کا اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہو گا اور صبر کریں گے تو وہ آپ کا مددگار بن جائے گا۔ اس کے برعکس غلط طریقوں سے استمداد لینے سے مصائب اور تکالیف کا نہ ختم ہونے والا تسلسل شروع ہو جائے گا اور آپ دن بدن اس جال میں پھنستے چلے جائیں گے اور دنیا کے ساتھ ساتھ دین بھی برباد ہو جائے گا۔ کتنے جانور، پرندے، مچھلیاں وغیرہ ہیں جن کی زندگی کو اللہ ﷻ سلامت بھی رکھے ہوئے ہے اور رزق بھی دے رہا ہے۔ ہم بھی اللہ ﷻ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمیں بھی تھوڑا سا توکل اور صبر عنایت فرما دے۔ (آمین)

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کی احتیاط

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے کشف و کرامات کی بجائے شریعت کے ساتھ چمٹے رہنے پر ہی زور دیا چنانچہ آپ رحمہ اللہ نے مکتوبات میں فرمایا! "اگر کوئی کشف دن کی سفیدی سے زیادہ روشن ہو لیکن اگر بال برابر بھی شریعت کے خلاف ہو تو وہ رات کی تاریکی سے بدتر ہے"

قبروں سے فریاد رسی کرنا تو بال برابر نہیں بلکہ مکمل طور پر شریعت کے خلاف ہے پھر اس قسم کے واقعات کی بنا پر شرک جیسا عظیم خطرہ کیوں مول لیا جائے؟ اسی طرح کچھ لوگوں نے آپ رحمہ اللہ سے سوال کیا کہ:

سماع کے ساتھ اگرچہ نعتیہ قصیدے منع ہیں لیکن برادر عزیز میر نعمان اور کئی لوگوں نے آنحضرت ﷺ کو خواب میں دیکھا ہے کہ مجلس مولود خوانی سے بہت خوش ہیں۔ اس وجہ سے اب ہمارے لیے اس کام کو ترک کرنا بہت مشکل ہے۔ اس پر آپ رحمہ اللہ نے فرمایا!
''کہ شیطان بڑا بھاری دشمن ہے جب منتہی اس کے مکر سے لرزاں اور ترساں ہیں تو پھر متوسطوں اور مبتدیوں کا کیا کہنا'' مزید یہ کہ آپ رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ شیطان تو آپ ﷺ کی صورت میں متمثل نہیں ہوسکتا؟ فرمایا حضور ﷺ کی صورت اختیار نہیں کرسکتا (لیکن کسی بھی اور صورت میں آ کر یہ کہہ سکتا ہے کہ میں تیرا نبی ہوں)

(مکتوبات نمبر: 273، ص۔ 585-586، جلد اول، مترجم، ضیاالقرن پبلی کیشنز، 2004)

آج بھی ! کئی لوگ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ہمیں خود رسول ﷺ نے خواب میں آ کر فرمایا کہ قادیانی مذہب حق ہے اسے قبول کرلو وغیرہ وغیرہ۔

ابلیس کا آلہ کار بننے والے لوگ: جو اللہ ﷻ پر بھروسہ رکھیں وہ اس کے فتنے سے محفوظ رہتے ہیں اور جو شرک کریں اور رب پر بھروسہ نہ کریں ان پر شیاطین نازل ہوتے ہیں۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

- ﴿ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ٥ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَ الَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ٥﴾ (النحل۔ آیت: 99-100)

ترجمہ: ''ایمان والوں اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھنے والوں پر اس کا (شیطان) زور مطلقاً نہیں چلتا۔ ہاں اس کا غلبہ تو ان لوگوں پر یقیناً ہے جو اس سے یارانہ گانٹھتے ہیں اور جو اللہ ﷻ کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔''

اُسوۂ حسنہ سے رہنمائی

خود رسول اللہ ﷺ مصائب و آلام میں اللہ ﷻ سے دُعا کرتے چنانچہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

"جب کبھی بھی رسول اللہ ﷺ کو کوئی تکلیف و پریشانی پہنچتی تو آپ ﷺ کا تکیہ کلام یہی ہوا کرتا تھا: ﴿يا حي يا قيوم برحمتك استغيث﴾ (ترجمہ: اَے خود سے زندہ، ہر شے کو تھامنے والے میں تیری رحمت کے ساتھ تیری مدد کا سوال کرتا ہوں)۔"

(جامع ترمذی "ابوب الدعوات" حدیث نمبر 3524 ، المستدرک للحاکم "کتاب الدُعا" حدیث نمبر 1828)

رسول اللہ ﷺ نے بارش کے لیے کبھی میکائیل علیہ السلام کو نہ پکارا۔ آندھی، طوفان اور سورج گرہن وغیرہ میں مسجد تشریف لے جاتے اور جب تک خطرہ ٹل نہ جاتا باہر تشریف نہ لاتے۔ کبھی کسی فرشتہ کو نہ پکارا ہمیشہ اللہ ﷻ سے دُعا کی اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی اِسی کا درس دیا۔ وہ کیسے گوارا کریں گے کہ ان کے اُمتی اُس طاقتور وتوانا پروردگار کو چھوڑ کر دربدر کی ٹھوکریں کھاتے پھریں۔ کاش ہم تفکر کریں۔ یقیناً جو محبت آپ ﷺ کو اپنے رب سے تھی اس کی مثال نہیں ملتی، ہر مشکل، پریشانی میں کس طرح اپنے رب کو پکارا اُس کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دُعا کیا کرتے تھے:

☆ "اے اللہ! میں نے تیری اتباع اختیار کی، میں تجھ پر ایمان لایا، تجھ پر بھروسہ کیا۔ تیری طرف رجوع کیا، تیری توفیق سے (دشمنوں کے ساتھ) جھگڑا کیا: اے اللہ! میں تیری عزت وغلبہ کی پناہ چاہتا ہوں کہ تو مجھے گمراہ کردے، تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں، تو زندہ ہے، جسے موت نہیں آئے گی جبکہ جن اور انسان فوت ہو جائیں گے۔"

(صحیح بخاری "کتاب الدعوت" حدیث نمبر 6317، صحیح مسلم "کتاب الذکر والدُعا" حدیث نمبر 6899)

☆ "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ لوگ تو بادل دیکھ کر خوش ہوتے

ہیں کہ بارش ہوگی لیکن آپ ﷺ کے چہرہ (انور) پر اس کے برعکس تشویش کے آثار نظر آتے ہیں؟ فرمایا! عائشہ (رضی اللہ عنہا) اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ اس بادل میں عذاب نہیں ہوگا جبکہ ایک قوم ہوا کے عذاب سے ہی ہلاک کر دی گئی اس نے بھی بادل دیکھ کر کہا تھا! ''یہ بادل ہے جو ہم پر بارش برسائے گا۔''

(صحیح بخاری ''کتاب التفسیر'' حدیث نمبر 4829 ، صحیح مسلم ''کتاب الصلوٰۃ الاستسقاء'' حدیث نمبر 2085)

ابو یسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دعا کیا کرتے تھے:

☆ ﴿اللھم انی اعوذبك من العدم و اعوذبك من التردی ومن الغرقِ و الحرم﴾

ترجمہ: ''اے اللہ ﷻ میں تیری پناہ چاہتا ہوں کہ کوئی عمارت مجھ پر گر پڑے، میں کسی اونچی جگہ سے گرنے، ڈوب جانے، جل جانے اور بڑھاپے سے تیری پناہ چاہتا ہوں''۔

(سنن ابی داود ''کتاب الصلوۃ'' حدیث 1552 ، سنن نسائی ''کتاب الاستعاذہ'' حدیث 5533)

یہ رب کی محبت، یقین کامل کے ثمرات اور رب پر توکل کی ایک جھلک ہے جو آپ نے ملاحظہ کی۔ ہم ضرور سوچیں کہ ہم کیا کر رہے ہیں؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اُسوہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ ﷻ نے اپنا خلیل بنالیا ہے اور ان کی جزوی فضیلت کے بیان کے لیے فرمایا کہ وہ ''حنیفا'' (یکسو یا سب سے ٹوٹ کر کسی ایک کا ہو جانا) تھے اور خصوصی ٹائٹل ﴿ ما کان من المشرکین ﴾ کے ساتھ تذکرہ فرمایا۔ حالانکہ صرف چند لوگ آپ پر ایمان لائے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

◆ ﴿ قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ۚ وَ مَا كَانَ مِنَ

الْمُشْرِكِيْنَo ﴾ (انعام۔آیت: 161)

ترجمه: ''(اے نبی ﷺ) فرمادیجیے کہ مجھ کو میرے رب نے ایک سیدھا راستہ بتادیا ہے، وہ ایک دین مستحکم ہے جو طریقہ ہے ابراہیم (علیہ السلام) کا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف یکسوئی اختیار کرلی تھی اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے۔''

- وَ مَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَ هُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَ اتَّخَذَاللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًاo (النساء۔آیت:125)

ترجمه: ''اور کس کا دین اس سے بہتر؟ جس نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکا دیا ہو اور وہ نیکوکار بھی ہو اور یکسو ہوکر پیروی کر رہا ہو ابراہیم (علیہ السلام) کے طریقے کی اور ابراہیم (علیہ السلام) کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیل چن لیا ہے۔''

یہ دعوت عام ہے ہر ایک کے لیے جو عظیم ترین کامیابی اور رفعتوں کا خواہاں ہو۔اس پر ضرور تفکر کریں۔

قصہ مختصر وہ ابراہیم علیہ السلام ہی تھے جو بے خطر آگ میں کود پڑے اور فرشتوں کی مدد بھی نہ لی پھر پروردگار نے آگ کو حکم دیا ﴿**قلنا یانار کونی بردا و سلما علی ابراھیم**﴾ ''اور ہم نے آگ کو حکم دیا ابراہیم (علیہ السلام) پر ٹھنڈی ہو جا سلامتی والی۔''

دلوں میں چھپے بھید جاننا

طبرانی کی ایک روایت میں ہے: ((**اتقوا فراست المومن فانه ینظر بنور الله**))۔''مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے''۔ (المعجم الکبیر للطبرانی:7369)

اس روایت سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ مومنین لوگوں کے دلوں کے حالات سے آگاہ ہوتے ہیں۔

ازالہ: انشاءاللہ اِس کے دونوں پہلو بیان کریں گے۔ تفصیل میں جانے سے پہلے اِس روایت کے متعلق محدثین کی رائے ملاحظہ کریں: جمہور محدثین کے نزدیک یہ روایت موضوع یا ضعیف ہے چنانچہ:

- امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی اسماء الرجال کی کتاب التاریخ الکبیر میں اِس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔ دیکھیے حوالہ (354/1/4)
- امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ (تاریخ دمشق)
- دیگر محدثین نے بھی اسے ضعیف یا موضوع قرار دیا۔

مزید وضاحت:

ہمارا اِس چیز پر ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ بطور خرقِ عادت جب چاہے ضرورت کے تحت اپنے بندوں پر حالات منکشف فرمادے۔ اِس ضمن میں جو چیزیں سند کے ساتھ آئی ہیں اُن پر ہم ایمان رکھتے ہیں اور جن کی سند نازل نہیں ہوئی اُن کے بارے میں محتاط رہتے ہیں کیونکہ ایسی چیزوں کا تعلق عقائد کے ساتھ ہے۔ باقی مذکورہ روایت کی بنیاد پر جو عقائد لوگوں میں موجود ہیں اُس کے مطابق عمومی طور پر مومنین لوگوں کے دلوں کے حالات سے آگاہ ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ صفت اللہ تعالیٰ کی ہے، پھر بھی اگر سند کے ساتھ ایسی چیز ثابت ہو تو ہمیں تسلیم کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ جب ہم اللہ ﷻ و رسول ﷺ کی تعلیمات دیکھتے ہیں تو عموماً حالات اِس کے برعکس نظر آتے ہیں۔ بالخصوص صحابہ کرام جو یقیناً مومنین میں شامل تھے، اگر بات ایسے ہی ہوتی تو ہزاروں صحابہ کرام باہمی اختلافات کی بنیاد پر آپس میں لڑتے ہوئے شہید نہ ہوتے۔ جید صحابہ کرام کئی کئی سال اُن تک احادیث نہ پہنچنے کی بنا پر ایسے فیصلے دیتے رہے جو احادیث کے مطابق نہ تھے۔ جونہی حدیث پہنچتی رجوع کر لیتے جیسے مُتعہ وغیرہ (دیکھیے شرک فی الاطاعت)۔

اس میں شک نہیں کہ لوگ دلوں کے حالات وغیرہ کا کھوج لگانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن یہ عمل خدا اور رسول ﷺ کے ہاں کیسا ہے ملاحظہ کریں۔اس ضمن میں آنحضور ﷺ کی صحیح حدیث ہے:

﴿ انی لم او مر ان انقب قلوب الناس ولا اشق بطونهم ﴾

ترجمہ: ''مجھے لوگوں کے دلوں کے کھوج لگانے کا حکم نہیں دیا گیا اور نہ اس بات کا حکم ملا ہے کہ میں ان کے پیٹوں کو چاک کروں۔''

(صحیح بخاری''کتاب المغازی'' حدیث نمبر 4351)

چند دِن پہلے ایک حیران کُن روایت نظر سے گزری ہے۔ملاحظہ کریں اور عبرت حاصل کریں:

سیدنا عبداللہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ **حضرت عمر بن خطاب** رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں لوگوں کا وحی کے ذریعہ مواخذہ ہو جاتا تھا۔لیکن اب وحی کا سلسلہ ختم ہو گیا اور ہم صرف انہیں امور میں مواخذہ کریں گے جو تمہارے عمل سے ہمارے سامنے ظاہر ہوں گے۔اس لئے جو کوئی ظاہر میں ہمارے سامنے خیر کرے گا، ہم سے امن دیں گے اور اپنے قریب رکھیں گے۔اس کے باطن سے ہمیں کوئی سروکار نہ ہوگا۔اس کا حساب تو اللہ تعالیٰ کرے گا اور جو کوئی ہمارے سامنے ظاہر میں برائی کرے گا تو ہم بھی اسے امن نہیں دیں گے اور نہ ہم اس کی تصدیق کریں گے خواہ یہی کہتا رہے کہ اس کا باطن اچھا ہے''

(صحیح بخاری، کتاب الشھادت)

اگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے صورت حال ایسی ہے تو باقی لوگوں کے متعلق ایسے عقائد کی گنجائش کیسے نکل سکتی ہے۔

اللہ جل جلالہ ستار ہے، جو لوگوں کے عیب چھپانے والا ہے، اسی کا لوگوں کو حکم دیا۔وہ یہ کیسے برداشت کرے گا کہ لوگوں کے دلوں میں جھانکا جائے۔حقیقت حال سے آگاہ ہونے کے لئے

میدان محشر کی صورت حال ملاحظہ کریں:

ترجمہ: ''صفوان بن محرز مانی بیان کرتے ہیں کہ میں عبداللہ بن عمر کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے جا رہا تھا کہ ایک شخص سامنے آیا اور پوچھا (سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کہ) رسول کریم ﷺ سے آپ نے (قیامت کے دن بندوں اور پروردگار کے درمیان ہونے والی) سرگوشی کے متعلق کیا سنا ہے؟ عبداللہ بن عمر نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ مومن کو اپنے نزدیک بلالے گا اور اس پر اپنا پردہ ڈال دے گا اور اسے چھپا لے گا (تاکہ بروز قیامت بھی اسکے گناہ دوسرے لوگوں پر ظاہر نہ ہوسکیں)۔ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کیا تجھ کو فلاں گناہ یاد ہے؟ کیا فلاں گناہ تجھ کو یاد ہے؟ مومن عرض کرے گا ہاں اے میرے پروردگار۔ آخر جب وہ اپنے گناہوں کا اقرار کرلے گا اور اسے یقین آجائے گا کہ اب وہ ہلاک ہوا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے دنیا میں تیرے گناہوں پر پردہ ڈالا اور آج بھی میں تیری مغفرت کرتا ہوں۔ چنانچہ اسے اسکی نیکیوں کی کتاب دے دی جائے گی لیکن کافر اور منافق کے متعلق ان پر گواہ کہیں گے کہ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار پر جھوٹ باندھا تھا۔ خبردار ہو جاؤ ظالموں پر اللہ کی پھٹکار ہوگی''

(بخاری، 2441 ظلم کرنے کی مذمت، ابواب التفسیر، مسلم توبہ کا بیان 7015)

یعنی کفار جو علانیہ خدا اور رسول کی تعلیمات کا انکار کرتے تھے ان کے کفر کے متعلق لوگ گواہی دے دیں گے۔

شاید اسی لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں یعنی کافروں پر کفر کا فتویٰ صادر فرمایا اور صحابہ کرام ایسے لوگوں کو قتل کرنے کے درپے رہتے تھے۔

قرآن مجید میں درجنوں واقعات اس غلط عقیدہ کی حقیقت آشکار کرنے کے لیے رب

کریم نے کھول کھول کر بیان فرمائے ہیں جن کی تفصیل کے لیے مکمل کتاب درکار ہے۔عبرت کے لیے صرف تین واقعات ملاحظہ کریں۔

نمبر ۱: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ﴾ (المجادلہ: آیت۔1)

ترجمہ: ''یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سن لی جو آپ ﷺ سے اپنے شوہر کے بارے میں تکرار کر رہی تھی اور اللہ تعالیٰ کے آگے شکایت کر رہی تھی، اللہ تعالیٰ تم دونوں کے سوال وجواب سن رہا تھا، بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا ہے''۔

شانِ نزول: ایک عورت اپنے خاوند کی شکایت لے کر آنحضور ﷺ کے پاس آئی وہ بحث وتکرار کر رہی تھی آپ ﷺ نے کچھ توقف فرمایا جس پر مذکورہ آیات نازل ہوئیں۔ ''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کس طرح لوگوں کی باتیں سننے والا ہے کہ یہ عورت گھر کے ایک کونے میں نبی ﷺ سے مجادلہ کرتی رہی اور اپنے خاوند کی شکایت کرتی رہی مگر میں اس کی باتیں نہیں سن (سکتی) تھی لیکن اللہ ﷻ نے آسمانوں پر سے اس کی بات سن لی'' (سنن ابن ماجہ: المقدمہ)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے چونکہ خود اقرار کیا ہے میں قریب ہو کر بھی بات نہ سن سکی اسلئے اسکی تاویل کرنا بھی ممکن نہیں۔ یقیناً سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا علم وعمل اور ایمان کے اعتبار سے بلند ترین مقام پر فائز تھیں ان کے ساتھ اگر ایسا معاملہ نہ ہو سکا تو بعد والے لوگوں کے بارے میں کیوں ایسا عقیدہ بنا لیا گیا۔ اہلِ عقل کے لیے اس واقعہ میں بڑی عبرت ہے۔

نمبر ۲: جب فرشتہ مرض کی شکل میں حضرت مریم علیہا السلام کے پاس آیا تو آپ بہت غمگین ہوئیں اور فرمایا:

﴿قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا﴾ (سورہ مریم، آیت:18)

ترجمہ: ''(مریم علیہا السلام) نے کہا میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو کچھ بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہے''۔

اِس کے بعد فرشتے نے بتایا کہ میں اللہ تعالیٰ کا قاصد ہوں اور بیٹا دینے آیا ہوں۔ کیا اب بھی قرآن وسنت کے خلاف عقائد پر زندگی بسر کی جائے گی؟

نمبر ۳: جب فرشتے خوبصورت بے ریش نوجوانوں کی شکل میں حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے تو حضرت لوط علیہ السلام بہت غمگین ہوئے اور شدید پریشانی لاحق ہوئی۔ اِسی اثناء میں لوط علیہ السلام کی قوم کے لوگ غلط عزائم کے ساتھ وہاں آ پہنچے جس پر حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا اے لوگو! اللہ سے ڈرو اور مجھے میرے مہمانوں کے بارے میں رُسوا نہ کرو۔ جب اُن لوگوں نے بات نہ مانی تب آپ نے کہا:

﴿قَالَ لَوْ اَنَّ لِیْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِیْۤ اِلٰی رُكْنٍ شَدِیْدٍ﴾ (سورہ ہود، آیت:80)

ترجمہ: ''لوط (علیہ السلام) نے کہا کاش کہ مجھ میں تم سے مقابلہ کرنے کی قوت ہوتی یا میں کسی زبردست کا آسرا پکڑ پاتا''۔

اِس کے بعد فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام پر یہ بات ظاہر کر دی کہ ہم فرشتے ہیں اور ناممکن ہے کہ یہ لوگ آپ تک پہنچ پائیں اِس کے بعد قوم لوط پر عذابِ الٰہی نازل ہوا

(دیکھیے سورہ ہود، آیت:77 سے 83)۔

اگر آپ صحابہ کرامؓ کی زندگیوں کا مطالعہ کریں تو آپ پر حقیقت بالکل آشکار ہو جائے گی۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قاتل ابولولوء دورانِ نماز محراب میں چھپا ہوا تھا جس نے نماز کی حالت میں آپ پر حملہ کیا اور کئی صحابہ کرام کو زخمی کرتا ہوا بھاگ گیا۔ یہ زندگی اللہ تعالیٰ نے آزمائش کے لیے بنائی ہے جس میں انسان کی عظمت اور مقام و مرتبہ کا تعلق دین پر استقامت میں ہے نہ کہ خرق

عادت امور پر۔

پیارے مسلمان بھائیو! جو حقیقت تھی آپ کے سامنے پیش کر دی گئی۔ قرآن وسنت کی تعلیمات مذکورہ حدیث کے برعکس ہیں۔ عموی طور پر مومنین کے لیے اِس عقیدہ کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ چاہیں خرقِ عادت کے طور پر جو امور ظاہر فرمانا چاہیں ظاہر فرمادیں اِس ضمن میں جو چیزیں سند کے ساتھ آئی ہیں ہم اپنے آپ کو انہیں تک محدود رکھتے ہیں۔

فرشتے کا بیٹا دینا: ارشاد ربانی ہے:

ترجمہ: ''اس نے جواب دیا کہ میں تو اللہ کا بھیجا ہوا قاصد ہوں، تجھے ایک پاکیزہ لڑکا دینے آیا ہوں۔'' (مریم، آیت:19)

اس آیت کریمہ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتے کو بچے کی خوشخبری کی نوید سنانے کے لیے ذریعہ اور وسیلہ بنا کر بھیجا اس آیت کریمہ میں خوشخبری کے کلمات محذوف ہیں۔ وضاحت کے لیے ایک اور آیت کریمہ پر غور فرمائیں، فرشتے نے کہا:

﴿ يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ن اسْمُهٗ يَحْيٰى لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ﴾ (مریم، آیت:7)

ترجمہ: ''اے زکریا علیہ السلام ہم تجھے ایک بچے کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہے ہم نے اس سے پہلے اس کا ہم نام کسی کو نہیں کیا''۔

ان آیات سے یہ استدلال کرنا کہ اللہ بھی بیٹے عطا کرتا ہے اور فرشتے بھی بیٹے عطا کرتے ہیں، افسوسناک ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک ولی کون....؟ لوگوں کے نزدیک ولی صرف وہی ہے جو عقل سے ماوراء امور ظاہر کر کے دکھلائے اور جو ایسا نہ کر سکے وہ چاہے کتنا ہی پرہیزگار کیوں نہ ہو اسے ولی تسلیم نہیں کیا جاتا جبکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝﴾ (یونس: آیت: 62-63)

ترجمہ: ''آگاہ ہو جاؤ اولیاء اللہ کو نہ کسی قسم کا خوف ہوگا نہ غم، یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور پرہیز گاری اختیار کی''

معلوم ہوا ولی درحقیقت مومنین اور متقین کا دوسرا نام ہے۔ وہ لوگ جن کا ایمان بھی شرک سے پاک اور اعمال کی بنیاد قرآن وسنت پر ہے۔ جنہوں نے دین میں اپنی مرضی نہیں کی بلکہ اللہ ورسول کی مرضی کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا ہو۔ خود خالق کائنات کی طرف سے ولی اللہ کی بابت وضاحت کے بعد ایمان والوں کے لئے شک کی گنجائش باقی نہیں۔ کاش ہم پروردگار کی اس بات پر یقین کر لیں۔

باب ۱۲

شرک فی الحقوق: ﴿نذر ومنت﴾

آج سائنس کی بدولت اشیاء کے متعلق حقائق واضح ہونے پر شرک کے ظلم عظیم ہونے کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ جب یہ صداقت سامنے آئی کہ گوشت (پروٹین) کا ایک ذرہ خود سے بننے کے لیے اس کائنات سے کروڑوں گنا بڑی جگہ چاہیے جہاں اربوں سال اللہ کے پیدا کردہ پہلے سے موجود عناصر عمل کرتے رہیں تو شاید گوشت کا ایک ذرہ خود بخود بن جائے۔ وہ اللہ ہی ہے جو انسانی بچے سمیت دیگر مخلوقات کے بچوں میں اربوں گوشت کے ذرات بناتا ہے اور اسی نے ہمارے لیے طرح طرح کے پھل اور اناج پیدا کیے جبکہ تمام مخلوقات مل کر بھی کسی اناج کا ایک دانہ نہیں بنا سکتے۔ اسلیے وہی یہ حق رکھتا ہے کہ پیداوار میں صرف اسی کے نام کا حصہ نکالا جائے۔

اپنے مال و جائیداد، زمین کی پیداوار اور جانوروں میں سے حصہ نکالنا نذر و نیاز کہلاتا ہے۔ اسی طرح یہ کہنا کہ میرا فلاں کام ہو جائے تو اللہ ﷻ کے لیے دیگ وغیرہ اتاروں گا اسے منت یا نذر کہتے ہیں۔ یہ مالی عبادات ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہیں۔ چند آیات ملاحظہ ہوں:

- ﴿وَ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ وَ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝﴾(البقرہ:270)

ترجمہ: ''اور تم جو کچھ اللہ ﷻ کی راہ میں خرچ کرتے ہو یا کوئی منت مانتے ہو تو اللہ ﷻ بے شک اُسے جانتا ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا''

- ﴿وَ يَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ تَاللّٰهِ لَتُسْئَلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ۝﴾(النحل آیت:56)

ترجمہ: ''اور ٹھہراتے ہیں یہ مشرکین ہماری دی ہوئی روزی میں سے ایک حصہ ان کے نام پر جن کو ان کی نذر و نیاز دینے کا کوئی علم نہیں، اللہ ﷻ کی قسم! تم جو افترا بازی کرتے ہو اس کے بارے میں تم سے ضرور پوچھا جائے گا''۔

اس آیت کریمہ میں مشرکین مکہ جو اپنے مویشی اور کھیتی باڑی میں اپنے معبودوں کا حصہ نکالتے تھے ان پر وعید آئی ہے۔

اسی طرح زائرینِ بیت اللہ کے لیے آیا ﴿وَ لْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ﴾ اور اپنی نذریں پوری کریں (الحج آیت:29)،

پھر الدھر۔7 میں یہ الفاظ یوں آئے ﴿يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ﴾ وہ (مومنین) نذر پوری کرتے ہیں۔

پس معلوم ہوا مشرکین غیر اللہ کی نذر و نیاز دیتے تھے جسے اللہ ﷻ نے حرام قرار دیا کیونکہ ہر شے کا خالق وہ ہے، فصلیں اُگانے والا۔ سورج کی کرنوں سے بارش برسا کر فصلوں کو پکانے والا، باغات اور پھل اُگانے والا، جانور پیدا کرنے والا وہ ہے اس لیے نذر و نیاز بھی اسی کا حق ہے اور اُسی کے نام کی ہونی چاہیے۔

ذبح لغیر اللہ کا حکم

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

- (اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَ الدَّمَ وَ لَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَ مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ) (البقرہ۔آیت:173)

ترجمہ: ''اللہ ﷻ نے تم پر حرام کیا ہے مردار کو اور خون کو اور خنزیر کے گوشت کو اور جس شئے پر اللہ ﷻ کے علاوہ کسی اور کا نام پکارا جائے''۔

- (وَ مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ)(المائدہ۔آیت:3)

ترجمہ: ''اور جسے کسی بُت کے آستانے پر ذبح کیا گیا ہو (تم پر حرام ہے)''

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **((لعن اللہ من ذبح لغیر اللہ))**

ترجمہ: ''جو شخص غیر اللہ کے (تقرب) کی خاطر ذبح کرے اس پر اللہ ﷻ کی لعنت ہو''

(صحیح مسلم'' کتاب الاضاحی'' حدیث نمبر 5126 ، سُنن نسائی حدیث نمبر 4422)

☆ ''ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: ''ایک شخص نے مقام بوانہ پر اونٹ ذبح کرنے کی

نذر مانی اس نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے دریافت کیا کہ کیا زمانہ جاہلیت میں وہاں کسی بت کی پوجا ہوتی تھی؟ لوگوں نے کہا نہیں ۔آپ ﷺ نے پوچھا کیا وہاں جاہلیت کی کوئی عید منائی جاتی تھی؟ لوگوں نے کہا نہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا اس آدمی سے کہو کہ اپنی نذر پوری کرے، اللہ ﷻ کی نافرمانی کرکے نذر نہیں پوری کی جائے گی۔"

(سنن ابی داؤد "کتاب الایمان والنذور" حدیث نمبر 3313)

وضاحت: مشرکین اپنے بتوں کے قریب پتھر وغیرہ نصب کرکے خاص جگہ بناتے جسے نُصب (تھان یا آستانہ) کہا جاتا اس پر وہ جانوروں کو ذبح کرتے۔(تفسیر طبری 508/9) کے مطابق "عرب جاہلیت کے دور میں بیت اللہ کے گرد 360 بتوں کے سامنے اپنے جانور قربان کرتے اور بتوں پر خون چھڑکتے اور ان پر گوشت کا چڑھاوا چڑھاتے"۔ اس کی حرمت المائدہ۔آیت:3 میں آئی ہے۔ مذکورہ آیت کریمہ اور احادیث سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ شرک کے مقامات وغیرہ پر ذبح کرنا سخت منع ہے۔

تفسیر ابن کثیر میں حافظ ابن کثیر المائدہ۔3 کے تحت رقم طراز ہیں کہ:"اللہ نے یہ کام مومنوں پر حرام کیا اور ان جانوروں کا کھانا بھی حرام کردیا اگرچہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا گیا ہو کیونکہ (ایسے پتھروں کے پاس ذبح کرنا) شرک باللہ ہے، جسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حرام قرار دیا ہے اور یہ اسی لائق ہے۔"

نذر ومنت اور اہل قبور سے فریاد رسی کے متعلق فقہ حنفی کی صراحت

فقہ حنفی کی مشہور کتاب درمختار میں ہے۔

"معلوم ہونا چاہیے کہ اکثر عوام فوت شدہ لوگوں کے نام جو نذریں نیازیں دیتے ہیں، چڑھاوے چڑھاتے ہیں، اولیا کرام کا تقرب حاصل کرنے کے لیے مالی ندرانے پیش کرتے ہیں اور ان کی قبروں پر چراغ اور تیل جلاتے ہیں وغیرہ یہ سب چیزیں بلا جماع باطل اور حرام ہیں(درمختار آخر کتاب الصوم)

درمختار کی مشہور شرح ردالمختار (المعروف فتاوی شامی میں اسکی تشریح یوں کی گئی ہے:

((انه ظن ان المیت یتصرف فی الامور دون اللہ تعالٰی و اعتقادہ ذالک کفر))

ترجمہ: ''اور ایک وجہ یہ ہے کہ نذر دینے والا شخص مردوں کے متعلق یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ اللہ کے سوا کائنات میں تصرف کرنے کا اختیار رکھتے ہیں حالانکہ مردوں کے متعلق ایسا عقیدہ رکھنا بھی کفر ہے۔'' (ردالمختار، جلد۔۲، ص۔۴۳ طبع مصر)

فتاوٰی عالمگیری: اکثر عوام میں یہ رواج ہے کہ وہ کسی نیک آدمی کی قبر پر جا کر نذر مانتے ہیں کہ اے فلاں بزرگ اگر میری حاجت پوری ہوگی تو اتنا سونا (یا کوئی اور چیز) تمہاری قبر پر چڑھاؤں گا یہ نذر بالاجماع باطل ہے۔ پھر لکھا ہے:

''پس جو دینار و درہم یا اور چیزیں اولیا کرام کی قبروں پر ان کا قرب حاصل کرنے کے لیے لی جاتی ہیں وہ بالاجماع حرام ہیں''۔

(فتاوٰی عالمگیری، ج ا، ص۔216 باب الاعتکاف طبع مصر)

فتاوٰی شامی: ''غیر اللہ کی نذر و نیاز دینا کئی وجوہات سے باطل اور حرام ہے جن میں (ایک) یہ ہے کہ نذر و نیاز عبادت ہے اور عبادت غیر اللہ کی جائز نہیں''۔ (ردالمختار، فتوٰی شامی، 128/2، طبع بیروت)

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ: آپ نے مکتوبات میں فرمایا:

''اور یہ لوگ بزرگوں کے لیے جو حیوانات (مرغوں، بکروں وغیرہ) کی نذر مانتے ہیں اور پھر ان کی قبروں پر لے جا کر انہیں ذبح کرتے ہیں تو فقہی روایات میں اس فعل کو بھی شرک میں داخل کیا گیا ہے اور فقہا نے اس باب میں پوری سختی سے کام لیا ہے اور ان قربانیوں کو جنوں کی قربانی کے قبیل سے ٹھہرایا ہے جو شرعاً ممنوع اور داخل شرک ہیں''

(مکتوبات امام ربانی۔ دفتر سوم، مکتوب۔ 41)

اسی مکتوب میں آگے چل کر وہ مسلمان عورتیں جو اپنے پیروں کو راضی کرنے کی نیت سے ان کے نام کے روزے رکھتی ہیں اور ان سے حاجتیں طلب کرتی ہیں ان کے بارے میں فرمایا۔

''ایں شرکت در عبادت است کہ'' ان جاہل عورتوں کا یہ عمل شرک فی العبادت ہے''

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی رائے: مشرک لوگوں کے جانور ذبح کرنے کی دو صورتوں کا خلاصہ ملاحظہ کریں:

(i) (وہ لوگ اپنے معبودوں) کا نام لے کر قربان کرتے (جس کی تحریم کا حکم "وَ مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ" میں ہے)۔

(ii) اِن (معبودوں) کے نام پر جو یادگاریں بنائی ہوتیں وہاں ذبح کرنے کو وہ لوگ اِن کے قرب کا موجب خیال کرتے قرآن مجید میں ﴿وَ مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ﴾ سے یہی صورت مراد ہے۔

(حجۃ اللہ البالغہ صفحہ: 246، حصہ اول، مترجم: مولانا عبدالرحیم)

دو سچے واقعات

اس ضمن میں ہمارے ساتھ پیش آنے والے دو سچے واقعات رہنمائی کی خاطر پیش خدمت ہیں:

(1): ۱۷ مارچ ۲۰۱۰ بروز بدھ کو ہمارے قریبی دوست کا اسلام آباد (ڈھوک سلیمان نزد گولڑہ موڑ) میں پانی کے لئے ایک پارٹی کے ساتھ بورنگ کا ٹھیکہ چالیس ہزار میں طے پایا۔ معاہدہ میں گہرائی کی مقدار ۲۲۰ فٹ طے پائی۔ مشین کے ساتھ ۴۰ دن کی طویل مدت میں گہرائی ۲۲۰ فٹ تک پہنچ گئی مگر پانی کا نام ونشان تک نہیں تھا۔ ٹھیکیدار نے رقم وصول کی اور کہا کہ میرا تجربہ ہے کہ اس علاقے کا پانی صرف اس شخص کے لئے نکلتا ہے جو حضرت خضر علیہ السلام کے نام کا بکرا دے کیونکہ اس علاقے کا پانی انکے کنٹرول میں ہے۔ یہ خبر دوسرے محلے داروں تک پہنچی ان میں سے بھی بعض کی رائے اسی قسم کی تھی۔ مگر ہمارے دوست اپنے اس عقیدے پر قائم تھے کہ یہ زمین اللہ کی ہے اور اسی کا پانیوں پر قبضہ ہے اسلئے وہ شرک نہیں کرے گا چاہے پانی نکلے یا نہ نکلے۔ اس پر لوگوں نے کہا کہ یہ شخص گستاخ ہے۔ چنانچہ اس دوست نے اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے ۱۵۰۰ روپے فی دن کے ریٹ پر اسی ٹھیکیدار سے مزید بورنگ کروانی شروع کی اور اگلے روز مزید آٹھ فٹ گہرائی ہوئی لیکن پانی کے کوئی آثار نہ تھے۔ لوگوں کا دباؤ مزید بڑھ گیا، دوست نے اللہ پر بھروسہ رکھتے ہوئے کام کو جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ اس سے اگلے دن ۲۳ اپریل ۲۰۱۰ بروز جمعۃ المبارک جیسے ہی ٹھیکیدار نے کام شروع کیا پہلی ہی چوٹ سے پتھر ٹوٹا اور اسکے نیچے سے وافر مقدار میں پانی نکل کر ۵۰ فٹ

سطح تک آ گیا جس سے ٹھیکیدار حیران رہ گیا۔ پھر گھنٹوں موٹر لگائی گئی مگر پانی کی سطح کم نہ ہوئی۔ قدرت کے اس کرشمے کو دیکھ کر ٹھیکیدار نے اپنے باطل عقیدے سے توبہ کی اور مزید کئی لوگوں کا ایمان بھی صحیح سمت کی طرف گامزن ہوگیا۔ الحمدللہ اس بورنگ کو اب ایک سال گزر چکا ہے اور اسکے اردگرد کے بیشتر بور خشک ہو چکے ہیں مگر یہ بورنگ اسی طرح قائم ودائم ہے جس سے عام خلق خدا بھی مفت پانی حاصل کر رہی ہے۔

(2): ''ہمارے ایک دوست کے بھائی جو انگلینڈ میں مقیم ہیں۔ ان کی شادی کو چار سال ہو چکے تھے لیکن بیگم کی طبی خرابی کے باعث اولاد نہ ہو سکی۔ آخر کار وہاں کے ڈاکٹرز نے جان کو خطرے کی بنا پر رحم مادر (Utrus) نکالنے کا کہ مشورہ دیا۔ چند ہی دنوں بعد آپریشن تھا کہ ہمارے دوست کے بھائی کو خواب میں پاکستان کے اندر ایک مزار دکھایا گیا، اولاد اور صحت کے حصول کے لئے وہاں حاضری اور دعا و منت کا اشارہ ملا چنانچہ وہ فوراً چند دنوں کے لئے جنوری ۲۰۱۰ء میں پاکستان آگئے اور سارا ماجرا سنا دیا۔ چنانچہ مزارات کے متعلق جب انھیں نبی مکرم ﷺ کی احادیث سنائی گئیں تو وہ مزار پر حاضری کا فیصلہ ترک کر کے واپس انگلینڈ چلے گئے۔ انگلینڈ میں آپریشن سے پہلے جب معائنہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ حمل ٹھہر چکا ہے۔ الحمدللہ انھیں اللہ تعالیٰ نے بیٹے کی دولت سے نواز دیا''

اللہ کے رسول ﷺ کے فرامین کے مطابق خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی ہوتے ہیں اور شیطان کی طرف سے بھی۔ لہذا مذکورہ حوالے سے بھی حمل ٹھہر جانے کے بعد شیطان کی طرف سے خواب آیا ہوگا تا کہ شرک میں ملوث کیا جائے لیکن اللہ تعالیٰ نے حفاظت فرمائی۔ (واللہ اعلم)

خلاصہ: نذر و منت

نذر و نیاز صرف اللہ ﷻ کے نام کی دی جا سکتی ہے یہ اس کا حق ہے۔ صدقہ و خیرات میں ایصال ثواب کی نیت مخلوق کے لیے کی جا سکتی ہے۔ مخصوص جگہیں جہاں شرک کا اندیشہ ہو ان جگہوں پر قربان کرنا ممنوع ہے۔ مہمان کی خدمت یا ضیافت کی نیت سے جانور ذبح کرنا درست ہے کیونکہ یہ سنت ہے لیکن تقرب کی خاطر ذبح نہ کیا جائے کیونکہ یہ کسی طرح بھی خطرے سے خالی نہیں۔ (واللہ اعلم)

باب ۱۳

شرک فی الحقوق ۔ ﴿اشکالات﴾

یہ حقیقت ہے کہ ہمارے ناسمجھ بھائی غائب سے مدد کے لیے پکارنا، صاحب قبر کو اپنی مشکلات پیش کرنا اور انکے حل کے لیے التجا کرنا، ان سے فریادرسی وغیرہ جیسے کاموں میں ملوث ہیں۔ ایسے کاموں کا جواز کئی چیزوں کی غلط تاویلوں سے پیدا ہوا ہے جن میں سے چند ایک کی نشاندہی کی جاتی ہے۔

اشکال نمبر۱: نماز، صبر اور فرشتوں وغیرہ کا مددگار ہونا

بعض لوگ ناسمجھی کی بنا پر چند آیات سے یہ رزلٹ نکالتے ہیں کہ فرشتوں کو پکارا جا سکتا ہے، مثلاً:

﴿ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ﴾ (البقرہ۔آیت:45)

ترجمہ: ''اور صبر اور نماز کے ساتھ مدد طلب کرو۔'' اسی طرح:

﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ﴾ (التحریم۔آیت:4)

ترجمہ: ''پس ان کا (یعنی رسول کا) مددگار اللہ ہے اور جبرائیل اور مؤمنین اور اس کے فرشتے بھی اس کے مددگار ہیں''۔

ازالہ: صبر اور نماز سے مدد کا معنی تو بالکل واضح ہے کہ مشکلات کے حل کے لیے اللہ ﷻ کی نصرت حاصل کرنے کے لیے نماز کی طرف رجوع کیا جائے یعنی صبر سے کام لیا جائے اور نماز کو ذریعہ اور وسیلہ بنایا جائے جیسے بارش کے لیے نمازِ استسقاء کے ذریعے اللہ سے سوال کیا جاتا ہے۔ ایک عام انسان بھی اس سے یہ مطلب ہرگز نہیں نکالے گا کہ اس سے مراد صبر اور نماز کو مدد کے لیے پکارنا ہے یعنی اے صبر یا نماز میری مدد کرو وغیرہ۔

نماز اللہ ﷻ کی خوشنودی حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ اور وسیلہ ہے چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

☆ ترجمہ صحیح حدیث: سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے 3۔ بار پوچھا کہ مجھے وہ کام بتایئے جو اللہ ﷻ کو سب سے زیادہ پسند ہو اور مجھے جنت میں لے جائے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم سجدے بہت زیادہ ادا کیا کرو کہ ہر سجدہ سے اللہ ﷻ تیرا ایک درجہ بلند اور تیرا ایک گناہ معاف کرے گا۔''

[صحیح مُسلم ''کتاب الصلوٰۃ'' حدیث نمبر 1093]

☆ ترجمہ صحیح حدیث: سیدنا ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس رہا کرتا اور آپ ﷺ کے پاس وضو کا پانی اور حاجت کا پانی لایا کرتا۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے اِرشاد فرمایا: '' مانگ کیا مانگتا ہے۔'' میں نے عرض کیا میں جنت میں آپ ﷺ کی رفاقت کا سوال کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے اِرشاد فرمایا: ''اور کچھ۔'' میں نے عرض کیا بس یہی کافی ہے آپ ﷺ نے اِرشاد فرمایا: '' اچھا تو پھر کثرتِ سجود (یعنی نفلی نمازوں کے ذریعے) سے میری مدد کر۔''

[صحیح مُسلم ''کتاب الصلوٰۃ'' حدیث نمبر 1094]

سورۃ تحریم کی آیت مبارکہ میں اللہ ﷻ نے اپنے علاوہ جبرائیل علیہ السلام، مومنین اور فرشتوں کو رسول اللہ ﷺ کا مددگار کہا تو اس سے واضح مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو جانثار ساتھی عطا فرمائے اور آپ ﷺ کی خدمت میں فرشتوں کو مامور فرمایا۔ کیا اس آیت کے نزول پر آنحضور ﷺ فرشتوں کو پکارتے تھے یا یہ کہتے تھے (المدد یا میکائیل علیہ السلام بارش برسا دو)، المدد یا شہدائے بدر و اُحد، المدد یا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ۔ ایک عام فہم انسان بھی ایسا معنیٰ مراد نہیں لے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ ہر معاملہ میں، بارش کے لیے اور درازیٔ عمر کے لیے فرشتوں کو نہیں بلکہ اللہ کی بارگاہ میں عرض کرتے تھے کیونکہ فرشتوں اور نیک لوگوں کو پکارنے کی سخت ممانعت قرآن مجید کی

نص قطعی سے ثابت ہے۔ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلیں کہ فرشتوں کا مددگار ہونا اور چیز ہے اور ان کو مدد کے لیے پکارنا وغیرہ اور چیز۔ غائب سے صرف اللہ کو پکارا جائے گا، اُسی سے فریادرسی کی جائے گی وہ چاہے تو فرشتوں کے ذریعے مشکل دُور فرمائے یا کوئی اور سبب بنائے یہ اس کی مرضی ہے۔ پکارا صرف اُسے جاتا ہے جو معبود ہو اور وہ اللہ ﷻ کی ذات ہے۔ المدد یا میکائیل علیہ السلام، عزرائیل علیہ السلام وغیرہ کہنا شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ اُمت مسلمہ کی حفاظت فرمائے۔ قرآن مجید کے مطالعہ سے یہ بات بالکل عیاں ہے اللہ ﷻ کے علاوہ کسی کو پکارنا یا فریادرسی کرنا اہلِ ایمان کا نہیں بلکہ مشرکین کا طرزِ عمل رہا ہے اور یہ مشرکین تھے جو جنات، فرشتوں اور قبر میں مدفون لوگوں کو پکارا کرتے تھے جبکہ اہل ایمان ہمیشہ خدائے واحد سے فریادرسی کرتے رہے۔

اشکال نمبر ۲: جب بندہ اللہ ﷻ کا مظہر بن جائے تو اسے پکارنے میں حرج نہیں

اس حوالے سے ایک حدیث قدسی ملاحظہ کریں:

☆ ((وما یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احبه فاذا احببته کنت سمعه الذی یسمع به، و بصره الذی ینصر به، و یده التی یبطش بها، ورجله التی یمشی بها، و ان سالنی لاغطینه ، ولئن استعاذنی لاعیذنه)) (صحیح بخاری''کتاب الرقاق''حدیث نمبر 6502)

ترجمہ: ''اور میرا بندہ فرض ادا کرنے کے بعد نفل عبادت کرکے مجھ سے اتنا نزدیک ہو جاتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں، جس سے وہ سنتا ہے۔ اس کی آنکھ بن جاتا ہوں، جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اس کا پاؤں بن جاتا ہوں، جس سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اسے عطا کرتا ہوں اگر وہ کسی دشمن یا شیطان سے میری پناہ کا طالب ہوتا ہے تو میں اسے محفوظ رکھتا ہوں۔''

اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ بندہ اللہ ﷻ کی صفات کا مظہر بن جاتا ہے اس لیے اسے مصیبت و مشکل کے حل کے لیے پکارا جاسکتا ہے بالکل غلط ہے۔ اس کے دو معنی بیان کیے گئے ہیں ایک یہ کہ

اُسے اللہ ﷻ کی تائید حاصل ہو جاتی ہے اور دوسرا یہ کہ اس کے اعضاء شریعت کے احکامات کے تابع ہو جاتے ہیں۔ اگر حدیث مبارکہ کے آخری حصہ پر غور کریں یعنی: **"اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اسے دیتا ہوں اگر پناہ طلب کرتا ہے تو اسے اپنی حفاظت میں لیتا ہوں"** بات بالکل واضح ہوگئی کہ وہ بندہ تو خود اللہ ﷻ سے سوال کرے گا اور اگر اُس کے اعضاء خدا کی صفات کا مظہر بن چکے ہیں تو پھر اللہ ﷻ سے سوال کرنے کا کیا مطلب ہوا۔ اُمید ہے بات سمجھ آ چکی ہوگی۔

اشکال نمبر۳: بعد از وفات روح کا تصرف

موت جسم پر آتی ہے نہ کہ روح پر اس لیے مرنے کے بعد روح سے فریاد رسی کی جا سکتی ہے۔

ازالہ: روح کے حوالے سے تو شک کی گنجائش موجود ہے کیونکہ ایسی کوئی سند نازل نہیں ہوئی کہ ایسے امور پر روح کی ڈیوٹی لگائی گئی ہو، لیکن فرشتوں کے بارے میں تو کسی کو شک نہیں۔ تمام لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ سیدنا میکائیل علیہ السلام اولوالعزم فرشتہ ہے اور اللہ ﷻ نے اس کی ڈیوٹی بارش پر لگائی ہے کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ: **المدد یا میکائیل علیہ السلام بارش برسا دو**-------------؟ یا کبھی آپ ﷺ نے یا کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے پکارا بلکہ اِس کے برعکس حضور ﷺ نے ہمیشہ اپنے اللہ ﷻ کو ہی پکارا چنانچہ سیدنا **انس بن مالک** رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: 'جب بارش نہ ہوتی تو آپ نماز استسقاء پڑھتے پھر اللہ ﷻ سے دُعا کرتے تو بارش نازل ہو جایا کرتی۔

(صحیح بخاری "کتاب الاستقاء" حدیث نمبر **1014**، صحیح مسلم "کتاب الاستقاء" حدیث نمبر **2078**)

اسی طرح کیا ہم عزرائیل علیہ السلام سے درازیٔ عمر کی درخواست کر سکتے ہیں؟ یا حضور ﷺ نے تعلیم فرمائی؟ اللہ ﷻ ہمیں ابلیس سے بچائے۔ (آمین)

اشکال نمبر۴: اولیاء اللہ کو نہ پکارنا محرومی کا باعث

اولیاء اللہ کو نہ پکارنا ان کے فیوض و برکات سے محرومی ہے اور ایسا شخص رفتہ رفتہ خسارے کا شکار ہو جاتا ہے۔ اسی طرح سادہ لوح مسلمانوں کو عام خطبا حضرات ڈرانے کے لیے ایک حدیث قدسی پیش

کرتے ہیں کہ:

"جس نے میرے ولی سے دشمنی کی اس کے خلاف میرا اعلان جنگ ہے"۔

ازالہ: اولیاءاللہ سے ہمارا جو درست تعلق ہونا چاہیے اُسکی درج ذیل صورتیں ہوسکتی ہیں۔

(i) انکی عزت وتکریم کی جائے، (ii) جو چیزیں شریعت کے مطابق ہیں ان سے مستفید ہوا جائے اور دوسری چیزوں سے اجتناب کیا جائے۔(iii) اگر دعوت کی بنیاد قرآن وسنت پر ہے تو ان کا ساتھ دیا جائے۔(iv) ان کے لیے دُعا کی جائے۔

اولیاءاللہ تو دعوت ہی قرآن وسنت کی دیتے ہیں لہذا اُن کو ماننے کے ساتھ ساتھ اُن کی بات بھی تسلیم کی جائے اور قرآن وسنت کی دعوت پر لبیک کہیں۔اگلی بات یہ ہے کہ کیا اللہ ﷻ اور اُس کے رسول ﷺ کے حکم کی مخالفت کرنا بھی بدبختی ہوگا یا نہیں؟

سب سے زیادہ پکاری جانے والی شخصیت!

اولیاءاللہ میں سے وہ برگزیدہ ہستی جن کو سب سے زیادہ پکارا جاتا ہے وہ پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ ہیں۔اب ذرا ان کی رائے بھی معلوم کرتے ہیں کہ وہ کیا فرماتے ہیں! ان کے وہ مواعظ جو ان کی مستند اور شہرۂ آفاق کتب فتوح الغیب اور الفتح الربانی میں درج ہیں۔ان میں سے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں۔یہ مواعظ ان کے وہ خطابات ہیں جو آپ رحمہ اللہ نے قرآن و سنت کے اسلوب کو سامنے رکھتے ہوئے بغداد کے منبر پر 40 سال تک لوگوں کو تعلیم فرمائے جو آج بھی کتابی صورت میں موجود ہیں۔

فتوح الغیب۔مقالہ-62: "تو اس کی طرف دیکھ جو تجھے دیکھتا ہے اس کی طرف متوجہ ہو جو تیری طرف متوجہ ہے، اپنا ہاتھ اسے دے جو تجھے گرنے سے بچاتا ہے...... یہ عادت کب تک، مخلوق کب تک، خواہش کب تک، سرکشی کب تک، اللہ ﷻ کے غیر کب تک؟ اشیاء کے خالق سے کدھر منہ اٹھا کر جاتا ہے؟

الفتح الربانی: 13 ”بہادر وہی ہے جس نے اپنے قلب کو ماسوا اللہ ﷻ سے پاک کر لیا اور قلب کے دروازے پر توحید کی تلوار اور شریعت کی شمشیر لے کر کھڑا ہو گیا کہ مخلوقات میں سے کسی کو بھی اس میں داخل نہیں ہونے دیتا..... شریعت اس کے ظاہر کو مہذب کرتی ہے اور توحید باطن کو۔“

وصال سے کچھ عرصہ پہلے اپنے بیٹے عبدالوہاب کو وصیت:

”اللہ ﷻ سے ڈرنا لازم پکڑ اور اللہ ﷻ کے سوا کسی سے بھی نہ ڈر، اللہ ﷻ کے سوا کسی سے اُمید نہ رکھ، اپنی حاجات کو اللہ ﷻ کے سپرد کر دے، اُس پر ہی اعتماد کر اور ہر چیز اُسی سے طلب کر، اللہ ﷻ کے غیر پر یقین نہ رکھ توحید کو لازم پکڑ توحید کو لازم پکڑ“۔

غور فرمائیں: جو کچھ ہم ان کے ساتھ کر رہے ہیں کیا یہ برداشت کریں گے؟ ضرور سوچیں۔

نماز غوثیہ: غیر اللہ کو پکارنے پر اللہ رب العالمین کی شدید ترین گرفت کے باوجود اور خود شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی ایسی چیزوں سے شدید نفرت کے باوجود عین شرکیہ ﴿نماز غوثیہ﴾ آپ کی طرف منسوب کر دی گئی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

”حاجت پوری ہونے کے لیے صلوٰۃ الاسرار بھی نہایت مؤثر ہے..... اِسے نمازِ غوثیہ بھی کہتے ہیں...... اِس کی ترکیب یہ ہے کہ بعد نمازِ مغرب سنتیں پڑھ کر دو رکعت نفل پڑھے اور بہتر یہ ہے کہ الحمد کے بعد ہر رکعت میں گیارہ بار قل ھو اللہ احد پڑھے، سلام کے بعد اللہ ﷻ کی حمد و ثنا کرے، پھر نبی ﷺ پر گیارہ مرتبہ درود و سلام عرض کرے..... پھر عراق کی جانب گیارہ قدم چلے اور ہر قدم پر کہے: ﴿ یا غوث الثقلین و یا کریم الطرفین اغثنی و امددنی فی قضاء حاجتی یا قاضی الحاجات ﴾

ترجمہ: ”اے جنوں اور انسانوں کے فریاد رس اور اے ماں باپ کی طرف سے بزرگ میری فریاد کو پہنچیے اور میری حاجت میں میری مدد کیجیے اے حاجتوں کے

پورا کرنے والے...." (بہار شریعت، حصہ چہارم، صفحہ 263)

جبکہ اللہ نے اولیاء اور بزرگانِ دین وغیرہ کو پکارنے والوں کا انجام بھی ذکر فرما دیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ○ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ○﴾ (احقاف:ایت 6)

ترجمہ: "اور اُس سے بڑھ کر گمراہ اور کون ہوگا؟ جو اللہ کو چھوڑ کر ایسوں کو (دُعا کے لیے) پکارتا ہے جو قیامت تک اُس کی پکار نہ سُن سکیں بلکہ اُس کے پکارنے سے بے خبر ہوں اور جب (قیامت میں) لوگوں کو جمع کیا جائے تو وہ ہستیاں اُس کی دشمن ہو جائیں اور اُس کی پکار سے صاف انکار کر جائیں۔"

امت میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا بہت بلند مرتبہ ہے، اگر اللہ کے علاوہ کسی کی نماز ہوتی تو صحابہ اکرام اپنی حاجات اور مشکلات سے نجات کے لئے نماز صدیقی ضرور پڑھتے لیکن ان عظیم بندگانِ خدا نے اللہ و رسول ﷺ کی پیروی کو ہی نجات کا ذریعہ سمجھا اور یہی اس بات کی علامت ہے کہ انھیں سب سے بڑھ کر اللہ و رسول ﷺ سے محبت تھی۔

<u>**واقعات کو دلیل بنانا:**</u> اسی طرح بے شمار واقعات کتابوں میں لکھے گئے ہیں جن کے مطابق لوگ اللہ ﷻ کے سوا دوسرے لوگوں کو زندگی بھر پکارتے رہے اور ان کے مسائل حل ہوتے رہے۔ اللہ ﷻ نے ہمیں قرآن و سنت کے حوالے کیا ہے نہ کہ واقعات کے۔ اس طرح کے واقعات مسلمانوں کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ تقریباً ہر مذہب کے لوگوں کے ساتھ پیش آتے ہیں جن میں عیسائی، ہندو اور سکھ سرفہرست ہیں۔ جس کام سے اللہ ﷻ و رسول ﷺ نے منع فرما دیا ہے اس میں کروڑوں فائدے کیوں نہ ہوں۔ اس پر کان نہیں دھرنے چاہئیں چاہے کوئی فضاؤں میں اڑ کر دکھلا دے۔

اشکال نمبر ۵: اسباب کو ندا بالغیب کے لیے دلیل بنانا

لوگوں کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کیا ٹیلیفون پر بات کرنا شرک نہ ہوگا؟

ازالہ: ٹیلیفون پر بات اسباب میں داخل ہے۔ بغیر اسباب و ذرائع سے فریاد رسی کرنے اور ٹیلیفون پر گفتگو کرنے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ بغیر اسباب کے فریاد رسی کرنے سے ''دُعا'' کی صورت بن جاتی ہے جس کی ممانعت اللہ ﷻ و رسول ﷺ نے کی ہے۔ بغیر اسباب کے جس سے مشکل کشائی کی جاتی ہے اس کو اس بات پر قدرت ہونی چاہیے کہ کائنات کی ہر چیز کے احوال سے ہر وقت آگاہ ہو، کبھی سوتا نہ ہو، کبھی اُسے اُونگھ نہ آتی ہو، دلوں کی حالت سے ہر وقت واقف ہو اور ہر قسم کے حالات تبدیل کرنے کی قدرت بھی رکھتا ہو کیونکہ کسی وقت بھی کوئی پکار سکتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر ایسا ہو کہ اللہ تعالیٰ اگر پکارنے والے اور جس کو پکارا جا رہا ہے ان کے مابین حجابات ختم فرما دے اور بالمشافہ ایک دوسرے کو دیکھیں پھر تو کوئی حرج نہیں۔

لیکن کیا واقعتاً ایسا ہوتا ہے؟ جو لوگ بھی زندہ یا فوت شدہ کو پکارتے ہیں وہ اپنے گمان میں یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کی آواز پکارنے والوں تک پہنچ رہی ہے حالانکہ اگر یہ بات درست ہے تو جس کو پکارا جا رہا ہے وہ اگر بات سن رہا ہے تو اسے اپنی آواز بھی تو سنانی چاہیے تاکہ شک ہی دور ہو جائے۔ سب سے محترم ہستیاں تو انبیاء کرام ہیں کیا وہ اپنی زندگی میں دور دراز علاقوں کے لوگوں سے اسی طرح بات چیت کرتے تھے؟ کیا رسول اللہ ﷺ جب مدینہ شریف ہجرت فرما گئے تو مکہ والوں کے ساتھ کبھی اس طرح خطاب کیا؟ ہم خرق عادت کاموں کا انکار نہیں کرتے۔ اللہ ﷻ جب چاہے یہ معاملات کر سکتا ہے لیکن محض بے اصل باتوں کے پیچھے لگنے سے بچنا چاہیئے؟

اشکال نمبر ۶: جانوروں سے انسان کا تقابل

یہ خیال ذہن میں آتا ہے کہ جیسے ہُد ہُد زمین کی تہوں میں دیکھتا ہے کیا انسان اس سے بھی کم تر ہے، وغیرہ؟

ازالہ: محترم بھائیو! اللہ ﷻ نے جو چیز بھی تخلیق کی اس کی ضرورت کے مطابق اُسے صلاحیت دی، انسان سے جو کام لینا تھا اُس کے مطابق اسے صلاحیتیں عطا فرمائیں، اگر اِسی طرح سوچنا شروع کر دیا جائے تو بہت سارے اور سوالات بھی اُٹھیں گے جیسے: مچھر، مکھی اور چڑیا وغیرہ آزادی سے جب چاہیں فضاؤں میں اڑتے پھرتے ہیں کیا انسان ان سے بھی کم تر ہے جو اڑ نہیں سکتا؟ گھوڑے، خچر اور گدھے بوجھ اُٹھا کر پہاڑوں پر چڑھ جاتے ہیں کیا انسان ان سے بھی گیا گزرا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

اشکال نمبر ۷: اگر فوت شدہ جواب نہیں دیتے تو اللہ بھی تو نہیں دیتا (نعوذ باللہ)

ازالہ: محترم بھائیو! یہ بات کتابوں میں لکھی ہوئی ہے جب میں نے پہلی مرتبہ یہ بات پڑھی تو میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے کہ ابلیس کتنا بڑا لعنتی اور دشمن خدا اور رسول اور دھوکے باز ہے کہ ایسی بات لوگوں کے منہ سے نکلوا دی جس کا کلمہ گو تصور بھی نہیں کر سکتا۔ بہرکیف اس حوالے سے چند ضروری باتیں ملاحظہ کریں:

(i) اللہ ﷻ پر ہمارے ایمان کی بنیاد ہی غیب پر ہے (یومنون بالغیب)

(ii) اس طرح کے سوالات آپ ﷺ سے کفار و مشرکین کرتے رہے ہیں جن کا قرآن مجید میں کئی جگہ ذکر ہے جیسے: وہ لوگ یہ کہتے کہ اگر اللہ ﷻ ہے تو سامنے آئے (دیکھیے فرقان، آیت: 21) اِسی طرح یہ کہتے جب تک فرشتے وغیرہ ہم خود نہ دیکھ لیں گے ہم ایمان نہ لائیں گے۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَ قَالُوْا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَیْهِ مَلَكٌ وَ لَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِیَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا یُنْظَرُوْنَ﴾

ترجمہ: ''اور یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اِن پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں اُتارا گیا اور اگر ہم کوئی فرشتہ بھیجتے تو اِن کا قصہ ہی تمام کر دیا جاتا پھر اِن کو ذرا مہلت نہ دی جاتی''۔

اس سے بڑی بات یہ کی گئی ہے کہ جس طرح اللہ ﷻ دعاؤں کو سنبھال کر رکھتا ہے مناسب وقت پر قبول کرتا ہے اسی طرح اولیاء کرتے ہیں۔ محترم بھائیو! غور کریں ایسی بات کرنے

سے اللہ ﷻ کو بندوں پر اور بندوں کو اللہ ﷻ پر قیاس کرلیا گیا ہے۔ محترم بھائیو! ہوش کرو یہ ہم کیا کر رہے ہیں؟ ابلیس نے ہمیں کس دلدل میں دھکیل دیا ہے؟ کیا ہم نے اللہ ﷻ کی بارگاہ میں پیش نہیں ہونا؟ اولیاء کرام تو بڑی دور کی بات ہے، جتنے بھی انبیاو رسل علیہم السلام دنیا میں تشریف لائے ان میں سے کسی نے بھی اتنا تک کہنے کی جسارت تک نہیں کی کہ ہمارے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد اپنی حاجات کے لئے ان سے فریادرسی کی جائے۔

قرآن مجید میں کئی مقامات پر یہ مضمون بیان ہوا ہے کہ جب بھی کفار آپ سے خرق عادت کام کی طلب کرتے اللہ تعالیٰ انھیں قرآن مجید پر غور وفکر کی دعوت دیتے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿اَوَ لَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّ ذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ o قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ شَهِيْدًا يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ o﴾ (العنکبوت:51-50)

ترجمہ: "انھوں نے کہا کہ اس (رسول ﷺ) پر کچھ نشانیاں (معجزات) اس کے رب کی طرف سے کیوں نہیں اُتاری گئیں۔ آپ کہہ دیجیے کہ نشانیاں تو سب اللہ کے پاس ہیں۔ میں تو صرف کھلم کھلا آگاہ کر دینے والا ہوں۔ کیا انہیں یہ کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر کتاب نازل فرما دی۔ جو ان پر پڑھی جارہی ہے۔ اس میں رحمت بھی ہے اور نعمت بھی ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔"

کیا اب بھی کوئی شک رہ گیا ہے؟ اگر اپنا بھلا چاہتے ہیں تو ایسی باتوں میں زندگی صرف کرنے کی بجائے قرآن وسنت کی طرف آئیں اور وہ کام کریں جن کا تاکیدی حکم دیا گیا ہے اور جن کی پرسش ہوگی۔ ورنہ آخرت میں سوائے پچھتاوے کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

اشکال نمبر ۸: قرآن وسنت کے علاوہ کچھ مخصوص علوم

آنحضور ﷺ نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو شریعت سے ہٹ کر کچھ خاص علوم بتلائے جو عام لوگوں کے لیے نہ تھے۔

ازالہ: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے دو طرح کے علوم حاصل کیے، ایک تو میں نے (لوگوں میں) پھیلا دیا اور دوسرے کو اگر میں پھیلاؤں تو یہ میرا گلا کاٹ ڈالا جائے۔'' (صحیح بخاری ''کتاب العلم'' حدیث نمبر 120)

محدثین کے نزدیک اِس دوسرے علم سے مراد فتنوں کا مقام اور خون ریزی کرنے والے لوگوں کی نشان دہی ہے جن کے ہاتھوں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ جن لوگوں نے اہلِ بیت پر مظالم ڈھائے وہ مروان کی اولاد میں سے تھے اور مروان اُس وقت حاکم تھا اِس لیے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے فرمان کا مطلب یہ تھا کہ اگر اِن کے نام ظاہر کردوں تو میرا گلا کاٹ دیا جائے۔ اِسی حدیث کے تحت ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: (اسی لیے آپ رضی اللہ عنہ 60 ہجری کے فتنے سے پناہ مانگا کرتے اور کہتے اے اللہ مجھے 60 ہجری کے فتنے سے پہلے موت دے دے۔ چنانچہ آپ 59 ہجری میں فوت ہوئے۔ 60 ہجری کا فتنہ یزید کا حکمران بننا اور پھر اُسی کی وجہ سے 61 ہجری میں سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کا ظالمانہ قتل ہوا) (فتح الباری)۔ چنانچہ محدثین کے نزدیک آپ رضی اللہ عنہ نے کسی حد تک اِس بات کو ظاہر کیا جس کا بیان درج ذیل حدیث میں ہے:

ترجمہ: عمرو بن یحییٰ بن سعید نے کہا مجھے میرے دادا نے خبر دی کہ میں مدینہ منورہ میں نبی کریم ﷺ کی مسجد شریف میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا جبکہ مروان بھی ہمارے ساتھ تھا سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے صادق

مصدوق ﷺ سے سُنا آپ فرماتے تھے میری اُمت کی ہلاکت قریش کے نوجوان لڑکوں کے ہاتھوں سے ہوگی مروان نے کہا اللہ تعالیٰ ایسے نوجوان لڑکوں پر لعنت کرے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا اگر میں کہنا چاہوں کہ وہ بنوں فلاں اور بنوں فلاں ہیں تو کہہ سکتا ہوں''۔ (صحیح بخاری)

بریلوی عالم مفتی ابراہیم چشتی صاحب نے بخاری کے حاشیے میں یہی رائے دی ہے کہ دوسرے علم سے مراد فتنوں کا علم ہے۔ دراصل ان روایات کی تاویلات کی بنا پر بعض لوگوں کا خیال ہے کہ قرآن و سنت کی بعض توجیہات عام لوگوں کو نہیں بتلائی گئیں جبکہ آپ نے ملاحظہ فرما لیا کہ یہ شبہات محض غلط تاویل کی بنا پر پیدا ہوئے۔ تسلی کے لیے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا فرمان مبارک سنیے:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''جو کوئی یہ خیال کرے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی کتاب میں سے کچھ چھپا لیا ہے تو اس نے اللہ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا (کیونکہ) اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے: (متفق علیہ)

ترجمہ: ''یعنی اے رسول (ﷺ) پہنچا دے جو اترا آپ پر تیرے رب کی طرف سے اور اگر ایسا نہ کیا تو تو نے رسالت کا حق ادا نہ کیا''۔ (صحیح مسلم، کتاب الایمان)

اِسی لیے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر تمام لوگوں سے یہ عہد لیا تھا کہ کیا میں نے تم تک اللہ کا پیغام پہنچا دیا تو سب نے یک زبان ہو کر عرض کیا آپ نے حق ادا کر دیا۔

فیصلہ کن رہنمائی: غائب سے مدد لینے کے حوالے سے آپ ﷺ نے فیصلہ کن رہنمائی فرمائی:

☆ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے سواری پر بیٹھا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے لڑکے! تو اللہ ﷻ کے احکام کی حفاظت کر اللہ ﷻ تیری حفاظت فرمائے گا۔ اللہ ﷻ کے حقوق کا خیال رکھ تو اُسے اپنے سامنے پائے گا۔ ﴿ و اذا سئلت فسئل اللہ و اذا ستعنت فاستعذ

باللہ﴾ (اور جب تو سوال کرے تو صرف اللہ ﷻ سے کرنا اور جب تو مدد طلب کرے تو صرف اللہ ﷻ ہی سے مدد طلب کرنا) اور جان لے کہ اگر پوری اُمت بھی جمع ہو کر تجھے کوئی فائدہ پہنچانا چاہے تو نہیں پہنچا سکے گی مگر جو اللہ ﷻ چاہے ۔اور اگر وہ تجھے کوئی نقصان پہچانا چاہے تو نہیں پہنچا سکے گی مگر جو اللہ ﷻ چاہے۔قلم اٹھ گئے اور صحیفے خشک ہو گئے۔

(جامع ترمذی ''کتاب صفة القیامة والرقائق'' حدیث نمبر 2516)

پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف ''فتــوح الـغیــب'' میں اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرمایا: ''اس حدیث کے ہوتے ہوئے جس شخص نے اللہ ﷻ کے علاوہ کسی کو مدد کے لیے پکارا وہ شخص جاہل اور گمراہ ہے۔'' (فتوح الغیب،مقالہ:42 صفحہ 99،مطبوعہ مصر)

لجپال یا حاجت روا کہنا کیسا!

اللہ ﷻ نے مخلوقات اور اسباب کو مصائب و آلام دور کرنے کا ذریعہ بنایا ہے۔محتاط طریقہ یہی ہے کہ یوں کہا جائے کہ اللہ ﷻ نے فلاں کو مشکل دور کرنے کا ذریعہ بنایا اور یوں کہنا کہ فلاں کے ذریعے سے مشکل دور ہوئی درست ہے جبکہ حقیقی فاعل اللہ ﷻ کو سمجھا جائے لیکن اللہ ﷻ کے علاوہ کسی کے لیے لجپال،فریاد رس، داتا، حاجت روا وغیرہ کے الفاظ استعمال کرنے کے حوالے سے چند حقائق پیش کیے جاتے ہیں:

نمبر ۱: ایسے الفاظ رسول اللہ ﷺ،صحابہ کرام رضی الله عنهم،تابعین، آئمہ سلف وغیرہ نے اللہ ﷻ ہی کے لیے استعمال فرمائے۔

نمبر ۲: پھر ایسے الفاظ کا اطلاق ہر چیز پر ہوگا کیونکہ ہر چیز اپنے حلقہ اثر میں مشکل کشا اور حاجت روا ہوگی اور سب سے بڑا مشکل کشا سورج ہوگا جس سے فصلیں، پھل اور تمام اقسام کے رزق تیار ہوتے ہیں وغیرہ۔

نمبر۳: یہ آیت کہ ﴿مَنْ اَنْصَارِيْ اِلَى اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے رستے میں کون ہے میرا مددگار؟ ﴿قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ﴾ حواریوں نے کہا ہم ہیں اللہ تعالیٰ کے مددگار۔ کیا ہم یہ کہیں گے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے مشکل کشا ہیں؟

نمبر۴: ایسا کرنے سے مجاز حقیقت میں بدل جائے گا اللہ تعالیٰ کا تصور کمزور ہوتا چلا جائیگا اور رفتہ رفتہ شیطان ایسی حالت پر لے آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کے نام اور ذکر سے نفرت پیدا ہو جائے گی (نعوذ باللہ) اسطرح بالآخر انسان شرک میں مبتلا ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب پر اپنا فضل و کرم فرمائے۔ ہمیں معاف فرمائے اور اپنے پیارے حبیب ﷺ کی صحیح معنوں میں پیروی نصیب کرے۔ (آمین)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے رہنمائی

قرآن وسنت کی واضح تعلیمات سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ مصائب وآلام کے رفع کرنے کے لیے غائب سے پکارنا دُعا کہلاتا ہے جو کہ عین عبادت ہے جو صرف اللہ تعالیٰ سے کی جا سکتی ہے۔ صحیح احادیث کی روشنی میں صحابہ کرام کا طرزِ عمل بھی ملاحظہ کرلیں:

نمبر ۱: رسول اللہ ﷺ نے دس آدمیوں کا ایک گروہ کسی علاقہ کی طرف بھیجا اور حضرت عاصم بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کو اس کا سردار مقرر کیا۔ جب یہ قافلہ مقام ہداہ پر پہنچا تو کفار نے گھیرے میں لے لیا، مسلمانوں نے اونچے ٹیلے پر پناہ لی تب حضرت عاصم بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے یوں عرض کی: **((اللھم أخبرعنا نبیك))**

ترجمہ: اے اللہ تعالیٰ ہمارے نبی ﷺ کو ہمارے حال کی خبر کردے

(صحیح بخاری "کتاب المغازی" حدیث نمبر 4086)

یعنی غائب سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی کیونکہ ایسا کرنا عبادت ہے۔

نمبر ۲: بیر معونہ کے کچھ لوگ (منافقین) آنحضور ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے چند آدمی ہمارے ساتھ روانہ کر دیں جو ہمیں قرآن و حدیث سکھلا دیں۔ آنحضور ﷺ نے 70۔ انصاری صحابہ کرام ان کے ساتھ روانہ کیے۔ ان منافقین (**لعنت الله علیهم**) نے ٹھکانے پر پہنچنے سے پہلے ہی اِن کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ فوت ہوتے ہوئے ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے یوں عرض کی: **(اللهم بلغ عنا نبينا انا قد لقيناك فرضينا عنك و رضيت عنا)**

ترجمہ: "اے اللہ ہمارے نبی کو ہمارے حال کی خبر پہنچا دے کہ ہم تجھ سے مل گئے اور راضی ہیں تجھ سے اور تو ہم سے راضی ہے"۔

(صحیح بخاری "کتاب الجھاد حدیث نمبر: 2801, مسلم، کتاب الامارہ، حدیث نمبر 4917)

یہی وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تربیت تھی جس کی بنا پر اُنھوں صرف اللہ جل جلالہ سے ہی مدد طلب کی ہمیشہ اُسے ہی پکارا اور صرف اللہ جل جلالہ ہی سے دُعا کی چنانچہ:

نمبر ۳: **((عن انس بن مالك رضي الله عنه ان عمر بن الخطاب رضي الله عنه كان اذا قحطوا استسقىٰ بالعباس بن عبدالمطلب فقال اللهم انا كنا نتوسل اليك بنبينا ﷺ فتسقينا وانا نتوسل اليك بعم نبينا فاسقنا فيسقون))**

ترجمہ: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: "سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب لوگ قحط سالی کا شکار ہو جاتے تو آپ رضی اللہ عنہ سیدنا عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے بارش کی دعا کرتے اور یوں عرض کرتے: اے اللہ جل جلالہ بے شک پہلے پہل ہم اپنے نبی ﷺ کو تیری بارگاہ میں وسیلہ کے طور پیش کرتے تھے اور (اُنکی دُعا کی برکت سے) تو ہم پہ بارش برسا دیا کرتا تھا۔ (آپ ﷺ کی وفات کے بعد) اَب ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی ﷺ کے چچا کو وسیلہ کے طور پر لے کر آئے

ہیں۔پس (اُنکی دُعا کی برکت سے) ہم پر بارش نازل فرما۔(سیدنا انس ﷛ فرماتے ہیں) پس یوں اُن پر بارش برس پڑتی۔''

(صحیح بُخاری ''کتاب الاستقاء'' حدیث نمبر 1010)

یہ بات 100 فیصد واضح ہوئی کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین کا غائب سے پکارنے کے حوالے سے عمل عین قرآن وسنت کے مطابق تھا۔شرک کی سنگینی کے پیشِ نظر ذرہ بھر بھی سمجھوتہ نہ کرتے تھے اور آپ ﷺ کی زندگی میں بھی غائب سے اپنی عرض صرف اللہ ﷻ کی بارگاہ میں پیش کرتے تھے کیونکہ رسولُ اللہ ﷺ کی یہی تعلیمات ہیں جو ہر نوع کے شرک سے پاک ہیں۔

سیدنا عمر بن خطاب ﷛ نے اُمت **مُحمدیہ** ﷺ کی کمال خیر خواہی فرماتے ہوئے رسولُ اللہ ﷺ کی قبر مبارک پہ جا کر آپ ﷺ سے دُعا نہیں کروائی۔اور یوں اَپنے اِس عمل سے اُس صحیح عقیدے کی تائید کردی کے رسولُ اللہ ﷺ کی اعلیٰ برزخی زندگی کے باوجود قبر مبارک پہ جا کر آپ ﷺ سے دُعا کروانا دراصل آپ ﷺ کو ﴿غائب میں مدد کیلئے پُکارنا ہی ہے﴾ جو کہ عبادت ہے اور یہ صرف اللہ ﷻ کے ساتھ ہی خاص ہے۔اللہ ﷻ کے علاوہ کسی بھی دوسری ہستی کو ﴿غائب میں مدد کیلئے پُکارنا﴾ **شرک** جیسا ناقابلِ معافی گناہ ہے۔۔۔﴿نَعُوْذُ بِاللّٰہ ﷻ﴾۔کیا اس بنا پر یہ کہا جائے گا کہ صحابہ کرام کو آنحضور ﷺ سے محبت نہیں تھی؟

بعض کتب میں پکارنے کا جواز

قرآن مجید اور درجہ اوّل کی کتب کے دلائل آپ نے ملاحظہ فرما لیے اس کے برعکس بعض کتب جیسے شفاء، ابن ابی شیبہ، فتوح الشام وغیرہ میں پکارنے پر روایات موجود ہیں یعنی جس کام کے منع کا حکم قرآن میں دیا گیا ہے اُسی کے کرنے کا حکم مذکورہ کتب میں دیا گیا ہے۔چاہے تو خدا کی مان لیں یا بزرگوں کو دلیل بنالیں۔بات بالکل واضح ہے جو شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے بھی بیان کی کہ بخاری و مسلم کے خلاف آنے والی روایات قابل عمل نہیں۔ویسے بھی یہ روایات صحیح نہیں۔قارئین کے لیے تمام چیزیں کھول کر بیان کردی گئی ہیں۔مرضی آپ کی اپنی ہے جو رستہ اپنے لیے منتخب کرنا چاہیں کر

لیں۔لیکن یہ یادرکھنا کہ غیب سے مدد کے لئے پکارنا عبادت ہے۔ جب آنحضور ﷺ نے ایک ہی صیغہ کے ساتھ اللہ اور رسول کا ذکر کرنے والے خطیب کو برا خطیب کہا اور ممانعت کی ایسا کرنے کی ۔اِسی طرح جو اللہ چاہے اور جو آپ چاہیں کے الفاظ برداشت نہ کیے اور ایسا کہنے والے پر شرک کا فتویٰ صادر فرما دیا گیا۔کیا وہ یہ برداشت کریں گے کہ انھیں پکارا جائے یعنی ان کی عبادت کی جائے۔ یقیناً نہیں۔

خلاصہ: شرک فی الدعاء، قبروں سے استمداد وغیرہ

(1) اللہ ﷻ کو حقیقی کارساز سمجھتے ہوئے مصائب وآلام کے حل کے لیے جائز اسباب اختیار کرنا مستحسن ہے لیکن بھروسہ اللہ تعالیٰ پر رکھا جائے۔

(2) بغیر ظاہری اسباب کے مشکل ومصیبت کے لیے غائبانہ کسی سے فریاد رسی کرنا اللہ ﷻ و رسول ﷺ کے نزدیک 'دُعا' ہے اور 'دعا' کو عبادت قرار دیا گیا ہے جو کہ اللہ ﷻ کا حق ہے۔ اللہ ﷻ کے سوا کسی کے ساتھ ایسا فعل کرنا شرک ہے۔

(3) غائبانہ فریاد رسی کی مخالفت پکارنے پر ہے نہ کہ معبود سمجھنے پر۔اگر کسی کو معبود قرار دے دیا تو بغیر پکارے ہی شرک کا ارتکاب ہوگیا۔پکارنے پر وعید ہر طرح سے آئی ہے یعنی معبود قرار دے کر یا بغیر معبود بنائے۔

(4) تمام انبیاء کرام، صحابہ وتابعین، آئمہ وسلف صالحین صرف اور صرف ایک اللہ ﷻ کو پکارتے تھے۔مشرکین، فرشتوں، انبیاء کرام اور صالحین کو پکارتے تھے لیکن جب بھی کبھی بڑی مشکل میں پھنستے جس میں جان کا خطرہ ہوتا تو اس وقت وہ بھی خالص اعتقاد کے ساتھ اللہ ﷻ کو پکارتے۔

(5) مشرکین مکہ اپنے معبودوں کو مستقل بالذات نہیں سمجھتے تھے بلکہ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ ان کو اختیارات اللہ ﷻ نے عطا کیے ہیں اور یہ اللہ ﷻ کے قرب کا ذریعہ ہیں۔وہ یہ بھی

تسلیم کرتے تھے کہ قادر مطلق ہونا اور کائنات کو تخلیق کرنا یہ اللہ ﷻ کے ساتھ خاص ہے۔

(6) آخرت کی یاد تازہ کرنے کے لیے قبروں کی زیارت کرنا، ان کے حق میں دُعا کرنا، ان کا ادب واحترام کرنا جائز و مستحسن ہے لیکن قبریں پکی کرنا، ایک بالشت سے اونچی کرنا، ان پر عمارت بنانا، چراغ جلانا، طواف کرنا، انھیں سجدہ گاہ بنانا، قبروں پر بیٹھنا اللہ ﷻ کے رسول ﷺ کے نزدیک سخت ممنوع ہے اوران سے فریادرسی کرنا 'دُعا' میں داخل ہوگا۔

(7) انبیاء وشہداء کو برزخی حیات حاصل ہے۔ اللہ ﷻ ہمارا سلام اور دُعائیں ان تک پہنچا دیتا ہے، جو چیزیں سند کے ساتھ آئی ہیں ان پر ایمان رکھا جائے لیکن ان کو دلیل بنانے اور گہرائی میں جانے سے اجتناب کیا جائے کیونکہ ان امور کا تعلق متشابہات سے ہے، سورہ آل عمران، آیت ۷ میں متشابہات کو دلیل بنانے اور ان کی تاویل کرنے والوں کو فتنہ انگیز قرار دیا گیا ہے۔

(8) وہ لوگ جو غلط رستوں کی پیروی کرتے ہیں شیاطین ان کو قابو کر لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ لوگ شرک کا ارتکاب شروع کر دیتے ہیں۔ شیاطین سے بچنے کا واحد حل یہ ہے کہ اللہ ﷻ ورسول ﷺ کی تعلیمات کے ساتھ چمٹ جائیں۔

(9) اللہ ﷻ کے جن محبوب بندوں کو پکارا جاتا ہے وہ بروز قیامت برأت کا اظہار کریں گے اور جو لوگ پکارتے تھے ان کے دشمن ہو جائیں گے۔

(10) بے شمار ایسے لوگ بھی ہیں جو اہل قبور سے نہ تو فریادرسی کرتے ہیں اور نہ ہی انہیں اپنے نفع ونقصان کا مالک سمجھتے ہیں لیکن انکے تمام امور خوش اسلوبی سے پایہ تکمیل کو پہنچ رہے ہیں۔ یقیناً انکے کام ایک اللہ ہی تو کر رہا ہے جس پر وہ بھروسہ کئے ہوئے ہیں۔

باب نمبر۱۴

شرک فی الاطاعت

قرآن وسنت سے رہنمائی:

اللہ ﷻ انسان سے جو کام لینا چاہتا تھا اس کی تفاصیل اس نے اپنے برگزیدہ پیغمبروں پر نازل فرمائیں اور رسول ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا، جیسا کہ فرمایا: ﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ﴾۔ ﴿جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی اس نے درحقیقت اللہ کی اطاعت کی ﴾۔ ملائکہ کا حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنا اللہ ﷻ کی بندگی تھی کیونکہ اُس کے حکم کے تحت تھا۔ پس اللہ ﷻ کے حکم کی مخالفت شیطان کی عبادت ہوگی۔ قرآن وسنت کے واضح احکامات کے خلاف کسی کی اطاعت شرک فی الاطاعت ہوگی۔ جیسا کہ باب ۵ میں آپ دیکھ چکے کہ سابقہ اُمتوں کی ہلاکت کی بڑی وجہ شرک فی الاطاعت تھی جسے قرآن مجید میں یوں بیان کیا گیا:

- ﴿ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَ مَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴾

(سورہ التوبہ آیت: 31)

ترجمہ: ”اُن لوگوں (یہودیوں اور عیسائیوں) نے اللہ ﷻ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور درویشوں کو اپنا رب بنالیا تھا اور مریم (علیہا السلام) کے بیٹے مسیح علیہ السلام کو، حالانکہ انھیں صرف ایک اللہ کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا، جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ پاک ہے ان کے شریک مقرر کرنے سے۔“

باب ۵ میں اِسی آیت کی تشریح میں یہ بات واضح کی جا چکی ہے کہ سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ

(جو پہلے خود بھی عیسائی تھے) انھوں نے قبول اسلام سے پہلے جب یہی آیت سُنی تو رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: ہم لوگ اپنے علماء اور درویشوں کو تو نہیں پوجتے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''مگر کیا تم لوگ (بغیر اللہ ﷻ اور انبیاء ؑ کی تعلیمات کو دیکھے) اپنے علماء اور درویش لوگوں کی حلال کی گئی چیزوں کو حلال اور حرام کردہ چیزوں کو حرام نہیں مان لیا کرتے؟ '' میں نے عرض کیا جی ہاں ایسا ہی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: '' یہی تو اُن کو رب بنانا ہے۔'' اِس ایک جملہ پر (میں) عدی بن حاتم ؓ مطمئن ہو گیا اور فوراً اِسلام قبول کر لیا۔'' (والحمد للہ ﷻ)

(جامع ترمذی ''ابوب التفسیر'' حدیث نمبر 3095 ، مسند امام احمد حدیث نمبر 378/4)

یقینی نتائج:

(i) اللہ ﷻ و رسول ﷺ کے علاوہ کسی کو حلال و حرام کا اختیار دینا اُسے ربّ بنانا ہے اور اس فعل کو اس کی عبادت قرار دیا گیا۔

(ii) اس جرم کے ارتکاب کی بنیادی وجہ بغیر تحقیق اندھی پیروی کرنا ہے اور اس کی بنیاد علماء سے محبت ہے نہ کہ نفرت۔

(iii) سیدنا عدی بن حاتم ؓ کا بھی یہی خیال تھا کہ جب تک کسی کو زبان سے معبود قرار نہ دیا جائے اسے خدا بنانا لازم نہیں آئے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس غلط فہمی کو دور فرماتے ہوئے واضح کیا کہ جب شرکیہ عمل کسی کی طرف منسوب کر دیا تو اسے عملاً معبود کے درجے پر فائز کر دیا گیا چاہے زبان سے اسکے معبود ہونے کا اقرار کیا جائے یا نہ کیا جائے۔

اطاعت رسول ﷺ کا زبان سے اقرار

اطاعت رسول ﷺ یا محبت رسول ﷺ کا زبان سے اقرار تو بہت آسان ہے لیکن اسکو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا بہت مشکل کام ہے۔ اسکا احساس آپکو باب ۱۴ تا ۱۶ پڑھ کر ہو گا۔

اطاعت میں شراکت کی شکلیں

اطاعت میں شراکت درج ذیل صورتوں میں ہوئی ہے:

(1)۔ **آئمہ دین کی اندھی تقلید:** چوتھی صدی ہجری سے لے کرتا حال مسلمانوں کی اکثریت اپنے اپنے علاقوں میں رائج مسالک کی اندھی پیروی پر سختی سے کاربند ہے۔ یہ معاملہ اس شدت کے ساتھ لوگوں میں راسخ ہو چکا ہے کہ ہر پیدا ہونے والا بچہ جب شعور کو پہنچتا ہے تو تقلید سے ہٹ کر وہ کوئی اور بات سننا بھی گوارہ نہیں کرتا۔

(2)۔ **اپنے اپنے پسندیدہ گروہ کی پیروی:** دوسری خطرناک شکل اپنے پیدائشی دین و مذہب یا مکتب فکر کو بلا دلیل عین حق پر تسلیم کرنا جبکہ دوسروں کو گمراہ تصور کرنا۔

(3)۔ **موجودہ نظام بیعت:** مرید حضرات کا بلا دلیل پیر حضرات کی ہر بات کو عین شریعت تسلیم کرتے ہوئے انکی کسی بات کو قرآن وسنت پر پرکھنا انکی بے ادبی تصور کرنا۔

اگر اعتدال سے کام لیا جاتا! اگر اعتدال سے کام لیتے ہوئے خدا اور سول ﷺ کی بات کو سب پر ترجیح دیتے ہوئے تقلید کی جاتی تو حرج نہ تھا لیکن مذکورہ تینوں شکلوں میں اکثریت (بالخصوص برصغیر پاک و ہند) کی صورت حال افسوسناک ہے۔ ابلیس اپنے مقصد میں کامیاب ہے اور جو لوگ اس کے شکنجے میں پھنس چکے ہیں انھیں کلام الٰہی کی آیات دکھا دیں یا رسول اللہ ﷺ کے فرامین، وہ ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ ہاں اگر ان کے کسی عالم کا قول بتلائیں تو فوراً تسلیم کرلیں گے۔ اسلئے یہ ضروری ہے کہ اس حوالے سے سچائی کو واضح کیا جائے تا کہ وہ لوگ جو واقعتاً حق کے متلاشی ہیں انکے لئے سچائی کو اپنانا آسان ہو جائے۔

خدا ور سول ﷺ کی پیروی اور تقلید

جسطرح دن کا متضاد رات ہے، روشنی کی ضد اندھیرا ہے۔۔۔۔۔ اسی طرح اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ خدا ور سول کی پیروی کی ضد دیگر مخلوقات کی بلا دلیل تقلید ہے۔ رات کا مطلب ہے

دن موجود نہیں اور اندھیرے کا مطلب ہے کہ روشنی موجود نہیں ۔۔۔اور بلا دلیل تقلید کا مطلب یہ ہے کہ اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت موجود نہیں۔ بدبو کا الٹ غیر بدبو نہیں بلکہ خوشبو ہوتا ہے، اندھا کا الٹ غیر اندھا کی بجائے بینا اور بے وقوف کا الٹ غیر بے وقوف کی بجائے عقلمند ہوتا ہے۔۔۔اسی طرح مقلد کا الٹ غیر مقلد کی بجائے متبع سنت ہوتا ہے۔ یہ حقیقت سمجھ لینے کے بعد یہ جاننا ضروری ہے کہ ہمیں بلا دلیل تقلید کا حکم دیا گیا ہے یا کہ خدا و رسول ﷺ کی پیروی کا؟۔۔۔قرآن و سنت سے آگاہی رکھنے والا ہر شخص اسی نتیجے پر پہنچے گا کہ صرف اور صرف اور قرآن و سنت کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔ بات کو سمجھنے کے لئے چند آیات ملاحظہ کریں۔

☆ ((اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ۝)) (الاعراف۔آیت:3)

ترجمہ: ''تم پیروی کرو اس کی جو تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے اور نہ پیروی کرو اس کے علاوہ دوسرے دوستوں کی، تم لوگ بہت ہی کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔''

اگر ہم بات سمجھنا چاہیں تو مذکورہ آیت کریمہ ہی کافی ہے۔ اگر ہم اس پر عمل پیرا ہو جائیں تو زندگی میں انقلاب برپا ہو جائے اور فرقہ واریت جڑ سے ختم ہو جائے لیکن ''قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ'' لوگ تو بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ ہر ایک کی بات پر یقین کریں گے سوائے قرآن و سنت کے۔

☆ ((وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ)) (النساء۔آیت:64)

ترجمہ: ''اور ہم نے جو بھی رسول بھیجا ہے وہ اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔''

☆ ((وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا)) (نور۔آیت:54)

ترجمہ: ''اور اگر تم رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو گے تو ہدایت یافتہ ہو جاؤ گے۔''

کاش ہمیں یہ بات سمجھ آجائے اور ہم اسے تسلیم کر لیں۔

☆ ((وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا)) (الحشر۔آیت:7)

ترجمہ: ''اور جو رسول (ﷺ) تمھیں دے وہ لے لو اور جس سے منع کرے اس سے رُک جاؤ۔''

لغت کی شہرۂ آفاق کتاب ''لسان العرب'' کے مطابق: اطاعت سے مراد ''سر تسلیم خم کر دینا اور اس کے ہر حکم کی تعمیل کرنا ہے''۔

اتباعِ رسول ﷺ سے اعراض کفر ہے

﴿قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَ یَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَ اللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ○ قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْکٰفِرِیْنَ ﴾

(آل عمران۔آیت:32-31)

ترجمہ: ''(اے نبی ﷺ) فرما دیجیے اگر تم اللہ ﷻ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ ﷻ تم سے محبت کرے گا اور تمھارے گناہ بخش دے گا اور اللہ تو بہت بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے''۔ فرما دیجیے اللہ ﷻ و رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اور اگر تم (اطاعت سے) منہ پھیر لو تو یقیناً اللہ ﷻ ایسے کافروں کو پسند نہیں کرتا۔''

مومن کون؟

- ﴿فَلَا وَ رَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَ یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا○﴾ (النساء۔آیت:65)

ترجمہ: ''تیرے رب کی قسم لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے باہمی اختلافات میں آپ ﷺ کو حاکم تسلیم نہ کر لیں پھر آپ ﷺ کے فیصلوں پر دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور اسے سر بسر تسلیم کریں۔''

پس مومن وہ ہے جو باہمی اختلافات کے حل کے لیے قرآن و سنت کو فیصل مانتے ہیں۔ اللہ ﷻ ہمیں اس کی توفیق دے۔ (آمین)

- ﴿وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴾(احزاب۔آیت:36)

ترجمہ: ”جب اللہ ﷻ اور اس کا رسول (ﷺ) کسی معاملے میں فیصلہ کر دیں تو پھر کسی مومن مرد یا عورت کو اس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا کوئی اختیار نہیں رہتا اور جو کوئی اللہ ﷻ ورسول ﷺ کی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔“

کتاب الٰہی .... صرف تعلیمات وحی کی پیروی کا حکم!

قرآن مجید میں جگہ جگہ وحی کی پیروی کا ہی حکم دیا گیا ہے سوائے ایک موقعہ کے۔اس میں بھی اختلاف کی صورت میں تعلیمات وحی کی طرف پلٹ جانے کا حکم ہے،ارشاد ہوا:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا﴾(سورۃ النساء آیت:59)

ترجمہ: ”اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور تم سے جو حاکم ہو اسکی۔ اگر تمھارے (حاکم اور عوام کے) درمیان کوئی اختلاف ہو جائے تو اسے لوٹا دو اللہ اور رسول ﷺ کی طرف اگر تم (واقعی) اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ طرز عمل خیر والا اور اچھے انجام والا ہے“

اگر کسی نے بات تسلیم کرتے ہوئے ابلیس سے چھٹکارا حاصل کرنا ہو تو اسکے لئے اللہ تعالیٰ کے اس حکم میں پوری رہنمائی موجود ہے۔

رب کی پکڑ: اللہ ﷻ نے بڑے سخت الفاظ میں ارشاد فرمایا:

- ﴿وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ۝ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ۝﴾(الفرقان۔آیت:28-27)

ترجمہ: ''اور جس دن ظالم اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کر کھائے گا کہے گا اے کاش! میں رسول ﷺ کی راہ پکڑتا ہائے افسوس اے کاش میں فلاں کو دوست نہ بناتا۔''

اللہ ﷻ کی پناہ کہ انسان رسول اللہ ﷺ کے طریقے کے خلاف کسی کی پیروی کرے۔ اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کی اُمت کی حفاظت فرمائے (آمین)۔ اس ضمن میں بہت ساری احادیث ہیں ان میں سے صرف ایک پیش کی جاتی ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

☆ ''میرے تمام اُمتی جنت میں جائیں گے سوائے اس کے جس نے انکار کیا عرض کی گئی انکار کس نے کیا؟ فرمایا: **((من اطاعنی دخل الجنة ومن عصانی فقد ابی))**۔ ''جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں جائے گا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا''۔

(صحیح بخاری ''کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ'' حدیث نمبر 7280)

گناہ کے ارتکاب پر تو توبہ کی جاتی ہے جسے اللہ ﷻ معاف فرما دیتا ہے لیکن اللہ و رسول ﷺ کے طریقے سے ہٹ کر اختیار کیے گئے اعمال انسان دوسرے لوگوں کی محبت کی وجہ سے چھوڑ نہیں پاتا اور انھیں جائز قرار دے دیتا ہے۔ امید ہے آپ کو یقین ہو چکا ہوگا کہ ہمیں روشنی یعنی خدا اور رسول کی پیروی کا پابند کیا گیا ہے نہ کہ اندھیرے یعنی بلا دلیل لوگوں کی پیروی کا۔ مزید حقائق کا جائزہ لیتے ہیں۔

جناب رسالتمآب ﷺ سے واضح رہنمائی

ہمارے پیارے رسول ﷺ نے اس ضمن میں بالکل واضح انداز میں رہنمائی فرما دی ہے۔ اگر ہم واقعتاً بات تسلیم کرنا چاہیں تو اس بات کے بعد شیطان کے مکروفریب سے با آسانی چھٹکارا حاصل کیا جا سکتا ہے، چنانچہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم کی خدمت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور فرمانے لگے:

((ان نسمع احادیث من یهود تعجبنا افتریٰ ان نکتب بعضها؟ فقال: امتهو کون انتم کما تهو کت الیهود والنصاریٰ! لقد جئتکم بها بیضاء نقیة ولو کان موسیٰ حیاً ما وسعه الا اتباعی))

(رواہ احمد: 387/3، والبیہقی فی شعب الایمان کمافی مشکوٰۃ، وفی روایہ للدارمی: 116/1، سندہ صحیح)

ترجمہ: ''ہم یہودیوں سے ایسی دلچسپ باتیں سنتے ہیں جو ہمیں ورطہ حیرت میں ڈال دیتی ہیں، کیا ہم ان سے کچھ ضبط تحریر میں لا سکتے ہیں؟ تو نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا تم بھی یہود و نصاریٰ کی طرح دین میں حیران ہونے لگے ہو جبکہ میں تمھارے پاس واضح، بے غبار اور صاف شفاف دین لے کر آیا ہوں۔ اگر بالفرض موسیٰ (علیہ السلام) بھی زندہ ہو کر دنیا میں تشریف لائیں تو میری تابعداری کے علاوہ ان کے پاس کوئی اور چارہ کار نہ ہوگا''

آئمہ دین اور سلف صالحین

تمام آئمہ اہلسنت خصوصاً (1) امام جعفر صادق بن محمد باقر رحمہ اللہ (المتوفیٰ 148ھ)، (2) امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ (المتوفیٰ 150ھ)، (3) امام مالک بن انس رحمہ اللہ (المتوفیٰ 179ھ)، (4) امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ (المتوفی 204ھ)، (5) امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی 241ھ) اللہ ﷻ کے برگزیدہ بندے تھے۔ یہ لوگ واقعتاً متقی اور سچے متبع رسول تھے۔ صاحب بصیرت اور اہل علم تھے۔ آج کے لوگوں کی طرح نہ تھے جنھوں نے دین کو پیشہ بنا لیا اور اللہ ﷻ کے دین کی بجائے مسلک کا تحفظ شروع کر دیا۔ اللہ ﷻ آئمہ کرام پر بے شمار رحمتیں نازل فرمائے جنہوں نے اُس مشکل وقت میں لوگوں کی رہنمائی کی جبکہ صحیح احادیث کی کتب خصوصاً صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ ابھی مرتب نہیں ہوئی تھیں یعنی صحیح احادیث کا اہتمام نہ تھا۔

پیارے مسلمان بھائیو! بات کو آگے بڑھانے سے پہلے یہ حقیقت آپ پر واضح کر دی جائے کہ آئمہ کرام نے جس دور میں مسائل اخذ کیے اس وقت صحیح احادیث کی کتب جیسے صحاح ستہ

وغیرہ مرتب نہیں ہوئیں تھیں اور ذخیرہ صحیح احادیث مع اسناد کتابی صورت میں موجود نہ تھا۔ موطا امام مالک، مسند امام احمد اور کچھ دیگر کتب موجود تھیں جبکہ صحیح احادیث کی کتب خصوصاً صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ ابھی مرتب نہیں ہوئی تھیں۔ یوں صحیح احادیث کا اہتمام نہ تھا۔ ذرائع رسل و آمد و رفت بھی ایسے نہ تھے کہ فوراً معلومات مل جائیں۔ سفر پیدل یا جانوروں پر تھا۔ اس کے باوجود ان لوگوں نے محنت کی اور جو کچھ بساط میں تھا وہ کیا۔ آئمہ کرام کے مابین جہاں اختلافات کی کچھ اور وجوہات بھی ہیں لیکن سب سے بڑی وجہ صحیح احادیث کا اہتمام نہ ہونا ہی ہے ورنہ کبھی بھی ان کی بعض باتیں صحیح احادیث سے عدم مطابقت نہ رکھتیں۔ بہرکیف ان کے مابین اختلاف مسائل میں ہے۔ بنیادی عقائد سب کے ایک ہی تھے اور سب اپنی بساط کے مطابق اللہ ﷻ کی رضا اور رسول ﷺ کی اطاعت میں کوشاں رہے۔

مسئلہ تقلید

اب ہم اللہ کی توفیق سے تقلید کے متعلق ضروری معلومات امت مسلمہ کے لیے قلمبند کرتے ہیں تاکہ حقیقت حال سے آگاہی ہو اور جو اپنی اصلاح کرنا چاہیں انکے لیے بات کو سمجھنا آسان ہو جائے۔

تقلید کا معنیٰ: تقلید کے متعلق گفتگو سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اس کے معنیٰ کو سمجھا جائے چنانچہ:
لغت کی مشہور اور مستند کتب کے مطابق تقلید کا لغوی معنیٰ ''بلا دلیل پیروی کرنا یا آنکھیں بند کر کے کسی کے پیچھے چلنا ہے'' اور اصطلاحی معنیٰ ''بغیر دلیل ایسے شخص کی پیروی کرنا جو نبی نہ ہو''

آنحضور ﷺ کی وفات مبارک کے 400 سال بعد تقلید کا آغاز ہوا جس کی جڑیں وقت کے ساتھ مضبوط ہوتی گئیں، بالآخر لوگوں نے پانچ آئمہ کرام **(1) امام جعفر صادق بن محمد باقر رحمہ اللہ (المتوفی۔148ھ)، (2) امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ (المتوفی۔150ھ)، (3) امام مالک بن انس رحمہ اللہ (المتوفی۔179ھ)، (4) امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ (المتوفی۔204ھ)، (5) امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی:241ھ)** میں سے کسی ایک امام کی

بے دلیل پیروی کو اپنے اوپر لازم کرتے ہوئے واجب قرار دے دیا جبکہ باقی چار اماموں کی پیروی کو سخت ممنوع قرار دے دیا۔ ایک امام کی بے دلیل پیروی کی موجودہ صورت حال یہ ہے کہ کسی نے جس علاقہ میں پرورش پائی وہاں جو مسلک رائج تھا وہی اسکے نزدیک صحیح ترین بن گیا۔

تقلید کی موجودہ صورت حال

موجودہ صورت حال یہ ہے کہ جس علاقہ میں کسی نے آنکھ کھولی اور جو اس علاقہ میں مسلک رائج تھا اس کے نزدیک وہی صحیح ترین ہے اگر کوئی ایران میں پیدا ہوا تو اس کے نزدیک فقہ جعفری ہی سب سے معتبر ہے۔ جس مسلک میں جو ہے اس سے ایک انچ بھی اِدھر اُدھر ہونے کو تیار نہیں اور ہزاروں قرآن کی آیات اور احادیث بھی اس پر کوئی اثر نہیں کرتیں بلکہ اسے ناگوار گزرتی ہیں اور وہ اپنے مسلک سے ٹس سے مس نہیں ہوتا۔ محترم بھائیو تقلید کریں لیکن ایسی اندھی تقلید تو اللہ ﷻ کو اپنے کلام کے حوالے سے بھی گوارہ نہیں۔ اللہ ﷻ نے کئی جگہ اس روش سے سختی سے روکا ہے۔ ایک جگہ اللہ ﷻ نے اپنے محبوب بندوں کے متعلق ارشاد فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا﴾ (الفرقان۔73)

ترجمہ: ”اور جب انھیں ان کے رب کے کلام کی آیتیں نصیحت کے لیے سنائی جاتی ہیں تو وہ اندھے بہرے ہو کر ان پر نہیں گرتے۔“

یعنی غور و فکر کرتے ہیں اور عقل سے کام لیتے ہیں ان کا غلط مفہوم نہیں لیتے۔ یقیناً آپ بات سمجھ چکے ہوں گے۔ انسانیت کی ہلاکت کے لیے ابلیس کے پاس سب سے بڑا اگر کوئی ہتھیار ہے تو وہ صرف اور صرف یہی ہے کہ اندھی پیروی کرائی جائے۔ اسی کو استعمال کرتے ہوئے نسل انسانی کی اکثریت کو اس نے تباہ و برباد کر کے رکھ دیا ہے۔ اسی لیے اللہ نے اتنی شدت کے ساتھ اطاعت رسول ﷺ کا حکم دیا جس کی کچھ آیات آپ ملاحظہ کر چکے ہیں۔

یہ بزرگان دین سے محبت نہیں!

بزرگان دین کی اندھا دھند پیروی کرنے والا اپنے گمان میں تو ان سے محبت کر رہا ہوتا ہے لیکن حقیقتاً یہ محبت نہیں، کیونکہ ہوسکتا ہے اسکا یہ طرز عمل ان بزرگوں کے لیے آخرت میں پریشانی کا باعث بن جائے۔ کسی بھی شخص سے حقیقی محبت یہ ہے کہ اللہ و رسول ﷺ کی تعلیمات کی بنیاد پر اس سے استفادہ کیا جائے اور اگر کوئی چیز قرآن و سنت کی موافقت میں نہ ہو تو اس سے خود بھی بچا جائے اور دوسروں کو بھی بچایا جائے۔ یہ وہ معیار ہے جسے امت مسلمہ کے سب سے زیادہ برگزیدہ لوگوں یعنی صحابہ کرام نے اپنایا جیسا کہ خلیفہ اول سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ نے اپنے پہلے خطبے میں لوگوں پر دو ٹوک انداز میں یہ بات واضح فرمائی کہ:

((اطیعونی ما اطعت اللہ ورسولہ، فاذا عصیت اللہ ورسولہ فلا طاعتہ لی علیکم)) (مصنف عبدالرزاق، جلد۔11، صفحہ:336)

ترجمہ: ''جب تک میں اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی اطاعت کرتا رہوں تو تم میری اطاعت کرو اور جب میں اللہ اور اسکے رسول کی نافرمانی کرنے لگوں تو تم پر میری اطاعت کرنا لازم نہیں''

انکے بعد امت میں کون ہے جو ان سے بڑھ کر ہو کہ اسکی بات کو قرآن و سنت پر پرکھنا بے ادبی ہوتا ہو۔ حقیقی مومن یا ولی تو وہی ہے جو قرآن و سنت کی بنیاد پر اپنی اصلاح کے لئے ہر وقت تیار رہتا ہو اور اس میں خوشی محسوس کرے۔ لیکن افسوس کہ ہماری اکثریت اس راستے کو چھوڑ چکی ہے اور اپنے اپنے پسندیدہ اکابرین کی باتوں کو قرآن و سنت پر پرکھنے کو ان کی بے ادبی اور گستاخی خیال کرتے ہیں۔

باب ۱۵

تقلید اور علمائے اہلسنت کی رائے

اپنے مسلمان بھائیوں کی بھلائی کے لیے تقلید کے متعلق علمائے اہلسنت کی رائے پیش خدمت ہے شائید کہ بات سمجھنا ہمارے لیے آسان ہو جائے۔

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ: آپ نے بڑے سخت الفاظ میں ہماری رہنمائی فرمائی، آپ لکھتے ہیں

"یہ کہنا واجب ہے کہ ہر وہ شخص جو رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی دوسرے امام سے منسوب ہو جائے، انتساب (منسوب ہونے) پر وہ دوستی رکھے اور دشمنی رکھے تو یہ شخص بدعتی ہے اہل سنت سے خارج ہے چاہے (انتساب) اصول میں ہو یا فروع میں"

(الکنز المدفون والفلک المشحون ص:149)

ملا علی قاری رحمہ اللہ:

"یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کسی کو حنفی شافعی یا حنبلی بننے کا مکلف نہیں ٹھرایا ہے بلکہ انھیں کتاب وسنت کے عمل پر مکلف ٹھرایا ہے"۔

(شرح عین العلم ص:404/1)

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ: آپ نے فرمایا:

"اور (تقلید کی) یہ بدعت چوتھی صدی میں پیدا ہوئی ہے، جس (صدی) کی مذمت رسول اللہ ﷺ نے اپنی (مقدس) زبان سے بیان فرمائی ہے" (اعلام الموقعین 208/2)

مزید فرمایا:

''والتقلید لیس بعلم باتفاق اهل العلم''۔ ''اہل علم کا اتفاق ہے کہ تقلید علم نہیں ہے''۔

(اعلام الموقعین ج۔2ص۔188)

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ: آپ فرماتے ہیں:

''ہمارے استاد جو خاتم المحققین والمجتہدین ہیں، فرماتے ہیں کہ میں نے فقہائے مقلدین کے ایک گروہ کا مشاہدہ کیا ہے کہ میں نے انہیں کتاب اللہ کی بہت سی ایسی آیات سنائیں جو ان کے تقلیدی مذہب کے خلاف تھیں تو انہوں نے نہ صرف ان کو قبول کرنے سے اعراض کیا بلکہ ان کی طرف کوئی توجہ ہی نہیں دی''۔

(تفسیر کبیر، سورۃ التوبہ، آیت 31)

تقلید کے حوالے سے امت مسلمہ کی صورت حال بالکل ایسی ہی ہے جیسی آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ اللہ ہمارے حال پر رحم فرمائے۔ (آمین)

امام محمد غزالی رحمہ اللہ:

آپ نے آخرت کی سعادت وشقاوت کی بابت دل کی آگاہی کے متعلق بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''جو شخص زیرک اور سمجھدار ہے اور جسکا باطن تعصب اور تقلید کی آلائش سے پاک ہے وہ یہ راہ پائے گا اور آخرت کا حال اس کے دل میں ثابت ومضبوط ہو جائے گا کہ آخرت کے بارے میں اکثر لوگوں کا ایمان ضعیف اور متزلزل ہے''۔

(کیمیائے سعادت، مترجم، صفحہ۔83، پروگریسو بکس، ۱۹۹۹)

یعنی بات اسکو سمجھ آتی ہے جو تقلید کی بجائے عقل وبصیرت کی راہ اپناتا ہے۔

علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ: آپ لکھتے ہیں:

''فالمقلد ذهل والمقلد جهل و آفة كل شىء من التقليد''

"پس مقلد غلطی کرتا ہے اور مقلد جہالت کا ارتکاب کرتا ہے اور ہر چیز کی مصیبت تقلید کی وجہ سے ہے" (البنایہ شرح الھدایہ ج اص 317)

امام طحاوی رحمہ اللہ: آپ سے مروی ہے:

"وھل یقلداہ عصبی وعبی" تقلید تو صرف وہی کرتا ہے جو متعصب اور بے وقوف ہوتا ہے، (لسان المیزان 280/1)

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ:

"اگر تم یہودیوں کا نمونہ دیکھنا چاہتے ہو تو (ہمارے زمانے کے) علمائے سوء کو دیکھو، جو دنیا کی طلب اور (اپنے) سلف کی تقلید پر جمے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ کتاب وسنت کی نصوص (دلائل) سے منہ پھیرتے ہیں اور کسی (اپنے پسندیدہ) عالم کے تعمق، تشدد اور استحسان کو مضبوطی سے پکڑے بیٹھے ہیں۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ جو معصوم ہیں (انکے) کلام کو چھوڑ کر موضوع روایات اور فاسد تاویلوں کو گلے لگا لیا ہے اسی وجہ سے یہ لوگ ہلاک ہو گئے ہیں"۔ (الفوز الکبیر فی اصول التفسیر۔ 11-10)

موجودہ دور کے علماء کی رائے

موجودہ دور میں اہل حدیث حضرات کے علاوہ (کیونکہ یہ سب تقلید کے خلاف ہیں) علمائے عرب، علمائے بریلوی حنفی اور علمائے دیوبند حنفی میں سے اختصار کی خاطر ان کے جید علماء میں سے ایک ایک رائے پیش کر دیتے ہیں جنہیں اس معاملے میں حق بات سمجھ آئی ہے:

سعودی عرب کے مفتی عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ: آپ نے فرمایا:

"میں بحمداللہ متعصب نہیں ہوں لیکن میں کتاب وسنت کے مطابق فیصلے کرتا ہوں۔ میرے فتووں کی بنیاد قال اللہ وقال الرسول پر ہے، حنابلہ یا دوسروں کی تقلید پر نہیں ہے" (المجلہ رقم: 806، تاریخ 25 صفر ۱۴۱۶ھ)

علامہ غلام رسول سعیدی صاحب (اہلسنت، بریلوی)

بریلوی مکتب فکر کے بہت بڑے سکالر جنھوں نے تبیان القرآن، شرح مسلم کے علاوہ کئی کتب لکھیں۔ آپ نے بڑے زبردست انداز میں حق بات کو یوں واضح کیا:

ہمیں یہ حقیقت فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ تمام آئمہ شریعت اور علماء طریقت اور مرجع انام اساتذہ اور علماء اپنے تمام اعزاز و اکرام کے باوجود بندے اور بشر ہیں نبی نہیں ہیں اور نہ معصوم ہیں، ان کی رائے میں خطا واقع ہو سکتی ہے اور کوئی غیر نبی انسان اس سے مستثنیٰ نہیں ہے خواہ وہ کتنا ہی بڑا عالم اور فقیہ اور عابد و زاہد کیوں نہ ہو اور کیسا ہی مشہور عاشق رسول کیوں نہ ہو۔ کسی عالم یا فقیہ کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ اسکی تحریر معصوم ہے اور اس میں خطا واقع نہیں ہو سکتی، شرک فی الرسالت کے مترادف ہے اور اس شخص کو امتی کے مقام سے اٹھا کر نبی کے مقام پر کھڑا کرنے کے قائم مقام ہے، العیاذ باللہ''

(شرح صحیح مسلم، جلد۔۱، صفحہ۔37، فرید بک سٹال، ۲۰۰۷)

یہ بنیادی عقیدہ ہے جس پر نجات موقوف ہے، لیکن ہماری حالت یہ ہے کہ اولیاء یا بزرگ حضرات کی ہر بات کو بلا دلیل قرآن و سنت سے بڑھ کر درجہ دیتے ہیں اور انکی کسی بات کو خدا اور رسول کی تعلیمات پر پرکھنے کو انکی بے ادبی اور گستاخی تصور کرتے ہیں، یہی شرک ہے جس میں ظالم شیطان نے لوگوں کو بری طرح ملوث کیا ہے جسکا رد سعیدی صاحب نے بڑے واضح انداز میں کیا ہے۔

مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب (نامور سکالر: اہلسنت، دیوبندی):

''کوئی بد بخت اور ضدی مقلد دل میں یہ ٹھان لے کہ میرے امام کے قول کے خلاف اگر قرآن و حدیث سے بھی کوئی دلیل قائم ہو جائے تو میں اپنے مذہب کو نہیں چھوڑوں گا تو وہ مشرک ہے، ہم بھی کہتے ہیں کہ لا شك فیہ۔۔''

(الکلام المفید فی اثبات التقلید، مولانا محمد سرفراز خان صفدر دیوبندی۔ صفحہ 310)

اور نیز حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ بعض مقلدین نے اپنے امام کو معصوم عن الخطا ومصیب وجوباً مفروض الاطاعت تصور کر کے عزم بالجزم کیا کہ خواہ کیسی ہی حدیث صحیح مخالف قول امام کے ہو اور مستند قول امام کا بجز قیاس امر دیگر نہ ہو پھر بھی بہت سے علل اور خلل حدیث میں پیدا کر کے یا اس کی تاویل بعید کر کے حدیث کو رد کر دیں گے ایسی تقلید حرام اور مصداق قولہ تعالےٰ اتخذوا احبارھم الآیۃ اور خلاف وصیت ائمہ مرحومین ہے الخ۔۔۔۔۔۔

(الکلام المفید فی اثبات التقلید۔مولانا محمد سرفراز خان صفدر دیو بندی۔صفحہ 305)

آئمہ کرام رحمہ اللہ بریٔ الذمہ ہیں

پیارے بھائیو! ظالم شیطان کا لوگوں کو اندھی تقلید پر عمل پیرا کرانے کا دھوکہ ابھی آپ پر آشکار ہو جائے گا۔ پڑھیں اور غور کریں کہ یہ لوگ کس قدر سختی سے اطاعت رسول ﷺ پر عمل پیرا تھے اور کس طرح انھوں نے لوگوں کو اندھی تقلید سے روکا۔

<u>امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ</u> (المتوفی:150ھ):

﴿ إذا صح الحديث فهو مذهبي ﴾ جب حدیث صحیح ہو تو وہی میرا مذہب ہے۔

(ردالمختار، حاشیہ درمختار، ج:1،ص:68)

مزید فرمایا:

((حرام على من لم يعرف دليلي ان يفتي بكلامي وفي روايه: فاننا بشر نقول القول اليوم و نرجع عنه غداً وفي روايه))

''جو شخص میری دلیل کو نہیں جانتا میرے اقوال سے فتویٰ دینا اسکے لئے حرام ہے، کیونکہ ہم بھی انسان ہیں آج ایک بات کرتے ہیں کل اس سے رجوع کر کے دوسری بات کرتے ہیں''۔ (ایقاظ ھمم اولی الابصار ص۔50 فتاویٰ الدین الخالص 11/1)

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اطاعت رسول ﷺ کے حوالے سے کس قدر محتاط تھے، آپ کے درج ذیل عمل

سے اسکا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ آپ نے ایک دن اپنے شاگرد قاضی ابو یوسفؒ کو فرمایا:

((و یحلك یا یعقوب : لا تکتب کل ما تسمع منی فانی قد أری الرای الیوم و أترکه غداً و اری الرای غداً و اترکه بعد غد))

ترجمہ: ''اے یعقوب (ابو یوسف) تیری خرابی ہو، میری ہر بات نہ لکھا کر، میری آج ایک رائے ہوتی ہے اور کل بدل جاتی ہے، کل دوسری رائے ہوتی ہے تو پرسوں وہ بھی بدل جاتی ہے'' **(تاریخ یحیٰی بن معین ج ۲ ص ۔ ۶۰۷ ۔ سندہ صحیح ۔ تاریخ بغداد 424/13)**

اگر ہم بات تسلیم کرنا چاہیں اور ظالم شیطان سے نجات اور ہدایت کے راستے کو اپنانا چاہیں تو درج بالا بیان میں ہمارے لئے بہت کچھ موجود ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ (المتوفی: 179ھ):

''میری رائے کو دیکھ لیا کرو جو کتاب وسنت کے مطابق ہو اسے لے لو جو خلاف ہو اسے ترک کر دو''۔

(ایقاظ ھمم اولی الابصار، ص:72)

امام شافعی رحمہ اللہ (المتوفی: 204ھ):

((إذا صح الحدیث قولی فا عملوا بالحدیث واترکوا قولی))

(آداب الشافعی، ومناقبہ لابن ابی حاتم رازی، ص:93)

ترجمہ: ''جب میری بات کے مقابلے میں حدیث مل جائے تو حدیث پر عمل کرو اور میری بات کو چھوڑ دو''۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی 241ھ):

﴿ لا تقلدنی ولا تقلد مالکا ولا الشافعی ولا الاوزاعی ولا الثوری و خذ من حیث اخذه ﴾ (حجۃ اللہ البالغۃ، ایقاظ ھمم اولی الابصار، ص:113)

ترجمہ: ''نہ میری تقلید کرو نہ مالکؒ، نہ شافعیؒ، نہ اوزاعیؒ اور نہ ثوریؒ کی بلکہ جہاں سے انھوں نے دین لیا تم بھی وہاں سے لو۔''

مزید یہ کہ: ایک آدمی نے امام مالک رحمہ اللہ سے کوئی مسئلہ دریافت کیا آپ رحمہ اللہ نے جواب میں ارشاد فرمایا اس مسئلہ میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہے یعنی اسے حدیث سنائی۔ اُس نے پوچھا آپ کی کیا رائے ہے؟ اس پر آپ نے قرآن مجید کی درج ذیل آیت تلاوت کی:

((فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ)) (نور۔آیت:63)

ترجمہ: ''رسول اللہ (ﷺ) کے حکم کی مخالفت کرنے والوں کو ڈرنا چاہیے کہ وہ کسی فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں یا ان پر دردناک عذاب نہ آ جائے۔'' (شرح السنہ)

حالانکہ سوال کرنے والے نے حکم رسول ﷺ کی مخالفت نہ کی تھی لیکن حضور ﷺ کی حدیث معلوم ہو جانے کے بعد سوال کو بھی برداشت نہ کیا۔

محترم مسلمانو غور کیجیے!

یہ برگزیدہ لوگ وہ اندھی تقلید جس میں آج کے لوگ ملوث ہیں اس سے بریٔ الذمہ ہیں ان پر اس کا وبال ہرگز نہ ہوگا کیونکہ اُنھوں نے حکماً سختی سے روک دیا اور رسول مکرم ﷺ کی اطاعت کی تلقین کی۔ اب سوال یہ ہے کہ اللہ ﷻ نے غیر مشروط اطاعتِ رسول ﷺ کا حکم دیا۔ خود حضور ﷺ نے بھی اِس کی تلقین کی، صحابہ و تابعین، آئمہ و سلف صالحین نے بھی تو پھر ایسا کیوں ہوا؟

مزید تسلی کے لیے امام شافعی رحمہ اللہ کا ایک اور قول دیکھیے آپ رحمہ اللہ نے فرمایا:

﴿رسول ﷺ کے فرمان کے مقابلے میں کسی کے قول کا کچھ اعتبار نہیں خواہ اس کے قائلین کی تعداد کتنی ہی زیادہ ہو﴾ (حجۃ اللہ البالغہ، الیواقت الجواہر)

محترم بھائیو! کیا اب آپ ابلیس کے اس دھوکہ کا شکار رہوں گے کہ یہ باتیں آئمہ کرام نے تواضع وانکساری کے طور پر کہیں۔نہیں بلکہ اطاعت رسول ﷺ کا حکم ہی اتنا سخت ہے کہ کوئی بھی یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ اگر واقعی حضور ﷺ سے سچی محبت ہے تو کم از کم بخاری و مسلم خریدیں اور دیکھیں مدنی آقا ﷺ کے طریقوں اور آج کے لوگوں کی عبادت میں کس قدر عدم مطابقت ہے۔

ابلیس کا اصل ہدف ہی اللہ تعالیٰ و رسول ﷺ سے دور کرنا ہے۔اس لیے رب کریم نے ایک نئے انداز میں اطاعت رسول ﷺ کی تلقین فرمائی۔

﴿ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴾ (النساء۔آیت:61)

ترجمہ: ”اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس چیز کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے نازل کی ہے اور آؤ رسول (ﷺ) کی طرف تو تم ان منافقوں کو دیکھو گے کہ وہ تمہاری طرف آنے سے رُک جاتے ہیں“۔

☆ پس معلوم ہوا کہ اطاعت رسول ﷺ سے پہلو تہی منافقت کی علامت ہے۔

جائز تقلید کا اصول

عوام ہوں یا خواص دین کو سمجھنے کے لیے لوگوں کی تحقیق سے تو استفادہ کرنا ہی پڑتا ہے اس میں کوئی حرج نہیں اگر اندھی پیروی نہ کی جائے۔

اللہ تعالیٰ نے تقلید کی جائز صورت کو انتہائی واضح طور پر بیان فرمایا ہے۔چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى فَبَشِّرْ عِبَادِ ۝ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝﴾ (الزمر۔آیت:18-17)

ترجمہ: ''اور وہ لوگ جو طاغوت کی عبادت سے اجتناب کرتے ہیں اور اللہ ﷻ کی طرف رجوع کرتے ہیں ان کے لیے بشارت ہے۔ تو (اے نبی ﷺ)! خوشخبری دیجیے میرے ان بندوں کو جو بات کو غور سے سنتے ہیں اور پھر احسن (قول) کی پیروی کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ ﷻ نے ہدایت دی ہے اور یہی لوگ عقل والے ہیں۔''

بات واضح ہوگئی: اللہ ﷻ نے ایک واضح اصول دیا ہے کہ ہدایت یافتہ اور اہل عقل وہ لوگ ہیں جو اندھی پیروی نہیں کرتے بلکہ پہلے بات کو غور سے سنتے ہیں اور پھر ان باتوں میں جو بات احسن ہو اس کی پیروی کرتے ہیں یعنی ان کی تقلید گہری بصیرت پر مبنی ہے۔ جائز تقلید یہی ہے کہ آئمہ و سلف صالحین میں سے جس کا قول قرآن وسنت کے زیادہ قریب ہو اسے قبول کیا جائے۔ بعض معاملات میں احناف کی رائے، بعض میں شوافع...... کی بہتر ہے۔ ایسا کرنے سے اطاعت رسول ﷺ کا حق بھی ادا ہو جائے گا۔ آئمہ کرام کی نافرمانی سے بھی بچ جائیں گے اور فرقہ وارانہ تعصب بھی ختم ہو جائے گا۔ کیا ہم اللہ کے اس فرمان پر عمل کرنے کے لیے تیار ہیں؟

اگلا وسوسہ: ابلیس لعین یہ وسوسہ دلاتا ہے کہ اتنا مشکل کام کون کرے؟ محترم بھائیو! چند روزہ دنیاوی زندگی کی کامیابی کے حصول پر اس سے ۱۰۰ گنا مشکل کام پر بھی ہمیں یہ وسوسہ نہیں آتا ہم فوراً کر گزرتے ہیں تو نجات کے لیے کچھ تو کرنا پڑے گا۔ دنیاوی معاملات میں ہم اتنے سیانے ہیں کہ جعلی نوٹ نہیں لیتے، ہر نوٹ پر گورنمنٹ کی مہر چیک کرتے ہیں، کئی طریقوں سے تسلی کرتے ہیں لیکن دینی مسائل پر آنحضور ﷺ کی مہر چیک نہیں کرتے آنکھیں بند کر کے اس پر عمل شروع کر دیتے ہیں۔ یاد رکھیں بروز قیامت صرف ان اعمال کا وزن ہوگا جن پر نبی ﷺ کی مہر ہوگی۔ عام پڑھے لکھے کے لیے تو یہ کچھ بھی مشکل نہیں۔ کم از کم اتنا تو ہو کہ اگر کوئی بتلائے کہ آؤ میں تمہیں دکھاؤں رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کسی مسئلہ میں کیا کہتی ہیں۔ ہم تو وہ بات سننے کے لیے بھی تیار نہیں ہوتے۔ کیا یہ اپنے ساتھ ناانصافی نہیں؟

علمائے اُمت کے نزدیک جائز تقلید کا تصور

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "حجة الله البالغه" میں اندھی تقلید کو تحریف دین کے عظیم ترین اسباب میں سے ایک سبب کہا ہے اور لکھا ہے کہ اب حالت یہ ہو چکی ہے کہ امام کے قول کی خاطر لوگ صحیح حدیث کو بھی رد کر دیتے ہیں۔ اُنھوں نے جائز تقلید کو یوں بیان کیا!

((جس تقلید کو علمائے اُمت نے جائز قرار دیا وہ یہ ہے کہ آدمی کسی عالم مجتہد کے قول کا اتباع کرے لیکن ساتھ ہی یہ اس کا مستحکم عقیدہ ہو کہ وہ ایک غیر معصوم انسان ہے اس کا قول غلط بھی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ علماء کا یہ متفق علیہ قول ہے جسے عقائد کی کتابوں میں بھی لکھا گیا ہے کہ ﴿المجتهد يخطى و يصيب﴾ یعنی مجتہد کا قول کبھی غلط بھی ہوتا ہے اور کبھی درست'۔ ایسے مقلد کا فرض ہے کہ وہ ہمیشہ اس بات کے لیے تیار رہے کہ اگر اُس کو امام کے قول کے خلاف کوئی بات مل جائے تو وہ فوراً اُسے ترک کر کے حدیث کا اتباع کرے گا))۔

(حجۃ اللہ البالغہ: حصہ اول، ص 418، مترجم، مطبوعہ الفیصل ناشران، اگست، 2006)

کیا سلف صالحین موجودہ لوگوں کی طرح تقلید کرتے تھے؟

اس حوالے سے حقیقت حال کو حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے یوں واضح کیا ہے:

"چوتھی صدی ہجری تک یہ کیفیت تھی کہ لوگ بالخصوص کسی ایک مذہب کی تقلید کرنا اور صرف اسی کا علم حاصل کرنا ضروری نہیں سمجھتے تھے جیسے کہ واقف حال علماء سے مخفی نہیں۔ امر واقع یہ ہے کہ لوگوں کی دو جماعتیں تھیں، علماء اور عوام ۔عوام کا یہ حال تھا کہ مسائل اجماعیہ میں جن میں کسی مجتہد کا اختلاف نہیں وہ صاحب شرح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول اور عمل پر کاربند ہوتے تھے۔ وضو، غسل، نماز اور روزہ وغیرہ کی کیفیت اپنے گھر

کے بزرگوں یا اپنے شہر کے کسی عالم سے سیکھا کرتے تھے۔ جب کوئی واقعہ پیش آتا جس کا حکم شرعی معلوم کرنا چاہتے تو وہ کسی عالم سے پوچھ لیتے تھے اور اس پر عمل پیرا ہوتے تھے، اس عالم کی بابت یہ تفتیش نہیں کرتے تھے کہ وہ کس مذہب کا عالم ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اگر مجتہدین کے اقوال مختلف ہوتے تو ان میں سے کسی ایسے قول کو اختیار کرتے جو ان کے نزدیک زیادہ قابل وثوق واعتماد ہوتا قطع نظر اس کے کہ وہ اہل مدینہ کا قول ہو یا اہل کوفہ کا مذہب ہو۔ جب ان کو مذکورہ بالا صورتوں میں سے کسی ایک کے مطابق بھی حکم کی تصریح معلوم نہ ہوسکتی تو وہ مجتہد فی المذہب کے طور پر حکم کی تخریج عمل میں لاتے۔ جن آئمہ کے اقوال کو سامنے رکھ کر تخریج کرتے ان کی طرف ان کو منسوب کیا جاتا مثلاً کہا جاتا ہے کہ وہ شافعی ہے یا حنفی۔ چنانچہ اہل حدیث علماء میں سے جس کے اکثر مجتہدات کسی مشہور امام مجتہد کے موافق ہوتے اس کو بعض اوقات اسی امام کی طرف منسوب کیا جاتا، نسائی رحمہ اللہ اور بیہقی رحمہ اللہ کو اسی بنا پر شافعی کہا جاتا ہے۔"

(حجۃ اللہ البالغہ صفحہ: 501-500، حصہ اول، مترجم: مطبوعہ الفیصل ناشران)

اس کے بعد صفحہ 501 کے حاشیہ پر اس بات کی وضاحت یوں کی گئی ہے:

"یہاں اس بات پر توجہ دلانا ضروری ہے کہ یہ مشہور ہے اور بعض تذاکر حیات میں بھی لکھا ہوتا ہے کہ مثلاً امام بخاری رحمہ اللہ شافعی تھے اس کے یہی معنی ہیں کہ وہ منسوب بہ شافعی تھے کیونکہ امام شافعی رحمہ اللہ ہی کے اصول فقہ وتشریح کو پیش نظر رکھ کر اجتہاد کرتے تھے ورنہ درحقیقت وہ اصحاب الحدیث میں سے تھے۔ الغرض یہ ایک بہت بڑی غلط فہمی ہے جس میں اکثر علماء مبتلا ہیں اس لئے اس نقطہ کو اچھی طرح یاد رکھیں ان سطور میں شاہ صاحب نے اسی غلط فہمی کا ازالہ کیا ہے۔"

ابلیس کے داؤ

ویسے تو ایک حقیقی مسلم کے لیے قرآن وسنت سے جو دلائل پیش کیے گئے کافی ہوں گے لیکن ظالم شیطان نے بھی پختہ عزم کیا ہوا ہے انسانیت کو تباہ کرنے کا اس کے ہزاروں داؤ ہیں۔ ہم نے بھی

اللہ ﷻ کے فضل سے آقا ﷺ کی اُمت پر ابلیسی وسوسوں کو واضح کرنے کا عہد کر رکھا ہے اس لئے حقیقت ملاحظہ کریں۔ ابلیس لعین اندھی تقلید پر آمادہ کرنے اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات سے دور کرنے کے لیے یوں وسوسہ اندازی کرتا ہے:

وسوسہ نمبر ۱: اتنے جید بزرگان دین کی رائے غلط ہو ہی نہیں سکتی

حل: خطا سے پاک صرف انبیاء کرام کی تعلیمات ہیں اس لیے صرف اطاعت رسول ﷺ کا حکم دیا گیا اور انبیاء کرام کے علاوہ کسی کو معصوم عن الخطاء تسلیم کرنا کفر میں داخل ہے۔ شیطان سے بچنے کے لیے چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔ اولاً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے رہنمائی لیتے ہیں جو کہ انبیاء کرام کے بعد سب سے افضل لوگ تھے۔ چند احادیث کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے:

نمبر ۱: اسلام کی ابتداء میں حالت جنابت میں سحری کرنا ممنوع تھا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد 30 سال تک اسی پر فتویٰ دیتے رہے۔ مروان بن حاکم کے دور میں ان تک ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت پہنچی کہ آپ ﷺ نے حالت جنابت میں سحری اور روزہ رکھنے کی اجازت مرحمت فرمادی تھی تو انھوں نے فوراً رجوع کرلیا۔

(صحیح بخاری " کتاب الصوم" حدیث نمبر 1926 صحیح مسلم "کتاب الصیام" حدیث نمبر 2589)

لمحہ فکریہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کثرت سے احادیث روایت کرنے والے اور بیشتر وقت آپ ﷺ کی صحبت میں گزارنے والے تھے اس کے باوجود اگر اتنی بڑی خبر ان سے پوشیدہ رہ سکتی ہے تو بعد والے لوگوں کے متعلق کیا خیال ہے جبکہ صحیح احادیث کا اہتمام بھی نہ تھا۔

نمبر ۲: آپ ﷺ کے انتقال کے بعد سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا، سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے میراث لینے آئیں تو اُنھوں نے فرمایا کہ "رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ انبیاء کی وراثت تقسیم نہیں ہوتی وہ جو کچھ چھوڑیں صدقہ ہے اور فرمایا کہ اگر میں آپ ﷺ کی بات کے خلاف کروں

تو مجھے ڈر ہے کہ سیدھی راہ سے پھسل جاؤں۔"

(بخاری "کتاب فرض الخمس" حدیث نمبر 3092 ، مسلم "کتاب الجهاد" حدیث نمبر 4579)

لمحہ فکریہ: پہلی بات یہ کہ سیدہ فاطمۃ الزہراہ رضی اللہ عنہا تک یہ خبر نہ پہنچی تھی۔ دوسری بات یہ کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے نزدیک کس قدر اہم تھا۔ فرمایا اگر میں نے ایسا کیا تو ڈر ہے کہ گمراہ ہو جاؤں۔ اگر کسی نے ہدایت قبول کرنی ہو تو یہ ایک بات ہی کافی ہے۔ غور کریں اور عبرت پکڑیں۔ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے جن کے نزدیک آپ ﷺ کی بات کی اہمیت تھی جو مر مٹنے کے لیے تیار رہتے تھے۔ دوسری طرف علماء حضرات ہیں جو اس بات پر کتابیں لکھتے جا رہے ہیں کہ اگر اندھی تقلید نہ کی تو گمراہ ہو جاؤ گے۔

نمبر ۳: غزوہ خیبر کے موقع پر آپ ﷺ نے متعہ کو قیامت تک کے لیے حرام کر دیا تھا جس کی خبر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ تک نہیں پہنچی تھی اسی لیئے آپ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد 50 سال تک اس کے جواز پر ہی فتویٰ دیتے رہے حتیٰ کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے بتانے پر آپ رضی اللہ عنہ نے رجوع کیا۔

(صحیح بخاری "کتاب النکاح" حدیث نمبر 5116 ، صحیح مسلم "کتاب النکاح" حدیث نمبر 3429)

قارئین گرامی: یہ تو وہ نفوس قدسیہ تھے جو ایک ہی علاقہ میں رہتے تھے اور سب آپ ﷺ کی صحبت میں وقت گزارتے اس کے باوجود بعض اہم معلومات ان تک نہ پہنچ سکیں تو بعد میں آنے والے لوگوں کے متعلق ہم نے کیوں ایسا گمان کر لیا اور اللہ ﷻ و رسول ﷺ کے اور خود اُن لوگوں کے منع کرنے کے باوجود ہم نے حق کا رستہ چھوڑ دیا ہے۔

کیا بات بالکل واضح نہیں ہو گئی؟

کیا ابلیس کے سب سے بڑے وار کا وجود ختم نہیں ہو گیا؟ سوچیں اور اس ملعون سے جان چھڑائیں۔ چونکہ زیادہ تر یہاں احناف کا مسلک ہے جس کی اندھی تقلید میں لوگوں کی حالت قابل رحم

ہے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے واضح حقیقت سامنے آ جانے کے بعد مزید وضاحت کی ضرورت تو نہ تھی لیکن ظالم شیطان نے جو انسانوں میں پنجے گاڑے ہوئے ہیں اُس سے چھڑانے کے لیے ایک آدھی مثال غور وفکر کے لیے پیش کی جاتی ہے۔

نمبر ۱: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مدینہ حرم نہیں جس کی وجہ آپ تک احادیث نہ پہنچنا ہی ہوسکتا ہے۔چنانچہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب 'درمختار' میں لکھا ہے کہ:

"ہم حنفیوں کے نزدیک مدینہ حرم نہیں"۔

جبکہ صحیح مسلم میں 30 احادیث موجود ہیں جن میں یہ الفاظ موجود ہیں کہ مدینہ حرم ہے اسی طرح بخاری میں 20 احادیث اور یہ متواترہ احادیث ہیں جنھیں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مالک بن انس رضی اللہ عنہ، جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ وغیرہ جیسے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے روایت کیا۔ان روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ! آپ ﷺ نے فرمایا: "اے اللہ ﷻ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا تھا اور میں مدینے کو حرم بنا تا ہوں، اے اللہ ﷻ مدینہ کی محبت ہمارے دلوں میں مکہ کی طرح کر دے۔" اس ضمن میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی رسول اللہ ﷺ سے روایت کردہ صحیح حدیث بھی ملاحظہ فرمائیں:

ترجمہ: "مدینہ حرم ہے فلاں جگہ سے لے کر فلاں جگہ تک۔اس حد میں کوئی درخت نہ اُکھاڑا جائے اور نہ ہی کوئی بدعت جاری کی جائے۔جس نے یہاں کوئی بھی بدعت نکالی اُس پر اللہ ﷻ کی لعنت، تمام فرشتوں کی لعنت، اور تمام اِنسانوں کی لعنت ہے۔اور قیامت کے دِن اللہ ﷻ نہ تو اُس کا کوئی فرض قبول کرے گا اور نہ ہی کوئی نفل قبول کرے گا۔"

(صحیح بُخاری "فضائل مدینہ" حدیث نمبر 1867، صحیح مُسلم "کتاب الحج" حدیث نمبر 3324)

نمبر ۲: امام محمد رحمہ اللہ جو کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد تھے اُنھوں نے کتاب موطا امام محمد میں لکھا ہے کہ "عقیقہ مکروہ ہے اور یہ زمانہ جاہلیت کی رسم ہے"۔یہی بات فتاویٰ عالمگیری میں بھی

موجود ہے۔جبکہ صحیح بخاری میں کتاب العقیقہ کے نام سے پورا باب موجود ہے اور آپ ﷺ نے اس کام کی ترغیب دی ہے۔

نمبر ۳: امام ابوحنیفہ رحمہ علیہ کے نزدیک شوال کے چھ روزے رکھنا مکروہ ہے خواہ جُدا جُدا رکھے جائیں یا پے در پے۔ (فتاوی عالمگیری، مترجم، جلد 2، صفحہ 13)

اس طرح کی کئی اور مثالیں ہیں۔صرف انہی پر اکتفا کرتے ہیں۔اُمید ہے حقیقت واضح ہو چکی ہوگی کہ کیوں آئمہ کرام لوگوں کو اپنی اندھی پیروی سے روکتے رہے۔کاش علماء اپنا فرض ادا کرتے اور مسلک بچانے کی خاطر حق نہ چھپاتے۔رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کو خود بھی تسلیم کرتے اور آپ ﷺ کے اُمتیوں کو بھی کھول کھول کر بتلاتے تاکہ لوگ حق سے دُور نہ رہتے اور جنت کے مستحق بنتے۔

نوٹ: مفتی زرولی خان صاحب نے احسن المقال کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہے جس میں امام صاحب کے شوال کے روزوں کے قول کو فوقیت دینے کی خاطر مسلم شریف کی صحیح روایات کو بھی ناقابل عمل قرار دے دیا گیا ہے۔

وسوسہ نمبر ۲: اگر ان کی بات غلط نکل آئی تو بزرگی پر حرف آئے گا

حل: غلط فہمی ہونے سے قطعاً بزرگی پر حرف نہیں آتا جب تک انسان کی نیت غلط نہ ہو۔صرف انبیائے کرام ایسی غلط فہمیوں سے محفوظ ہیں۔اگر سلف صالحین کی تعلیمات کو قرآن وسنت پر پرکھنا گستاخی ہے تو کیا اللہ ورسول ﷺ کی تعلیمات کو پس پشت ڈالنا اللہ ورسول ﷺ کی گستاخی نہ ہوگا؟ جن کی پیروی کا ہمیں سختی سے حکم دیا گیا۔

وسوسہ نمبر ۳: اتنے سارے لوگ جو اندھی تقلید کرتے آئے اور کررہے ہیں کیا وہ غلط ہیں؟

حل: پہلا حصہ: پیارے بھائیو! اتنے سارے موجودہ لوگ جو اندھی تقلید پر عمل پیرا ہیں وہ بغیر کسی دلیل کے دیکھا دیکھی ایسا کررہے ہیں۔ ان کے پاس صرف ایک ہی دلیل ہے کہ ان کے آباؤ اجداد اور بزرگ ایسا کرتے آئے کیا وہ غلط تھے۔یہ ابلیس کا ایک اور بہت خطرناک وار ہے جس

سے وہ لوگوں کو شکار کرتا ہے۔رب کریم نے اسے اِن الفاظ میں بیان فرمایا:

﴿وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَ نَا اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ﴾(سورۃ لقمان،آیت:21)

ترجمہ:''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ پیروی کرو اسکی جو اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے تو وہ کہتے ہیں بلکہ ہم تو اسی کی اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے آباؤاجداد کو پایا۔ بھلا کیا ان کو (اوران کے آباؤاجداد کو) شیطان دوزخ کے عذاب کی طرف بلاتا ہو تو تب بھی''؟

یاد رکھیں قرآن وسنت کو معیار اور پیمانہ بنائے بغیر رحمان کی بات اور شیطان کی بات میں فرق واضح نہیں ہوسکتا۔یہی وجہ ہے کہ قادیانیوں کے گھر پیدا ہونے والا قادیانی،عیسائیوں کے گھر پیدا ہونے والا عیسائی بن جاتا ہے۔

بدقسمتی یہ ہے کہ ہم نے سچائی کا معیار یہ سمجھ لیا ہے کہ جس گھر میں مَیں پیدا ہوا ہوں اس گھر والوں کا جو دین مذہب ہے وہی درست ہے۔مثلاً اگر کوئی آدمی مرزائی کو کافر سمجھتا ہے اگر خدانخواستہ وہ خود کسی مرزائی کے گھر پیدا ہوگیا ہوتا تو پھر مرزائی مذہب کو درست سمجھتا۔اسی طرح شیعہ، بریلوی، دیوبندی، اہلحدیث وغیرہ اور یہی اندھی تقلید ہے۔

<u>دوسرا حصہ:</u> اتنے سارے پرانے بزرگ جو اندھی تقلید کرتے آئے کیا وہ غلط تھے؟

حل: محترم بھائیو!

(i) اگر آپ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اس وسوسے کا اپنا وجود بھی محض دھوکے اور اندھی پیروی پر قائم ہے۔اگر آپ تاریخ کا مطالعہ کریں تو یہ حقیقت آشکار ہو جائے گی کہ چوتھی صدی ہجری تک اس اندھی تقلید کا نام ونشان نہ تھا جیسا آپ ''حجة الله البالغه'' کے حوالے سے دیکھ چکے ہیں۔

(ii) قرآن وسنت تو محفوظ ہے جس کا ذمہ اللہ ﷻ نے لیا اور اسی کے حوالے ہمیں اللہ ﷻ کے

رسول ﷺ نے کیا اور اس کا پابند کیا اور بروز قیامت اسی کے متعلق ہم سے سوال ہوگا تو کیا یہ عقل مندی ہے کہ اس چیز کو لازم قرار دے دیا جائے جس کے متعلق پوچھا بھی نہیں جائے گا اور اس چیز پر عمل پیرا نہ ہوا جائے جس کا سختی سے پابند کیا گیا ہے۔

(iii) کیا وہ بزرگانِ دین جن کی ہم اندھی پیروی کرتے ہیں وہ اسے قبول کریں گے جب وہ خود ہی سختی سے اس عمل کا رد فرما رہے ہیں تو ان کی بات کو ٹھکرا دینا کیا ان سے محبت ہے؟

(iv) چونکہ وحی کا درجہ عقل سے اوپر ہے اس لیے اکثر بزرگانِ دین وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ جیسے جیسے قرآن وسنت کی تعلیمات سے حقیقت کھلتی ہے خود اپنی باتوں سے رجوع کرتے رہتے ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اپنی زندگیوں میں کئی مثالیں موجود ہیں۔

(v) کسی بزرگ کی جس بات کو آپ صحیح سمجھ رہے ہیں ہوسکتا ہے اس سے بڑے بزرگانِ دین اس بات کے خلاف رائے رکھتے ہوں۔ پس معلوم ہوا کہ قابلِ اتباع شخصیت ایک ہی ہے اس لیے صرف ان کا ہمیں پابند کیا گیا اور وہ سید الاولین والاخرین جناب محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ کے حوالے سے ضروری وضاحت

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ یا کسی بھی اور شخصیت کی تعلیمات سے استفادہ کرتے ہوئے یہ چیز ذہن نشین رہنی چاہیے کہ وہ پیغمبر نہیں تھے کہ انکی ہر بات %100 درست ہو۔ چنانچہ شاہ صاحب نے بہت سی کتب لکھی ہیں اور وقت کے ساتھ آپ پر چیزیں کھلتی رہی ہیں۔ چونکہ آپ مخلص انسان تھے اس لے جب بھی صحیح بات کا ادراک ہوتا تو غلط کو ترک کر دیتے اور درست بات اپنا لیتے اسی لیے انکی مختلف کتب میں انکی اپنی رائے میں کچھ اختلافات نظر آتے ہیں۔ مثلاً بعض جگہ وہ تقلید کے حق میں لکھتے ہیں بعض جگہ اسکا رد کرتے ہیں۔ اسی طرح بعض کتب میں قبروں سے فیض کے جواز میں لکھتے ہیں اور بعض جگہ اسے کافرانہ اور مشرکانہ فعل قرار دیتے ہیں۔ آپ نے انصاف کیا ہے اپنی شہرہ آفاق تحریر حجتہ

اللہ لبالغہ کی ابتداء میں یہ وضاحت فرمائی ہے کہ مجھ سے استفادہ کرتے ہوئے قرآن وسنت کو مرکزی اہمیت دی جائے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا۔

((اور سن لو کہ میں ہر اس چیز سے بالکل بری ہوں جو کسی آیت قرآن یا حدیث نبوی کے مخالف ہو یا اجماع اُمت کے خلاف ہو جس کی خوبی اور بہتری پر شہادت ہو چکی ہو))

مزید فرمایا: ((اگر مجھ سے ایسی بات سرزد ہوئی ہو تو اُسے بالکل خطا سمجھنا چاہیے جو شخص مجھ کو خوابِ غفلت سے بیدار کرے اللہ کی اُس پر رحمت ہو))

غور فرمائیں یہ باتیں وہ شخصیت کر رہی ہے جس کے علمی مقام کو پوری دُنیا تسلیم کرتی ہے۔ یاد رہے کہ قرآن مجید کا پہلا ترجمہ کرنے کا شرف بھی انہی کو حاصل ہوا جس پر قریباً دو سو کے قریب افراد کے ایک گروہ نے آپؒ کو قتل کرنے کی کوشش کی جس سے اللہ ﷻ نے آپ کو محفوظ رکھا۔

اگر ہم سب اس رستے پر عمل پیرا ہو جائیں تو نفرتیں ختم ہونے کے ساتھ ساتھ ہماری حقیقی اصلاح بھی ہو جائے۔ اللہ ہمیں اسکی توفیق عطا فرمائے۔

یاد رکھیں! نجات کا دارومدار صرف قرآن وسنت پر ہے۔ ہر ایک کو حسب استطاعت عقل و بصیرت سے کام لیتے ہوئے آئمہ وسلف صالحین کے فہم سے استفادہ کرتے ہوئے قرآن وسنت کو ہی زندگی کا معیار بنانا ہے۔ اجماع امت بھی حجت ہے کیونکہ آنحضور ﷺ کا فرمان مبارک ہے کہ میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی اور قرآن مجید کی بعض آیات سے بھی اشارۃً اس بات کی تصدیق ہوتی ہے۔ پہلے 400 سال کے مسلمانوں نے ایسا ہی کیا اور اکثر بعد والے بزرگانِ دین نے بھی۔ قرآن وسنت کی حفاظت کا ذمہ اللہ نے لیا اس لیے قیامت تک محفوظ رہے گی۔ غور طلب بات یہ ہے کہ باقی آسمانی کتابیں تورات اور انجیل وغیرہ میں اگر تحریف ہو سکتی ہے تو عام لوگوں کی کتابوں کے محفوظ ہونے کی کیا گارنٹی ہے۔ اس لیے ہر چیز کو قرآن وسنت پر پرکھنا ضروری ہے۔ قرآن وسنت کی بجائے اندھی تقلید پر عمل پیرا ہو کر جو اذیت ہم رسول اللہ ﷺ کو پہنچا رہے ہیں اسکا

اندازہ بروز قیامت ہی ہوگا۔ اللہ ﷻ ہمارے حال پر رحم فرمائے (آمین)

اندھی تقلید اور حقیقت حال

ہم کس حد تک اندھی تقلید کی زنجیروں میں جکڑے جا چکے ہیں، حقیقت حال جاننے کے لیے صرف دو مثالیں پیش خدمت ہیں۔

مثال نمبرا: ایک صحیح حدیث میں آنحضور ﷺ نے نماز کے متعلق اپنی امت کی یوں رہنمائی فرمائی:

((من ادرك من الصبح ركعة قبل ان تطلع الشمس فقد ادرك الصبح))

ترجمہ: ''جس نے صبح کی ایک رکعت سورج کے طلوع ہونے سے پہلے پائی تو اس نے یقیناً صبح (کی نماز) پالی'' (البخاری، 579، مسلم، 608)

احناف کا موقف اس کے برعکس ہے۔ جائز تقلید تو یہ تھی کہ دلیل ملنے پر فرمان رسول ﷺ کو ترجیح دی جاتی لیکن اس بات کو تسلیم نہیں کیا گیا چنانچہ مفتی رشید احمد لدھیانوی صاحب لکھتے ہیں:

''غرضیکہ یہ مسئلہ اب تک تشنہ تحقیق ہے۔ لہٰذا ہمارا فتویٰ اور عمل قول امامؒ کے مطابق ہی رہے گا اس لئے کہ ہم امام رحمہ اللہ تعالیٰ کے مقلد ہیں اور مقلد کے لیے قول امام حجت ہوتا ہے نہ کہ ادلہ اربعہ کہ ان سے استدلال وظیفہ مجتہد ہے''

(ارشاد القاری الی صحیح البخاری، ص: 412)

افسوس کہ مفتی صاحب نے حد کر دی ہے کہ قرآن وسنت ہمارے لئے حجت ہی نہیں۔ مفتی صاحب کو یہ ہمت شاید اسلیئے مل گئی کہ سابقہ فقہا بھی ایسی جرءت کر چکے تھے جیسا کہ چوتھی صدی ہجری کے امام کرخی صاحبؒ کے درج ذیل قول سے ظاہر ہے:

''اصل یہ ہے کہ ہر آیت جو ہمارے اصحاب کے خلاف ہے، اسے منسوخیت پر محمول یا مرجوح سمجھا جائے گا بہتر یہ ہے کہ تطبیق کرتے ہوئے اسکی تاویل کر لی جائے''۔

(اصول الکرخی۔ 29، ص۔ 12)

مثال نمبر ۲: یہ حقیقت ہے کہ اعمال میں کمی بیشی کے ساتھ انسان کے ایمان میں بھی کمی بیشی پیدا ہوتی ہے جسے قرآن مجید میں یوں بیان کیا گیا:

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴾ (سورہ انفال، آیت:2)

ترجمہ: ''بس ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ ﷻ کی آیات ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیات اس کے ایمان کو اور زیادہ کر دیتی ہیں اور (ایسے) لوگ اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔''

دوسری طرف امام ابوحنیفہ ؒ کی طرف یہ قول منسوب ہے:

(ایمان اهل السماء والارض لایزید ولا ینقص)

ترجمہ: ''آسمان اور زمین والوں کا ایمان نہ بڑھتا ہے اور نہ کم ہوتا ہے'' (شرح فقہ اکبر از ملا علی قاری)

اب ہونا تو یہی چاہیے تھا کہ قرآن کی واضح بات کو بعینہ تسلیم کر لیا جاتا اور مذکورہ قول امام کو ترک کر دیا جاتا جیسا کہ خود آئمہ کرام فرما چکے۔ لیکن اسکے برعکس امام کے قول کو بچانے کی خاطر تاویلیں کرتے ہوئے ایمان کی مختلف اقسام منجی، معلّی وغیرہ بنالی گئی ہیں حالانکہ ہوسکتا ہے یہ قول امام صاحب کی طرف منسوب ہو اور انہوں نے یہ بات نہ فرمائی ہو۔ یاد رہے اسی قسم کی تاویلوں سے مرزا غلام احمد قادیانی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ جیسے امتی نبی، ظلی نبی، مجازی نبی، غیر تشریعی نبی وغیرہ۔

علمائے خیر اللہ کی بہت بڑی نعمت ہیں جبکہ علمائے دنیا مصیبت کا باعث ہیں۔ دین کی اصل تباہی علماء سوء سے ہی ہوئی ہے جس کا آپ ﷺ خطرہ محسوس کرتے تھے۔ آپ ﷺ کے بہت سارے فرامین ہیں جن میں ایک ملاحظہ کریں:

کسی آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے شر کے متعلق پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا! ''مجھ سے شر کے بارے میں مت پوچھو۔ مجھ سے خیر کے بارے میں سوال کرو۔ آپ ﷺ

نے تین مرتبہ ایسے ہی فرمایا پھر فرمایا! ''سن لو سب سے بڑا شر علمائے سوء ہیں اور سب سے بڑی خیر علمائے خیر ہیں'' (دارمی۔المقدمۃ ،مشکوۃ۔کتاب العلم)

قرون اولیٰ کے مسلمان یقیناً علمائے خیر تھے۔تبع تابعین کے بعد دین کے برباد ہونے کی خبر خود رسول اللہ ﷺ نے دی چنانچہ:

وعن عمران بن حصین رضی الله عنه قال: قال رسول الله رضی الله عنه ((خير امتی قرنی، ثم الذين يلونهم ، ثم الذين يلونهم ، ثم ان بعدهم قوم يشهدون ولا ستشهدون، و يخونون ولا يوتمنون، و ينذرون، ولا يفون، و يظهر فيهم السمن))

(صحیح بخاری '' کتاب الفضائل الصحابہ'' حدیث نمبر 3650 ، صحیح مسلم ''کتاب الفضائل'' حدیث نمبر 6475)

ترجمہ: ''عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت کا سب سے بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے (یعنی صحابہ کا)، پھر ان لوگوں کا جو ان کے بعد آئیں گے (تابعین)، پھر وہ جو ان کے بعد آئیں گے (تبع تابعین)، پھر ان کے بعد ایسے لوگ آئیں گے جو گواہی طلب کیے بغیر گواہی دیں گے، وہ خیانت کریں گے اور ان پر اعتماد نہیں کیا جائے گا وہ نذر مانیں گے لیکن پوری نہیں کریں گے، اور ان میں موٹاپا عام ہو جائے گا''۔

یقیناً آئمہ کرام اور سلف صالحین جنہوں نے خود بھی سرورِ کائنات کی پیروی کی اور لوگوں کو بھی سختی سے اسی کا حکم دیا یہ سب لوگ علمائے خیر ہیں۔

باب نمبر ۱۶

شرک فی الاطاعت: ﴿شبہات﴾

ابلیس کی انسان دشمنی:

چونکہ ابلیس انسانیت کا ازلی دشمن ہے اس لیے وہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات سے دور کرنے کے لیے لوگوں کے ذہن میں مختلف قسم کے شبہات پیدا کرتا ہے جن میں سے چند کی حقیقت واضح کی جاتی ہے۔ عام لوگ رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنا چاہتے ہیں لیکن ان کا واسطہ جب مختلف قسم کے شبہات سے پڑتا ہے تو وہ ڈر جاتے ہیں، اس بنا پر سادہ لوح مسلمان اطاعت رسول ﷺ سے گریز کرتے ہیں۔

قرآن وسنت اور موجودہ تقلید (اصل حقیقت)

اگر قرآن وسنت کو ترجیح اول بناتے ہوئے تقلید کی جاتی جیسا کہ خود آئمہ دین نے کیا اور کہا تو خیر ہی خیر تھی۔ زبان سے تو یہی کیا جاتا ہے۔ قرآن سنت سب سے پہلے باقی سب کچھ اسکے بعد لیکن عملاً جو کچھ ہو رہا ہے وہ بالکل اسکے برعکس ہو رہا ہے۔ دین کی بجائے اپنے اپنے پسندیدہ مسالک اور فرقوں کی بالادستی کی خاطر قران وسنت کو اپنے پسندیدہ مسالک کے تابع کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اگر ایسے ہوتا کہ اپنے آپ کو قرآن وسنت کے سامنے پیش کیا جاتا، آئمہ وسلف کی تشریحات سے مستفید ہوا جاتا، جو بات قرآن وسنت کے زیادہ موافق ہوتی اسے تسلیم کرلیا جاتا اور اسی کے مطابق عام لوگوں کی بھی رہنمائی کی جاتی تو ہمارے باہمی اختلافات ختم ہونے کے ساتھ ساتھ ہمارا رب بھی ہم سے راضی ہو جاتا۔ لیکن جو کچھ ہو رہا ہے وہ یہ ہے کہ علماء حضرات اپنے اپنے پسندیدہ مسالک کو

بچانے کی خاطر اپنے فقہائے کے اقوال کو حتمی سمجھتے ہوئے قرآن و سنت سے دلائل تلاش کرتے ہیں اور ایسا کرتے ہوئے اگر صحیح اسند دلائل انکے مسلک کے خلاف آجائیں تو اُن کو یا تو نظر انداز کر دیتے ہیں یا تاویل کر دیتے ہیں اسکے برعکس اگر کوئی کمزور، ضعیف یا موضوع دلیل بھی انکے اپنے نقطہ نظر کے موافق مل جائے تو اسے نکال کر سادہ لوح مسلمانوں کو بطور دلیل بتلا دیتے ہیں۔ یوں لوگ دین کی پاسداری کی بجائے اپنے اپنے پسندیدہ مسالک کو پانی دے رہے ہیں۔ حالانکہ جب ہم کلمے کا اقرار کرتے ہیں تو اللہ و رسول ﷺ کو سب سے بڑا تسلیم کرتے ہیں۔

تقلید کی تعریف میں تبدیلی

موجودہ دور میں تقلید کی تعریف میں تبدیلی کے ساتھ اس کا مفہوم تبدیل کیا گیا ہے تا کہ لوگوں کو اسکا صحیح مفہوم ہی سمجھ نہ آسکے اور انکے لئے تقلید پر عمل پیرا ہونا آسان ہو جائے۔ چنانچہ یہ دلیل دی جاتی ہے کہ جب عامی کسی مفتی سے مسئلہ پوچھتا ہے تو وہ بھی تقلید ہی کرتا ہے، کیا ایسا کرنا غلط ہے؟

(۱) پہلی بات یہ ہے کہ علمائے متقدمین نے، عامی کا مفتی سے مسئلے پوچھنے، اجماع کی پیروی کرنے اور قاضی کا گواہوں کے قول پر فیصلہ کرنا تقلید میں شمار نہیں کیا دیکھئے (شرح صحیح مسلم۔ ج ۳، ص۔ ۳۲۹، غلام رسول سعیدی صاحب)۔

(۲) عامی جب کسی پر اعتماد کی بنا پر مسئلہ پوچھتا ہے تو اسکے قول کو حرف آخر نہیں سمجھتا، اگر دلیل کے ساتھ اس قول کے خلاف بات معلوم ہو تو اسے قبول کرنے کی گنجائش رہتی ہے اسکے برعکس کسی ایک امام کی موجودہ جس جامد اندھی تقلید پر لوگ عمل پیرا ہیں اسکی نوعیت یہ ہے کہ اپنے پسندیدہ امام کی بات حرف آخر ہے چاہے اسکے خلاف قرآن و سنت ہی کیوں نہ ہو۔

(۳) جس طرح آئمہ کرام کی تقلید سے مقلد اپنے آپ کو حنفی، حنبلی، وغیرہ کہتا ہے۔ کسی مفتی کی پیروی بھی اگر اسی طرح کی تقلید ہوتی تو لوگ اپنے ساتھ اپنے اپنے مفتیوں کی نسبتیں لگا

لیتے۔

۴) عامی کا عالم سے مسئلہ پوچھنا لغوی معنوں میں تقلید کہلا سکتا ہے لیکن یہ اصطلاحاً تقلید (آنکھیں بند کر کے بغیر سوچے سمجھے، بلا دلیل صرف ایک امام کی جامد پیروی) نہیں کیونکہ اس قسم کی تقلید کو کسی نے بھی جائز قرار نہیں دیا حتیٰ کہ خود آئمہ دین نے بھی سختی سے اس کام سے منع فرمایا ہے۔

اس وضاحت کے بعد اب ہم مختلف قسم کے شبہات کی حقیقت واضح کرتے ہیں:

شبہ نمبر ا: بزرگان دین کی پیروی بھی درحقیقت اللہ ورسول کی پیروی ہے

آئمہ کرام یا دیگر بزرگان دین کی پیروی بھی درحقیقت اللہ ورسول کی پیروی ہی ہے کیونکہ ان لوگوں نے بھی تو اللہ ورسول کی ہی پیروی کی ہے۔

ازالہ: یہ ظالم شیطان کا مضبوط دھوکوں میں سے ایک دھوکہ ہے جسکی لپیٹ میں اکثریت آچکی ہے ۔ بظاہر تو اس بات میں بڑا وزن محسوس ہوتا ہے۔ یہ بات مکمل طور پر غلط بھی نہیں اسکا کچھ حصہ صحیح ہے اور کچھ غلط۔ صحیح اور غلط کے اختلاط سے ہی تو ظالم شیطان رخنہ اندازی کرتا ہے اور اسکے غلط پہلو کے ذریعے انسان کو نافرمانی کے رستے پر گامزن کرتا ہے۔

اس بات کا کون سا پہلو درست اور کون سا باطل ہے سمجھنے کے لیے چند نکات پیش خدمت ہیں۔

(i) درست پہلو وہی ہے جس کی آئمہ دین نے تصریح فرمائی کہ ہماری اندھا دھند پیروی کرنے کی بجائے دلیل یعنی خدا اور رسول ﷺ کی تعلیمات کو بنیاد بناتے ہوئے تقلید کی جائے اور جب بھی ہماری بات خدا اور رسول کے مطابق نہ ہو اسے فوراً ترک کر کے دلیل کی پیروی کی جائے۔ اگر ہم اس طرح تقلید کریں تو کوئی حرج نہیں لیکن، کیا ہم اس کے بالکل برعکس پر عمل نہیں کر رہے؟۔

(ii) اللہ کی کتاب اور سنت رسول ابتدا سے آخر تک پڑھیں، بلا دلیل پیروی کی ذرا بھی گنجائش

نہیں نکلتی اس کے برعکس یہی حکم ملتا ہے کہ خدا اور رسول کی پیروی کرو۔

(iii) جس بات کی پیروی کی جا رہی ہے بغیر قرآن وسنت کے معیار بنائے کیسے معلوم ہوگا کہ وہ صحیح ہے یا غلط؟ انکی بات ہے یا منسوب کردی گئی ہے۔؟

(iv) کیا دنیاوی معاملات میں بھی ہمارا طرز عمل یہی ہوتا ہے، اگر آپ انصاف سے فیصلہ کریں تو شیطان کے چنگل سے نجات پا جائیں۔

(iv) جس اندھا دھند تقلید کو ہم نے اپنایا ہے وہ خدا اور رسول کی تعلیمات کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ خود آئمہ دین کے حکموں کے بھی خلاف ہے۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ مجھے اپنے والد سے بہت محبت ہے لیکن جو حکم اسکا والد دے عمل اسکے خلاف کرے، اسکے والد پر کیا گزرے گی اس کا اندازہ اسکے والد کو ہی ہوسکتا ہے۔

(vi) بلا دلیل تقلید کرنا مطلوبہ شخص کو عملاً نبی کے درجے پر فائز کرنے کے مترادف ہے جو بہت بڑا گناہ ہے۔

یہ ظالم شیطان کے باطل دھوکے کی حقیقت تھی جس میں اس نے اس لیے مبتلا کیا تا کہ مرتے دم تک معلوم ہی نہ ہو سکے کہ اللہ ورسول ﷺ کی تعلیمات کیا ہیں۔ افسوس کہ کلمہ کا اقرار کرتے ہوئے تو ہم نے اللہ اور رسول ﷺ کو سب سے بڑا مانا تھا لیکن ہمارا عمل اسکے برعکس ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے اور ہماری اصلاح فرمائے۔ (آمین)

شبہ نمبر۲: اہل علم بزرگان دین کی خدمات کی ناقدری

اہل علم بزرگان دین نے زندگیاں صرف کر کے دینی مسائل کو سمجھا اور ہماری سہولت کے لیے انھیں زیر تحریر لائے۔ انکی تقلید سے منہ پھیرنا دراصل انکی محنت کی ناقدری کرنا ہے۔

ازالہ: پہلی بات یہ ہے کہ ممانعت اہل علم کی تحقیق سے استفادہ کرنے پر نہیں بلکہ آنکھیں بند کر کے انکی ہر بات کو بلا دلیل عین حق تسلیم کرنے پر ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ خدا کے پیارے

رسول ﷺ نے زندگی بھر تکالیف اٹھا کر ہمارے لئے تعلیمات وحی کی دستیابی کا جو انتظام کیا اس سے منہ پھیر کر اندھی تقلید پر عمل پیرا ہونا کیا تعلیمات وحی کی ناقدری کے زمرے میں نہیں آئے گا؟ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح سمجھ عطا فرمائے۔ (آمین)

شبہ نمبر ۳: عامی شخص کے لیے تقلید کے سوا کوئی چارہ نہیں

ایک عامی شخص کے لیے تقلید کے سوا کوئی چارہ نہیں وہ قرآن وسنت سے براہ راست رہنمائی کیسے لے سکتا ہے؟

ازالہ: ایک عامی شخص کا دنیاوی معاملات میں طرز عمل دینی معاملات کی نسبت بالکل مختلف ہے۔ اگر مخلص اور سچے مسلمان قرآن وسنت کے وارث ہوں تو امید کی جا سکتی ہے کہ صحیح بات عام لوگوں تک پہنچ جائے لیکن موجودہ حالات میں ایسا سوچا بھی نہیں جا سکتا کیونکہ لوگوں نے قرآن وسنت کے مطابق اپنے آپ کو تبدیل کرنے کی بجائے اسکی تشریحات اپنے ذہن اور فرقوں کے مطابق کر لی ہیں۔ خدا کی پناہ جو حال فرقہ واریت کے مذاہب نے اسلام کا کیا ہے۔ ہر فرقے کا الگ اسلام ہے۔ ہر علاقے کا عالم اپنے علاقے میں رائج مسلک کو صحیح ترین سمجھتا ہے۔ پھر قرآن وسنت کی تعلیمات ہر شخص سے اسکی صلاحیتوں کے مطابق یہ تقاضا کرتی ہیں کہ وہ دین کو خود سمجھے، صرف یہی ایک طریقہ ہے غلط اور صحیح کی پہچان کا۔ اگر کسی کو اپنی آخرت کی فکر ہے تو کچھ نہ کچھ کوشش تو ضرور کرنی ہوگی۔

شبہ نمبر ۴: قرآن وسنت کی تعلیمات اختلاف کا سبب

بعض لوگ یہ توجیہہ بیان کرتے ہیں کہ لوگوں کو قرآن وسنت کی دعوت اس لیے بھی نہیں دی جاتی کیونکہ اس سے اختلافات جنم لیتے ہیں۔

ازالہ: حقیقت یہ ہے کہ قرآن وسنت کو بنیاد بنانے سے اختلافات پیدا نہیں ہوتے بلکہ وہ کثیر اختلافات جو پہلے سے موجود ہیں جن کی بنا پر مختلف فرقوں کا وجود قائم ہے قرآن وسنت کی طرف

آتے ہی وہ اختلافات ختم ہو جاتے ہیں۔ یہ بات درست ہے کہ علمائے اُمت کی تعلیمات سے رہنمائی لی جائے لیکن بنیاد قرآن وسنت ہو۔ تسلی کے لیے ردالمختار سے ایک اقتباس ملاحظہ کریں:

> ''مزنی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام شافعی رحمہ اللہ کی کتاب ''الرسالہ'' اُن کے سامنے 80 مرتبہ پڑھی اور ہر مرتبہ امام شافعی اِس میں کسی خطا پر مطلع ہوئے۔ بالآخر امام شافعی نے فرمایا اب چھوڑ دو اللہ تعالیٰ اِس بات سے انکار فرماتا ہے کہ اُس کی کتاب کے سوا اور کوئی کتاب صحیح ہو۔'' (ردالمختار، جلد 1، ص26)

امام شافعی رحمہ اللہ کے فرمان کا مطلب یہ تھا کہ صحیح صرف وہی ہے جو رب کی طرف سے نازل ہوا۔ اِس کے علاوہ لوگوں کی سمجھ اور استدلال خطا سے پاک نہیں۔ اِسی بات کو اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ اختلاف سے پاک صرف تعلیماتِ وحی ہیں۔

﴿اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا كَثِیْرًا﴾

(سورہ نساء، آیت 82)

ترجمہ: ''کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے؟ اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو ضرور پاتے اِس میں اختلاف کثیر''۔

یہاں رب کریم نے انسانوں کو ایک نئے انداز سے قرآن مجید پر غور وفکر کی دعوت دی ہے اور یہ بات واضح فرمائی ہے کہ اُس کی تعلیمات اختلافات سے پاک ہیں۔ افسوس تو اس بات پر ہے کہ جس چیز کی اللہ ورسولِ شد ومد سے دعوت دے رہے ہیں، جس کے متعلق ہر انسان سے سوال ہوگا جو سراپا ہدایت ہے، جو فرمان ہے رب اور رسول کا، اُس پر عمل پیرا ہونے سے اختلافات پیدا ہوتے ہیں؟

شبہ نمبر ۵: انعام یافتہ لوگوں کے رستے کی پیروی

اللہ ﷻ نے حکم دیا ہے ﴿وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ﴾ اسی طرح سورۃ لقمان میں ''اُس کی راہ پر چلو جو میری طرف رجوع لایا'' اسی طرح ﴿صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ﴾ یوں ہی ارشادِ ربانی

ہے:

﴿وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا﴾ (النساء۔آیت:115)

ترجمہ: ''جو حق واضح ہو جانے کے بعد رسول (ﷺ) کی مخالفت کرے گا اور ایمان والوں کا راستہ چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرے تو ہم اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دیں گے اور (آخرت میں) اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے جانے کی۔''

اس قسم کی کئی اور آیات کے ذریعے ڈرایا جاتا ہے کہ جو تقلید نہ کرے گا وہ دوزخ میں جائے گا اس کی بخشش نہ ہوگی۔

ازالہ: محترم بھائیو! مومنین سے مراد صحابہ کرامؓ ہیں جو اسلام کے اولین پیرو اور تعلیمات الٰہی کا کامل نمونہ تھے اور ان آیات کے نزول کے وقت جن کے سوا کوئی اور گروہ مومنین میں موجود نہ تھا کہ وہ مراد ہو۔ اسی لیے آنحضور ﷺ نے جنتی گروہ کے بارے میں خبر دی۔ **﴿ما انا علیه و اصحابی﴾** یعنی جو میرے طریقے اور میرے صحابہ کے طریقے پر ہوگا۔ بعض نے اس سے مراد اجماع اُمت لیا ہے یعنی وہ مسئلہ جس پر تمام علماء وفقہاء کا اتفاق ہو۔ ایسے اجماعی مسائل بہت ہی کم ہیں۔ سبیل المومنین وہ راستہ ہے جس پر صحابہ کرام ہوں۔ یعنی جس پر صحابہ کرام کا اتفاق ہو۔ کاش آیات کا غلط مفہوم بیان کرنے سے پہلے سوچ لیا جاتا کہ یہ کتنا بڑا گناہ ہے۔ ان آیات میں تلقین کی گئی ہے سچے اور انعام یافتہ لوگوں کے راستہ پر چلنے کی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کا راستہ خدا اور رسول ﷺ کی مخالفت والا ہو اس سے گریز کیا جائے اور جو سچے ہیں ان کے رستے پر چلا جائے۔ سچے اور انعام یافتہ لوگ وہی ہیں جو اپنی اطاعت کی بجائے خدا و رسول ﷺ کی اطاعت خود بھی کریں اور اسی کا حکم دیں جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور آئمہ دین نے کیا۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے۔

﴿وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ

الصِّدِّيقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا﴾

ترجمہ: ''اور جو بھی اللہ ﷻ اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرے گا وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ ﷻ نے انعام کیا ہے جیسے انبیاء، صدیقین، شہداء اور نیک لوگ اور یہ بہترین رفیق ہیں۔''

اُمید ہے آپ پر حقیقت واضح ہو چکی ہوگی۔ کتنا بڑا انعام ہے اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے کا۔ کاش علماء حضرات اُمت مسلمہ کو حق بتلاتے۔

شبہ نمبر ۶: سوادِ اعظم کی پیروی کرو

سیدنا انس ﷜ روایت کرتے ہیں: ''سوادِ اعظم کی پیروی کرو جو اس سے الگ ہوا وہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔'' (سُنن ابن ماجہ ''کتاب الفتن'' حدیث نمبر 3950)

ازالہ: اس روایت میں سوادِ اعظم سے مراد تعداد کا زیادہ ہونا ہرگز نہیں کیونکہ یہ مفہوم لینا قرآن مجید کی اکثر آیات اور کئی صحیح احادیث سے عدم مطابقت رکھتا ہے، چنانچہ:

سیدنا عبداللہ بن عمرو ﷜ اور سیدنا معاویہ ﷜ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

﴿میری اُمت 73۔ فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی سوائے ایک کے باقی (72۔ فرقے) دوزخ میں جائیں گے﴾

(جامع ترمذی ''کتاب الایمان'' حدیث نمبر 2641، سُنن ابی داود ''کتاب الفتن'' حدیث نمبر 4597)

معلوم ہوا کہ اُمت کی اکثریت حق پر نہ ہوگی۔ اسی طرح قرآن مجید کی تمام آیات یہی بتلاتی ہیں کہ لوگوں کی اکثریت ہمیشہ گمراہی کے رستہ پر رہتی ہے چند دلائل ملاحظہ کریں۔

- ﴿وَ اِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ o﴾ (انعام۔ آیت: 116)

ترجمہ: ''اور اگر تم دنیا میں اکثریت کی پیروی کرو گے تو وہ تمہیں اللہ ﷻ کی راہ سے

ہٹا کر گمراہ کر دیں گے۔ وہ تو محض بے اصل خیالات پر چلتے ہیں اور اٹکل کے تیر چلاتے ہیں۔"

◆ ﴿وَ مَا یُؤْمِنُ اَکْثَرُھُمْ بِاللّٰہِ اِلَّا وَ ھُمْ مُّشْرِکُوْنَ﴾ (یوسف۔آیت:106)

ترجمہ: "اور اکثر لوگ ایمان لانے کے باوجود بھی شرک ہی کرتے ہیں۔"

قابلِ غور بات: اگر سوادِ اعظم سے مراد تعداد میں بڑا ہونا لیا جائے تو یہ صحیح احادیث کے بھی بالکل خلاف ہے چنانچہ:

☆ **سورۃ الفاتحہ** کو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "**اعظم سورۃ فی القران**" حالانکہ الفاظ کی تعداد کے اعتبار سے اس سے بڑی بیسیوں سورتیں بھی قرآن پاک میں موجود ہیں۔ (صحیح بخاری "کتاب التفسیر" حدیث نمبر **4474**)

☆ **آیت الکرسی** کو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "**آیت من کتاب اللہ اعظم**" حالانکہ الفاظ کی تعداد کے اعتبار سے اس سے بڑی آیت **سورۃ البقرۃ** کی آیت نمبر 282 بھی قرآن پاک میں موجود ہے۔ (صحیح مسلم "کتاب الصلوۃ المسافرین" حدیث نمبر **1885**)

گر بالفرض اس روایت کو صحیح بھی مان لیا جائے تو "**سواد اعظم**" سے مراد عظمت والا گروہ ہے چاہے وہ تعداد میں قلیل ہی کیوں نہ ہوں کیونکہ اہل حق ہمیشہ تعداد کے اعتبار سے کم ہی ہوتے ہیں۔

(واللہ اعلم)

☆ آخری بات یہ ہے کہ جمہور محدثین کے نزدیک اس روایت کی سند سخت ضعیف ہے۔ اس کے راوی "معاذ بن رفاعہ کو لین الحدیث یعنی کمزور حدیثیں بیان کرنے والا کہا گیا ہے (**تقریب التہذیب، 6747**) دوسرا راوی "ابو خلف لائی کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے متروک لکھا (تقریب والتہذیب: 8083) اور ابو حاتم رازی نے "شیخ منکر الحدیث کہا (الجرح تعدیل 279/3)، یہی صورت حال باقی دو راویوں کی ہے۔

(واللہ اعلم)

شبہ نمبر ۷: تقلید کی نوعیت نظریاتی نہیں بلکہ فروعی ہے

تقلید کی نوعیت نظریاتی نہیں بلکہ فروعی ہے جس میں محض افضل وغیر افضل کا اختلاف ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے چلتا آ رہا ہے

ازالہ: جن مسائل میں افضل وغیر افضل کا اختلاف ہے ان میں کسی بھی رائے پر عمل کر لیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ وہ مسائل جو فروعی نوعیت کے ہیں جن میں آنحضرت ﷺ کا واضح حکم یا طریقہ نہیں ملتا ان میں بھی کسی کی تقلید کی جا سکتی ہے لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ ہم نے ان تمام چیزوں کا ہر پہلو سے مطالعہ کیا ہے اور مختلف مکاتب فکر کو پڑھا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ چند مسائل تو فروعی ہو سکتے ہیں لیکن اکثر مسائل اپنے اپنے مسلک بچانے کے لیے فروعی بنا لیے گئے ہیں۔ درجنوں ایسے مسائل جن میں آپ ﷺ کا واضح طریقہ صحیح احادیث سے ثابت ہوتا ہے جس میں کسی لحاظ سے بھی شک کی گنجائش نہیں۔ محض اپنا فرقہ بچانے کے لیے اس کے مقابلے میں ضعیف احادیث اور غلط تاویلوں کا سہارا لیا جاتا ہے۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا وہ عمل جو صحیح احادیث سے ثابت ہو اگر مسلک کے خلاف ہو تو ضعیف روایات کو دلیل بنا لیا جاتا ہے۔ باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین اگر کوئی اختلاف تھا تو وہ عدم علم کی بنا پر تھا۔ جونہی رسول اللہ ﷺ کا فرمان عالیشان مل جاتا فوراً رجوع کر لیتے اور آپ ﷺ کی بات تسلیم کرنے میں کوئی مصلحت ان کے آڑے نہ آتی۔ اس ضمن میں کچھ چیزیں تو آپ یقیناً پڑھ چکے ہوں گے۔ مزید تسلی کے لیے کتب احادیث کا مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کس طرح رسول اللہ ﷺ کے احکامات پر مر مٹتے تھے۔
ایک وجہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ احادیث کا صحیح یا ضعیف ہونا ایک اجتہادی امر ہے اس لیے ہو سکتا ہے کہ ایک امام کے نزدیک حدیث صحیح ہو اور دوسرے کے نزدیک ضعیف۔
محترم بھائیو! جیسا کہ پہلے بیان کیا چکا ہے، آئمہ کرام کے زمانے تک تو یہ بات درست تھی کیونکہ ذخیرہ صحیح احادیث کتابی صورت میں موجود نہ تھا، اب جبکہ ہر چیز وضاحت کے ساتھ موجود ہے بغیر کسی

شک وشبہ کے۔اب بھی اسے اجتہادی امر کہہ کر آپ ﷺ کے واضح احکامات سے پہلو تہی کرنا اور سب کچھ جانتے ہوئے بھی لوگوں کو صحیح بات نہ بتلانا افسوسناک ہے۔یہی وہ بنیادی اعتراض ہے جو منکرینِ حدیث نے کیا ہے۔اگر اس بات کو اس طرح تسلیم کیا جائے تو قرآن مجید کے علاوہ کوئی بھی چیز قابل عمل نہیں رہتی۔بعض لوگ تو برملا یوں کہتے ہیں:''نماز کا فلاں عمل ذرا حدیث سے ثابت کر کے تو دکھلاؤ'' حالانکہ یہ حقیقت ہے کہ آنحضور ﷺ نے نماز کے متعلق ہر چیز وضاحت سے بیان فرمائی ہے جو کتب احادیث میں موجود ہے۔

شبہ نمبر ۸: تقلید کرنا اجماعِ اُمت ہے جو ایسا نہیں کرے گا اُمت مسلمہ سے خارج ہوگا

ازالہ: دوبارہ سے ذرا آئمہ وسلف صالحین کی عبارات پڑھیں، حجۃ اللہ البالغہ اور دیگر کتب میں اس کی تحقیق پڑھیں اور دیکھیں کہ تقلید کرنا اجماعِ اُمت ہے یا نہ کرنا اجماعِ اُمت ہے۔ جس کام سے اللہ جل جلالہ ورسول ﷺ نے روکا تمام آئمہ کرام نے خود بغیر دلیل اپنی پیروی سے روکا پھر تقلید کو واجب قرار کس نے دیا؟مزید تسلی کے لیے امام ابن حزم رحمہ اللہ متوفی 456ھ کی رائے کا خلاصہ ''**حجۃ اللہ البالغہ**'' سے ملاحظہ کریں:

> ''کسی کو بھی یہ حق حاصل نہیں کہ آنحضرت ﷺ کے قول کو چھوڑ کر کسی دوسرے کا بغیر دلیل اور برہان کے اتباع کرے۔جو شخص آئمہ کرام کے تمام اقوال کو صحیح مانتا ہے اُن کے قول کے مقابلے میں کسی دوسرے قول کو قابلِ اخذ وعمل نہیں سمجھتا ایسا شخص اجماعِ اُمت کا مخالف ہے۔سلف میں سے کسی کو بھی اِس عمل پر نہیں پائے گا۔بے شک اُس نے وہ راستہ چھوڑ دیا ہے جو مومنوں کا راستہ ہے۔ایسا ہونے سے ہم اللہ جل جلالہ سے پناہ مانگتے ہیں۔سب فقہاء ومجتہدین نے لوگوں کو (اندھی) تقلید سے منع کیا ہے اس لیے جو لوگ (اندھی) تقلید کرتے ہیں وہ آئمہ وفقہا کی مخالفت کرتے ہیں۔اگر کسی کی تقلید جائز ہوتی تو جلیل القدر ہستیوں (صحابہ کرام) کی جائز ہوتی۔''

(حجۃ اللہ البالغہ صفحہ:505-506،حصہ اول،مترجم: الفیصل ناشران)

شیخ سعدیؒ نے اس حقیقت کو یوں بیان فرمایا:

عبادت بتقلید، گمراہی است

خنک راہروے را کہ آگاہی است

(تقلید کے ساتھ عبادت گمراہی ہے۔ مبارک اس مسافر کو کہ جس کو اپنی منزل کا پتا ہے)

شبہ نمبر ۹: قرآن وسنت سے استفادہ صرف مجتہد کرسکتا ہے

آئمہ اربعہ کے بعد تمام لوگ کسی معین امام کی پیروی کرتے رہے یہاں تک کہ برصغیر کی عظیم علمی وعملی شخصیت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ بھی۔

ازالہ: شاہ صاحب رحمہ اللہ کے حوالے سے تو آپ پر حقیقت واضح ہو چکی ہوگی کہ آپ نے حجۃ اللہ البالغہ میں باقی تصانیف کے حوالے سے قرآن وسنت کے خلاف اپنی ہر بات سے برأت کا اظہار فرمالیا ہے اور تقلید کی جائز صورت یہی وضع فرمائی ہے کہ مقلد ہمیشہ اس بات کے لیے تیار رہے کہ جونہی صحیح حدیث مل جائے فوراً امام کی رائے کو ترک کردے۔ یا جس امام کی رائے حدیث کے زیادہ قریب ہو اس پر عمل کیا جائے۔ ان کا اپنا عمل بھی یہی رہا۔ اگلی اہم بات یہ ہے کہ اگر قرآن وسنت عام لوگوں کے لیے نہیں تو اللہ ﷻ و رسول ﷺ نے بلاتخصیص ہر شخص کو قرآن وسنت کو مضبوطی سے پکڑنے کا حکم کیوں دیا؟ اُمت کو قرآن وسنت کے حوالے کیوں کیا۔۔۔۔؟

شبہ نمبر ۱۰: خواب میں رسول اللہ ﷺ کی تلقین

خواب میں بعض لوگوں (کی طرف منسوب کیا جاتا ہے) جیسے شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کو رسول اللہ ﷺ کا قرآن وسنت کی بجائے تقلید پر آمادہ کرنا۔ (نعوذ باللہ)

ازالہ: شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے حوالے سے کچھ چیزیں تو یقیناً آپ پڑھ چکے ہوں گے۔ چند مزید باتیں ان کی شہرہ آفاق تصنیف **"حجة الله البالغه"** حصہ اول کی ابتدا اور آخر سے پیش کی جاتی ہیں۔

(i) آپؒ نے علمائے وقت سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا! ﴿تم پچھلے فقہاء کرام کے احسانات اور فروعات میں ڈوب گئے۔ کیا تمہیں خبر نہیں کہ حکم صرف وہ ہے جو اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ نے فرمایا۔ تم میں سے اکثر لوگوں کا یہ حال ہے کہ جب کسی کو نبی ﷺ کی کوئی سچی حدیث پہنچتی ہے تو وہ اس پر عمل نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ میرا مذہب فلاں مسلک پر ہے نہ کہ حدیث پر۔ پھر وہ حیلہ پیش کرتا ہے کہ صاحب! حدیث کا فہم اور اس کے مطابق فیصلہ (یعنی اس پر عمل کرنا) تو کاملین اور ماہرین کا کام ہے اور حدیث آئمہ سلف سے چھپی تو نہ رہی ہوگی۔ پھر کوئی تو وجہ ہوگی کہ انہوں نے اسے ترک کر دیا۔ جان رکھو یہ ہرگز دین کا طریقہ نہیں۔ اگر تم اپنے نبی ﷺ پر ایمان لائے ہو تو ان کی اتباع کرو خواہ (ان کی بات) کسی مسلک کے موافق ہو یا مخالف﴾۔

(حجۃ اللہ البالغہ صفحہ:49-48، حصہ اول، مترجم: الفیصل ناشران)

یہاں شاہ صاحب نے شدید تنقید کی ہے ان علماء پر جو امام کے قول کو قرآن وسنت پر ترجیح دیتے ہیں اور مختلف حیلوں بہانوں سے چشم پوشی کرتے ہیں۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ وہ علماء جو دس دس سال مدارس میں گزارتے ہیں ان سے جب پوچھا جائے کہ قول امام کو کچھ احادیث پر کیوں ترجیح دیتے ہیں تو آگے سے حیلہ پیش کرتے ہیں حدیث کو سمجھنا تو مجتہد کا کام ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اتنا عرصہ مدارس میں گزارنے کے باوجود بھی اگر قرآن وحدیث سمجھ نہیں آسکتا تو ایسی تعلیم حاصل کرنے کا کیا فائدہ۔

(ii) چوتھی صدی ہجری کے بعد لوگوں کی حالت بیان کرتے ہوئے آپؒ نے فرمایا: ''من جملہ ان کے ایک نئی بدعت یہ تھی کہ وہ تقلید پر مطمئن ہو گئے۔ چنانچہ تقلید چیونٹی کی طرح ان کے سینوں میں گھس گئی لیکن ان کو کچھ خبر نہ ہوئی۔'' (حجۃ اللہ البالغہ صفحہ:502، حصہ اول، مترجم: الفیصل ناشران)

(iii) ایک جگہ اس بات کے بیان کے بعد کہ اہل علم (فقہاء ومحدثین اور مفسرین وغیرہ) میں سے زیادہ تر مذہب شافعی کے پیرو ہیں جبکہ حکومتیں اور عوام زیادہ تر مذہب حنفی کا اتباع کرتے ہیں

اپنی رائے یوں بیان کی:

''حق یہ ہے کہ ان دونوں (مذہب شافعی اور حنفی) کو ایک مذہب کی طرح کر دیا جائے۔ دونوں کے مسائل کو حدیث نبوی ﷺ کے مجموعوں (یعنی کتب احادیث) پر پیش کر کے دیکھا جائے جو کچھ ان کے موافق ہو وہ باقی رکھا جائے اور جس کی کچھ اصل نہ ہو اسے ساقط کر دیا جائے۔''

یہ تو تھی شاہ ولی اللہؒ کی رائے۔ ان کے بارے میں یہ بات بھی آپ پڑھ چکے ہیں کہ انھوں نے قرآن وسنت کے خلاف اپنی ہر بات سے رجوع کر لیا ہے۔ خوابوں کے حوالے سے بھی آپ پڑھ چکے ہیں کہ شیطان آپ ﷺ کی صورت اختیار نہیں کر سکتا کسی بھی اور صورت میں آ کر یہ کہہ سکتا ہے کہ میں تیرا نبی ہوں۔ اس لیے خوابوں کا کوئی اعتبار نہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ جس کام کے کرنے کا آپ ﷺ نے سختی سے حکم دیا ہو خواب میں اس کے نہ کرنے کا حکم دیں۔

کچھ عرصہ قبل تقلید اور موجودہ بیعت کی حقیقت مجھے خواب میں یوں دکھائی گئی:

''پیر صاحب کے سامنے مریدوں کو اس بے بسی کی حالت میں دیکھا کہ پورا جسم زنجیروں سے بندھا ہوا ہے۔ یہاں تک کہ جگہ جگہ جسم کے گوشت اور ہڈیوں کے اندر سوراخ کر کے آہنی زنجیریں گزاری گئی ہیں۔ لوگوں کی حالت یہ ہے کہ آنکھوں سے مسلسل خون کے آنسو جاری ہیں اور پیر صاحب کی دہشت ان پر چھائی ہوئی ہے''۔

نوٹ:

(i) یہ خواب اگرچہ قرآن وسنت کے مطابق معلوم ہوتا ہے اس کے باوجود یہ حجت نہیں کیونکہ دلیل صرف قرآن وسنت ہے۔

(ii) اگر پیر حضرات اس بات پر بیعت یا عہد لیں کہ مرید قرآن وسنت کو زندگی کی ترجیح بنائے گا تو پھر درست ہے۔ جس طرح آپ ﷺ عورتوں سے بیعت لیتے اس میں بنیادی چیز یہ ہوتی ﴿ **ان لا یشرکن باللہ شیئا** ﴾ یعنی وہ شرک نہیں کریں گی، (دیکھیے سورہ الممتحنہ) لیکن اس

وقت عام حالات یہ ہیں کہ مرید سالک کے لیے قرآن وسنت سرے سے حجت ہی نہیں رہتے۔

شبہ نمبر ۱۱: علم فقہ سے مشکل کوئی چیز نہیں اگر آئمہ اربعہ کے بعد کسی کے لیے ممکن ہوتا تو کم از کم محدثین اپنی فقہ مرتب کرتے

ازالہ: محترم بھائیو! فقہ یعنی قرآن، حدیث کی صحیح سمجھ بوجھ حاصل کرنا اور اس سے مسائل اخذ کرنا ہے۔ چند دقیق مسائل کے علاوہ باقی چیزیں بہت آسان ہیں۔ محدثین نے کتب احادیث مرتب کرتے ہوئے جس حدیث سے جو مسئلہ اخذ ہوتا تھا وہ واضح طور پر بیان کیا ہے اور اسی کے حوالے سے احادیث کے ابواب باندھے ہیں۔ ناسخ منسوخ کی وضاحت بھی موجود ہے۔ وہ چند چیزیں جو صراحت کے ساتھ بیان نہیں ہوئیں ان میں تو اختلاف کیا جا سکتا ہے لیکن وہ اقوال جو صحیح احادیث کے محکم احکامات کے عین خلاف ہیں ان کے مقابل ضعیف احادیث کا سہارا لے کر ان کی تاویل کرنا کیا ناانصافی نہیں؟ اس ضمن میں آپ ﷺ کی بات پر بھی غور فرمائیں۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

> ''امر تین قسم کے ہیں، ایک امر وہ ہے جس کی رشد و بھلائی واضح ہے پس اس کی اتباع کرو، ایک امر وہ ہے جس کی گمراہی واضح ہے پس اس سے اجتناب کرو اور ایک امر وہ ہے جس کے متعلق اختلاف کیا گیا ہے۔ پس اسے اللہ جل جلالہ کے سپرد کر دو۔''

(مشکوۃ۔ کتاب الایمان)

مزید یہ کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا: ((إنّ الدینَ یُسرٌ)) ترجمہ: ''بے شک دین آسان ہے''
(صحیح بخاری کتاب الایمان حدیث نمبر: 39)

شبہ نمبر ۱۲: طبیب کی بجائے قرآن وسنت سے رہنمائی لینے والا پیچیدہ امراض کا شکار

وہ جو ہر مسئلہ کے حل کے لیے قرآن وسنت سے رہنمائی لیتے ہیں ان کی مثال ایسے مریض کی طرح ہے جو بہت سی پیچیدہ بیماریوں کا شکار ہو چکا ہو اور ڈاکٹر کی دوائی کی بجائے طبیب کی کتابیں پڑھنا

شروع کردے (معاذ اللہ)۔

ازالہ: محترم بھائیو! جب میں نے یہ بات لوگوں سے سنی تو میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے کہ واقعتاً ابلیس کس قدر اللہ ﷻ و رسول ﷺ کا دشمن و مخالف ہے۔

اس ضمن میں چند باتیں ملاحظہ کریں:

(i) انسانیت کی ہلاکت کی سب سے بڑی وجہ لوگوں کی اندھی پیروی ہے جو خدا اور رسول ﷺ کے لیے نا قابل برداشت ہے جس کی تفاصیل آپ پڑھ چکے ہیں۔

(ii) قرآن و سنت کی حفاظت کا ذمہ اللہ ﷻ نے لیا ہے اس لیے صرف اسی کا پابند کیا گیا ہے۔ قرآن و سنت سے رہنمائی لینے کو مذکورہ مثال کے ساتھ اطباء پر قیاس کرتے ہوئے پیچیدہ امراض کا شکار قرار دینا افسوسناک ہے۔ جتنے بھی گمراہ فرقے ہیں ان کی بنیادی وجہ صرف یہی ہے کہ ان کے ماننے والے آنکھیں بند کر کے اپنے اپنے اکابرین کی پیروی کرتے ہیں۔ بغیر علم کسی کو کیسے معلوم ہوگا کہ جس بات کی پیروی کی جا رہی ہے وہ درست ہے یا غلط؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو بڑے حکیم تھے ان کو تو قرآن و حدیث سے تحقیق کیے بغیر پتہ نہ چلتا تھا کہ ان کی رائے غلط ہے یا درست؟

(iii) کیا اللہ ﷻ کے رسول ﷺ سب سے بڑے حکیم اور طبیب نہیں؟

(iv) آنحضرت ﷺ کے وضاحت فرما دینے کے باوجود بھی اللہ ﷻ نے ہر ایک کے لیے قرآن مجید پر تدبر و تفکر کو ضروری قرار دیا چنانچہ ارشاد ہے:

◆ ﴿بِالْبَيِّنٰتِ وَ الزُّبُرِ وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴾ (النحل۔ آیت:44)

ترجمہ: ''دلیلوں اور کتابوں کے ساتھ، اور اُتارا ہم نے آپ ﷺ پر ذکر (قرآن) تاکہ جو کچھ لوگوں کی جانب اُتارا گیا ہے آپ ﷺ اسے کھول کھول کر بیان کریں شاید کہ وہ تفکر کریں''۔

◆ ﴿كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ o﴾ (ص۔آیت:29)

ترجمہ: ''(یہ قرآن) ایک مبارک کتاب ہے جو ہم نے تمہاری طرف نازل کی تا کہ لوگ اس کی آیات پر تدبر کریں اور سمجھ دار لوگ نصیحت حاصل کریں۔''

اِس آیت کریمہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کا مقصد ہی تدبر اور نصیحت بیان فرمایا ہے اور حکم دیا ہے ہر ایک کو اِس پر غور وفکر اور نصیحت حاصل کرنے کا۔

◆ ﴿اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا o﴾ (محمد۔آیت:24)

ترجمہ: ''کیا یہ لوگ قرآن پر تدبر نہیں کرتے؟ یا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں''۔

(v) جب اطباء دوائی کھانے کا طریقہ اور پرہیز بتلائیں کہ! ''کسی شخص پر حرام ہے کہ وہ ہماری بات پر فتویٰ دے جب تک اُسے ہماری بات کی دلیل معلوم نہ ہو'' تو کیا حکیم کی خلاف ورزی کرنا عقل مندی ہے۔

(vi) یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ لوگ طبیب بدلنے کے ساتھ ساتھ ایک طبیب کی رائے کو پرکھنے کے لئے کئی دوسرے طبیبوں سے بھی مشورہ کرتے ہیں تا کہ بہتر تشخیص ہو سکے۔ کیا یہ جرم ہے؟

(vii) صحیح احادیث کا اہتمام نہ ہونے کی بنا پر جو آئمہ کرام کے مابین کثیر اختلاف رائے ہے تو بغیر قرآن وسنت کے علم کے احسن رائے کیسے معلوم ہوگی؟

شبہ نمبر ۱۳: جو آئمہ کی تقلید نہیں کرے گا وہ غیر مقلد ہوگا اور بے دین ہوگا

ازالہ: جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ قرآن وسنت میں مخالفت اندھی پیروی کی ہے آئمہ دین کی ہم قدر کرتے ہیں ان سے رہنمائی لیتے ہیں لیکن بنیاد قرآن وسنت ہونی چاہیے۔ دوسری بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنے والے کو تو متبع رسول ﷺ کہا گیا ہے اُسے جنت کی نویدیں سنائی گئی ہیں وہ بے دین کیسے ہوگا؟ اصل بے دینی تو عقائد میں بگاڑ سے آتی ہے۔

اس میں تو اکثریت غیر مقلد ہے تو کیا قرآن وسنت کو رہنما بنانے سے لادینیت جنم لیتی ہے؟

اس طرح کیا پہلے 400 سال کے مسلمان معاذ اللہ بے دین تھے؟

شبہ نمبر ۱۴: بروز قیامت امام کا ساتھ

سورہ بنی اسرائیل کی آیت 71 کے مطابق بروزِ قیامت ہر ایک کو اپنے اپنے امام کے ساتھ بلایا جائے گا چنانچہ جن کے امام ہیں وہ اُن کے ساتھ ہو جائیں گے اور باقی لوگ دیکھتے رہ جائیں گے۔

ازالہ: اس آیت بارے مختلف اقوال ہیں: ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک اعمال نامہ، بعض جیسے عکرمہ کے نزدیک امام سے مراد کتاب ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس سے مراد انبیاء کرام ہیں۔

علامہ غلام رسول سعیدی صاحب نے اپنی تفسیر میں دلیل کی بناپر اپنی رائے یوں بیان فرمائی ہے۔

"مصنف کے نزدیک امام کی وہی تفسیر صحیح ہے جو رسول اللہ ﷺ نے کی ہے کہ امام سے مراد اعمال نامہ ہے جس کو ہم نے سنن ترمذی (حدیث نمبر: ۳۱۳۶، صحیح ابن حبان نمبر: ۷۳۴۹) کے حوالے سے بیان کیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی تفسیر کے بعد کسی قول کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت نہیں" (تبیان القرآن، ص: 763، جلد۔6، فرید بک سٹال، ۲۰۰۵)

شبہ نمبر ۱۵: آئمہ کرام کے پاس موجودہ دور سے زیادہ احادیث تھیں

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے آٹھ لاکھ احادیث سے اور اما بخاری رحمہ اللہ نے چھ لاکھ احادیث سے اپنی احادیث کے مجموعے تیار کئے جن میں وہ چند ہزار احادیث لے کر آئے، یوں آئمہ کرام کے ادوار میں اس سے بھی زیادہ احادیث تھیں جو کہ آج موجود نہیں۔

ازالہ: محدثین کے نزدیک احادیث کی تعداد ہزاروں میں ہی ہے جو مستند کتب احادیث میں موجود ہیں۔ روایتیں زیادہ ہوسکتی ہیں، مثال کے طور پر اگر ایک حدیث کو 100 راویوں نے بیان کیا

تو اسکی 100 روائیتیں بن جائیں گی۔ ہم تو اسی چیز کے مکلف ہیں جو ہم تک پہنچی اور امت مسلمہ بھی انھیں احادیث پر متفق ہے۔ جو محدثین نے چھان پھٹک کر کے کتب احادیث میں درج کر دی ہیں۔ ویسے بھی جو چیز سند کے ساتھ موجود ہے اور جس پر امت مسلمہ متفق ہے اسکی بجائے ایسی چیز کے پیچھے لگنا جس کی سند موجود نہیں، جسکا کوئی وجود نہیں، کیا عقلمندی ہے؟

شبہ نمبر ١٦: آباؤ اجداد کی پیروی کا حکم

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ میں نے اپنے آباؤ اجداد کے دین کی پیروی کی ہے۔ پس ثابت ہو گیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا رستہ تقلید کا رستہ ہے۔

ازالہ: اللہ مالک نے ارشاد فرمایا:

﴿وَ اتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ مَا كَانَ لَنَاۤ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ﴾

ترجمہ: "میں اپنے باپ دادوں کے دین کا پابند ہوں یعنی ابراہیم واسحاق اور یعقوب کے دین کا، ہمیں ہرگز یہ سزاوار نہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو بھی شریک کریں۔" (سورہ یوسف، آیت:38)

حضرت یوسف علیہ السلام کے آباؤ اجداد انبیاء تھے اور انبیائے کرام کی پیروی کا حکم خود پروردگار نے دیا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ بات واضح کی کہ ہمارے آباؤ اجداد شرک سے پاک تھے اس لیے میں بھی اُنہی کے راستے پر عمل پیرا ہوں۔

شبہ نمبر ١٧: ہر فن میں ماہر فن کی رائے معتبر ہوتی ہے

ازالہ: اس کتاب میں سب سے بڑے ماہر اللہ جل جلالہ اور اسکے رسول اللہ ﷺ پھر ماہر سلف صالحین کی رائے کو معتبر سمجھا گیا ہے۔ باقی اگر موجودہ ماہر فن دیانتداری سے کام لیتے، مسلک اور فرقہ بچانے کی خاطر قرآن وسنت کی غلط تاویلیں نہ کرتے، حق کو نہ چھپاتے تو آج اُمت مسلمہ کی یہ حالت بھی نہ ہوتی۔ آئمہ دین دیانتدار ماہرین تھے جنہوں نے لوگوں پر یہ بات واضح کی کہ بغیر دلیل

وبرہان ہماری کوئی بات تسلیم نہ کی جائے۔شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ دیانتدار ماہرفن تھے جنہوں نے اُمت مسلمہ کی تباہی وبربادی کی سب سے بڑی وجہ اندھی تقلید بتائی اور حق بات کھول کر بیان فرمائی۔ یہاں تو حالت یہ ہے کہ ہر فرقہ اور مسلک صرف اپنے آپ کو حق پر اور باقیوں کو گمراہ قرار دے رہا ہے اور اپنی صفائیاں بیان کررہا ہے کہ اصل میں ہوں۔ان حالات میں بغیر خود سے تحقیق کیئے انسان کبھی بھی حق تک نہیں پہنچ سکتا۔اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں توفیق دی اور ہم ہلاکت سے بچ گئے۔ہاں یہ بات درست ہے کہ دیانتدار علمائے دین کے علم سے استفادہ کرنا چاہیے۔آئمہ وسلف کی تشریحات سے استفادہ کریں۔جس طرح دنیا کے ضروری فن سیکھے ہیں اسی طرح دین بھی سیکھیں کیونکہ آخرت دائمی ہے جس کا انحصار اس زندگی پر ہے۔اس ضمن میں اس بات پر بڑا زور دیا جاتا ہے کہ قیاس دین کا حصہ ہے۔ہاں یہ درست ہے لیکن یہ وہاں ہوتا ہے جہاں قرآن وسنت سے واضح دلیل موجود نہ ہو۔ شروع میں احادیث کی قلت کی بنا پر بعض آئمہ کرام نے قیاس کیا لیکن جن معاملات پر ہمارے پاس صحیح السند احادیث موجود ہیں ان کو ترک کر کے قیاس کیسے کیا جائے؟ بعض لوگ یہ بات بھی بیان کرتے ہیں کہ جب احادیث آئمہ کرام تک پہنچیں تو وہ صحیح تھیں بعض میں ضعیف راوی شامل ہو گئے۔جو لوگ ایسی بات کرتے ہیں انھیں تفصیل بھی بتلانی چاہیے کہ وہ کون سے مسائل ہیں جن میں ایسے ہوا۔یہ کیسے پتہ چلا کہ وہ احادیث صحیح تھیں۔آئمہ کرام کو ملی بھی تھیں کہ نہیں۔اگر ملی تھیں تو اب کہاں غائب ہوگئیں جبکہ فقہ موجود ہے۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ بخاری ومسلم وغیرہ پر اُمت متفق ہے ہم تو انہیں احادیث کے مکلّف ہیں جو ہم تک پہنچی ہیں اور جنہیں محدثین نے چھان پھٹک کر کے صحیح قرار دیا ہے۔اب اس بنا پر ان کو ترک کرنا کہ ہمارے امام کے نزدیک اس کے برعکس کچھ اور احادیث تھیں جو بعد میں ضعیف ہوگئیں محض اپنے آپ کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے۔آخر ہم اپنے مسلک اور فرقے بچانے کے لیے ایسا کیوں کرتے ہیں؟ کیا ہم نے اللہ کو جوابدہ نہیں ہونا؟

شبہ نمبر ۱۸: ترک تقلید فرقہ واریت کا بنیادی سبب

قرآن وسنت کی تشریحات آئمہ دین کر چکے۔ ان تشریحات پر عمل پیرا ہونا اصل کامیابی ہے۔ سب اہل حق تقلید کی شاہراہ پر چلتے رہے۔ یہی سبیل اللہ، سبیل الرسول اور سبیل المومنین ہے۔ تقلید کو ترک کرنا الگ پگڈنڈی نکالنا ہے جو کہ فرقہ واریت کا بنیادی سبب ہے۔

ازالہ: فرقہ واریت کی بنیادی وجہ ہمیشہ سے ہی قرآن وسنت کی بجائے شخصیات کی اندھی پیروی رہی ہے۔ اپنے مسلک اور شخصیات سے محبت جب اللہ ورسول کی طرح ہو جاتی ہے تو باقی فرقوں سے شدید نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ اپنے آپ کو صحیح اور باقیوں کو غلط ثابت کرنے کی خواہش سے قرآن و سنت کی غلط تاویلیں شروع ہو جاتی ہیں۔ انسان کو ایک ہی فکر لاحق ہو جاتی ہے کہ کسی طرح میرا فرقہ بچ جائے۔ یوں قرآن وسنت کی واضح ہدایت کو بھی تسلیم نہیں کیا جاتا۔ اس حقیقت کو اللہ پاک نے یوں بیان فرمایا:

﴿وَمَا تَفَرَّقُوٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ﴾ (الشوریٰ آیت:14)

ترجمہ: ”اور نہیں اختلاف کیا ان لوگوں نے علم آجانے کے بعد مگر باہمی ضد کی وجہ سے۔“

آنحضور ﷺ نے صراطِ مستقیم کی گارنٹی قرآن وسنت پر عمل پیرا ہونے میں بتلائی ہے۔ اگر شخصیات کی بات قرآن وسنت کی بنیاد پر لی جاتی جس کا خود آئمہ دین نے حکم دیا تو آج حالات یہ نہ ہوتے۔ ہر کوئی اپنی طرف کھینچتا ہے۔ احناف کہتے ہیں ہمارے امام سب سے بہتر ہیں، مالکی کہتے ہیں ہمارے امام اعلیٰ ہیں وہ مدینہ میں پیدا ہوئے، وہیں تعلیم حاصل کی، نبی ﷺ کے مصلے پر کھڑے ہو کر امامت کرائی۔ قرآن کے بعد پہلی معتبر حدیث کی کتاب موطا امام مالک لکھی وغیرہ، جبکہ آپ کے امام کوفہ میں پیدا ہوئے۔ ان رجحانات نے مسلمانوں کو ایک ملت اور وجود کی بجائے پارہ پارہ کر دیا ہے اور غیر مسلموں پر بڑے بڑے اثرات مرتب ہو رہے ہیں، مثال کے طور پر 1938ء میں جاپانیوں کی ایک جماعت نے ٹوکیو میں جمیعۃ المسلمین کے سامنے حلقہ بگوش اسلام ہونے کی خواہش کا اظہار کیا تو

ہندوستانی ارکان کا اصرار تھا کہ نومسلموں کو حنفی مذہب اختیار کرنا چاہیے جبکہ انڈونیشی مسلمان شافعی مذہب پر اصرار کر رہے تھے۔ چنانچہ یہ تکرار ان جاپانیوں کو اسلام سے دوبارہ دور کر دینے کا ذریعہ بن گئی۔ (ہدیۃ السلطان الی مسلم یاپان، پیغام حرم)۔ اِسی ضد کی بنا پر 1925ء تک خانہ کعبہ میں 4 مصلّے تھے جو مسلمانوں کی بدنامی کا باعث تھے۔ علمائے عرب نے اٹھوا دیئے اور سب کو ایک مصلّے پر جمع کر دیا۔ آج اس میڈیا کے دور میں غیر مسلم یہ منظر دیکھتے تو کیا تاثر لیتے۔

باقی جہاں تک یہ معاملہ ہے کہ سب اہلِ حق تقلید پر چلتے رہے یہ بالکل غلط ہے۔ پہلے 300 سال کے مسلمان جن کی اکثریت کے حق پر ہونے کی خوشخبری آنحضور ﷺ نے دی اور صحابہ کرامؓ جن کے طریق پر چلنے والوں کو جنتی کہا گیا سب کے سب تقلید کی بجائے اللہ و رسول کی اطاعت کرتے تھے۔ 400 سال بعد تقلید شروع ہوئی۔ سوال یہ ہے کہ تقلید کا حکم کس نے دیا۔ کیا اللہ نے فرمایا؟ رسول اللہ نے دیا؟ یا خود آئمہ دین نے دیا؟ یقیناً کسی نے بھی نہیں دیا بلکہ سب کا حکم اس کے برعکس ہے۔ تو یہ دین کا حصّہ کیسے بن گئی؟ قرآن و سنت کو سمجھنے کے لیے سلف صالحین کی تشریحات سے استفادہ کیا جائے اور جو احسن رائے ہو اس کی پیروی کی جائے اور ہر معاملے میں قرآن و سنت کو بنیاد بنایا جائے۔ ایسا کرنے سے انشاء اللہ فرقہ واریت کا وجود ختم ہو جائے گا۔

علامہ اقبالؒ نے اس حقیقت کو یوں بیان فرمایا:

ہے فقط توحید و سنت امن و راحت کا طریق
فتنہ و جنگ و جدل تقلید سے پیدا نہ کر
اگر نہیں ہے جستجوئے حق کا تجھ میں ذوق و شوق
امتی کہلا کے پیغمبر کو تو رسوا نہ کر

ابلیس کی پریشانی

اس وقت ابلیس کے لیے سب سے بڑی پریشانی یہ ہے کہ تعلیم عام ہونے کی وجہ سے

انفرادی طور پر لوگ قرآن وسنت کو سمجھنے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ ہم بھی انہیں لوگوں میں سے ہیں۔ اگر ہم قرآن وسنت کو خود سے سیکھنے کا عہد نہ کرتے تو ناکام ہو جاتے اور ہدایت یافتہ نہ ہو پاتے کیونکہ اکثر لوگوں نے دین کی بجائے مسلک اور فرقہ کی دعوت شروع کر رکھی ہے۔ اپنی صفائیاں بیان کر کے اپنے آپ کو اہلِ حق اور دوسروں کو گمراہ ثابت کیا جاتا ہے۔ یاد رکھیں حق صرف اس پر واضح ہوگا جو مسلک اور فرقوں کے تعصب سے بالاتر ہو کر قرآن وسنت کی طرف خود رُخ کرے گا اور دنیا کی طرح دین کو خود سیکھے گا۔ بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ نوجوانوں کی بات پر یقین نہیں کرنا چاہیے۔ ان سے عرض ہے کہ آنحضور ﷺ کی وفات مبارک کے وقت قریباً 80 فیصد صحابہ کرامؓ کی عمریں 30 سال سے کم تھیں جیسے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر 18 سال، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ 20 سال، انس بن مالک رضی اللہ عنہ 20 سال اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ 13 سال عمر تھی۔ اسی طرح اصحاب کہف کے بارے میں بھی قرآن مجید میں آتا ہے کہ وہ نوجوان تھے۔ حق ہمیشہ نوجوان ہی قبول کرتے ہیں۔ زیادہ عمر میں انسان اپنے ذہن کے خلاف بات قبول نہیں کر پاتا۔

آیئے قرآن وسنت کی طرف

گھبرائیں نہیں انشاءاللہ جو بھی قرآن وسنت کی طرف اخلاص کے ساتھ رجوع کرے گا اللہ تعالیٰ اسے ہدایت سے نوازے گا اور جتنا زیادہ وقت دے گا، اسے سیکھے گا، سمجھنے کی سعی کرے گا اتنی ہی زیادہ اس پر نوازشیں ہوں گی۔ قرآن ہر ایک کو تفکر کی دعوت دیتا ہے۔ چنانچہ سورہ النحل:44 میں ارشاد ہے:

﴿ وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ ﴾

ترجمہ: ”یہ ذکر (قرآن) آپ پر اس لیے نازل کیا گیا ہے تاکہ آپ لوگوں کے لیے نازل کردہ (قرآن) کی تشریح وتوضیح کرتے جائیں شاید کہ وہ (اپنی نجات کے متعلق) خود اس میں غور و فکر کریں“۔

یہ بات بھی بعض جگہ لکھی گئی ہے کہ پورا دین سمجھنے کے لیے قرآن اور پوری صحاح ستہ بھی ناکافی ہے۔ محترم ساتھیو جتنی آپ کو اللہ تعالیٰ نے استعداد، صلاحیت دی ہے اسے قرآن وسنت سمجھنے پر صرف کریں۔ اس قسم کے وسوسوں پر ہرگز دھیان نہ دیں کیونکہ اگر آپ قرآن وسنت سے دور رہے تو یقیناً ہدایت سے دور ہو جائیں گے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا فرمان ہے کہ اگر سورۃ العصر کے سوا کچھ بھی اور نازل نہ ہوتا تو بھی انسانیت کی ہدایت کے لئے کافی تھا اور ادھر ہم کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ اس ضمن میں جس حقیقت کا ہم نے مشاہدہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ بعض علماء جو چیزیں بیان کرتے ہیں قرآن اور صحیح احادیث میں ان کا حکم برعکس ہوتا ہے۔ درجنوں فقہی مسائل ایسے ہیں جو صحیح احادیث کے برعکس ہیں اُنیس بیس کا نہیں بلکہ زمین وآسمان کا فرق ہے۔ جو کوئی بھی قرآن وحدیث خود پڑھے گا اُس پر یہ حقیقت آشکار ہو جائے گی اس وجہ سے لوگوں کو اصل تعلیمات سے دور رکھا جاتا ہے کیونکہ اس طرح مسلک پر حرف آتا ہے۔

پوری دُنیا میں اِس وقت غیر مسلم قرآن مجید کی آفاقی آیات پر غور وفکر کر کے مسلمان ہو رہے ہیں جبکہ مسلمانوں کو قرآن مجید سمجھنے سے دُور کیا جا رہا۔ جب پوچھا جائے کہ کس مکتبہ فکر سے رہنمائی لی جائے تو جواب ملتا ہے صرف ہمارے مکتبہ فکر سے کیونکہ باقی گمراہ ہیں۔

اندھی تقلید کی حقیقت

اندھی تقلید کی حقیقت یہ ہے کہ شیطان ایک طرف آنکھیں بند کر کے غیر نبی کی پیروی کی دعوت دیتا ہے اور دوسری طرف اللہ ﷻ ورسول ﷺ سے بڑھ کر اُس سے محبت پر آمادہ کرتا ہے تا کہ لوگوں کی

باتوں کو قرآن وسنت سے بڑھ کر درجہ دیا جائے جو رفتہ رفتہ لوگوں کی ہلاکت کا سبب بنتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ

اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ (البقرہ۔آیت:165)

ترجمہ: ”اور لوگوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ ﷻ کے علاوہ اور ہستیوں کو اللہ ﷻ کے مدمقابل ٹھہرا کر اُن سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی محبت اللہ ﷻ سے کرنی چاہیے اور (اُنکے برعکس) جو ایمان والے ہیں وہ اللہ ﷻ سے شدید ترین محبت رکھتے ہیں۔“

اللہ ﷻ نے بہت بڑی حقیقت بیان فرمادی ہے۔ مرید سالک صرف اُسی کو سمجھا جاتا ہے جو شریعت کی بجائے پیر صاحب کی پیروی کرے اور پیر حضرات کی طرف سے سرزد ہونے والے غیر شرعی امور کو بھی عین شریعت تسلیم کرے۔ اسی بات کو حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے مکتوبات میں یوں بیان فرمایا:

”اللہ ﷻ رحم کرے ہمارے پیروں پر جو اللہ ﷻ کا رستہ دکھاتے تھے جبکہ آج کے پیر اپنا رستہ دکھاتے ہیں۔“

اللہ ﷻ و رسول ﷺ پر ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ ﷻ و رسول ﷺ کے احکامات کو سب پر مقدم رکھا جائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صورت حال بڑی مختلف تھی ان سب کے نزدیک شریعت ہی مقدم تھی اگر کسی چیز میں شک بھی گزرتا کہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق نہیں تو اختلاف کر جاتے تھے۔ چاہے دوسری طرف کتنی ہی بڑی ہستی کیوں نہ ہو۔ اس ضمن میں کئی مثالیں ہیں صرف ایک پیشِ خدمت ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حالات کے پیش نظر جب حج تمتع (ایک سفر میں حج اور عمرہ کا اکٹھا کرنا) پر پابندی لگائی تو آپ کے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اختلاف کیا۔ چنانچہ ایک شخص نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے جب حج تمتع کے بارے میں سوال کیا جس پر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((فقال عبداللہ بن عمر ارایت ان کان ابی نہی عنہا و صنعہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امر ابی یتبع ام امر رسول اللہ صلی اللہ

علیه وسلم فقال لقد صنعها رسول الله صلی الله علیه وسلم هذا حدیث حسن صحیح))(جامع ترمذی ''کتاب الحج'' حدیث نمبر 824)

ترجمہ: ''دیکھو اگر میرے والد کسی کام سے منع کریں اور رسول اللہ ﷺ وہی کام کریں تو کیا میرے والد کی اتباع کی جائے گی یا رسول اللہ ﷺ کی؟ اُس شخص نے کہا آنحضرت ﷺ کے طریقہ کی پیروی کی جائے گی۔ آپؓ نے فرمایا تو پھر رسول اللہ ﷺ نے تمتع کیا ہے۔''

محترم بھائیو! اس میں بڑی عبرت ہے۔ حالانکہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فیصلہ اُس وقت کے حالات کے تحت ضروری تھا لیکن رسول اللہ ﷺ نے پابندی نہیں لگائی تھی۔ اس لیے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اختلاف کر گئے۔ ہمارے حالات اس کے برعکس ہو چکے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر لوگوں سے کہا جائے کہ میں نے فلاں عمل اس لیے اختیار کیا ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ ہے تو لوگ دشمن ہو جاتے ہیں اور اگر کہا جائے کہ یہ کام فلاں امام کی تقلید میں کرتا ہوں تو برداشت کر لیتے ہیں۔

محترم مسلمانو! یہ کیا ہے، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایسی بے رخی کا تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم تو فخر ہی اس بات پر کرتے تھے کہ ہم فلاں عمل اس لیے کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو کرتے دیکھا۔ چنانچہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حجرِ اسود کو بوسہ دیتے ہوئے مخاطب ہو کر یوں فرمایا:

ترجمہ ''یقیناً میں خوب جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے، نہ نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ فائدہ دے سکتا ہے اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو تجھے کبھی بوسہ نہ دیتا۔''

(صحیح بخاری ''کتاب الحج'' حدیث نمبر 1597، صحیح مسلم ''کتاب الحج'' حدیث نمبر 3070)

یہ تھی آپ کے جانثار ساتھیوں کی آپ ﷺ سے عقیدت و محبت اور ہماری حالت یہ ہے کہ اگر کسی عمل کو امام کی بجائے رسول اللہ ﷺ سے منسوب کر دیا جائے تو لوگ جان کے دشمن ہو جاتے ہیں۔ مسلمانوں کی موجودہ حالت کو مولانا الطاف حسین حالی رحمہ اللہ نے یوں بیان فرمایا:

نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں
اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں
مزاروں پہ دن رات نذریں چڑھائیں
شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دُعائیں
نہ توحید میں کچھ خلل آئے اس سے
نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے

اندھی تقلید ہی نسل انسانی کی ہلاکت کا اصل موجب ہے۔ یہ مرض جب بڑھتا ہے تو حلال وحرام سے بھی آگے انسان کو کفر وشرک کی دلدل میں پھینک دیتا ہے اور تقلید کرنے والے اور کروانے والے دونوں اللہ تعالیٰ کے عذاب کے مستحق ہو جاتے ہیں۔ اس بدترین حالت کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا:

﴿قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ فِي النَّارِ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ۝﴾ (اعراف۔ آیت:38)

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ فرمائے گا جولوگ تم سے پہلے گزر چکے ہیں جنات میں سے بھی اور انسانوں میں سے بھی اُن کے ساتھ تم بھی دوزخ میں جاؤ۔ جس وقت بھی کوئی جماعت داخل ہوگی اپنی دوسری جماعت کو لعنت کرے گی۔ یہاں تک کہ جب اِس میں سب جمع ہو جائیں گے تو پچھلے لوگ پہلے لوگوں کے متعلق کہیں گے کہ ہمارے پروردگار ہم کو اِن لوگوں نے گمراہ کیا تھا سو انکو دوزخ کا دوگنا عذاب دے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ سب ہی کا دوگنا ہے لیکن تم کو خبر نہیں۔“

محترم بھائیو! ہم ہرایک کا احترام کریں، لوگوں سے محبت کریں، اُن کی عزت کریں لیکن اللہ تعالیٰ

ورسول ﷺ سے سب سے بڑھ کر محبت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اللہ ﷻ ورسول ﷺ کے احکامات کے مقابلے میں کسی کی بات قبول نہ کریں۔

بات تو صرف اتنی تھی!

اللہ ﷻ نے حکم دیا:

- ﴿اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ﴾ (اعراف۔آیت:3)

ترجمہ: ''تم پیروی کرو اس کی جو تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے اور نہ پیروی کرو اس کے علاوہ دوسرے دوستوں کی، تم لوگ بہت ہی کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔''

- ﴿فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ (النساء۔آیت:65)

ترجمہ: ''تیرے رب کی قسم لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے باہمی اختلافات میں آپ ﷺ کو حاکم تسلیم نہ کر لیں پھر آپ ﷺ کے فیصلوں پر دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور اسے سر بسر تسلیم کر لیں۔''

اتنی سی بات سمجھانے کے لیے اتنا زیادہ لکھنا پڑا شاید کہ اُتر جائے تیرے دل میں یہ بات۔ اس مسلمہ حقیقت کو یاد رکھیں کہ اگر کسی نے محنت کی قرآن وسنت کو بنیاد بناتے ہوئے اخلاص کے ساتھ اگر اس سے غلط رزلٹ بھی نکل آیا اُسے اس پر اجر ملے گا جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔ اس کے برعکس اگر کوئی یوں کہے کہ میں فلاں عمل اس لیے کرتا ہوں کہ فلاں بزرگ نے اسے اختیار کیا تو قرآن وسنت کی رُو سے بہت بڑی خرابی ہے۔ یہی چیز رفتہ رفتہ شرک اکبر کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ اسی لیے اللہ ﷻ نے شدید ترین وعید کے ساتھ ﴿اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ﴾ کا حکم دیا۔ تقلید کا مطلب ہی بغیر دلیل کسی کی پیروی کرنا ہے۔ اس لیے اللہ ﷻ نے قرآن مجید میں بہتر لفظ اطاعت اور اتباع استعمال فرمایا۔

محترم بھائیو! اندھی تقلید کی آہنی زنجیریں ٹوٹتے ہی آپ کو ذہنی سکون نصیب ہو جائے گا۔ اللہ ﷻ کی رحمت آپ پر سایہ فگن ہوگی اور آپ کا رسول اللہ ﷺ سے حقیقی تعلق بھی قائم ہو جائے گا۔

عام لوگوں کے لیے بچت کی راہ

(i) جس کی بھی پیروی کریں اس بات کے لیے تیار اور کوشاں رہیں کہ قرآن وسنت سے واضح حکم معلوم ہونے پر اس کے خلاف بات کو ترک کر دیا جائے گا چاہے کسی کی بھی ہو۔

(ii) ایسے قابل اعتماد لوگ جو قرآن وسنت سے دلیل کی بنا پر بات بتلائیں ان سے رہنمائی لیں اور دیر نہ کریں سابقہ کوتاہیوں سے فوراً توبہ کریں اور اپنے آپ کو فوراً قرآن وسنت کے سامنے پیش کر دیں کہ زندگی کی مہلت کسی وقت بھی ختم ہو سکتی ہے۔

سچا اُمتی کون؟ وہ جس نے اپنے آپ کو اللہ ﷻ ورسول ﷺ کے سامنے پیش کر دیا ہے اور اللہ ﷻ ورسول ﷺ کی منشاء تلاش کرنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی سعی میں مصروف عمل رہتا ہے۔ وہ جسے اللہ ﷻ ورسول ﷺ کی بابت کوئی بات بتلائی جائے تو غور سے سنتا ہے اور سمجھ آ جانے پر اس پر عمل پیرا ہو جاتا ہے چاہے اس کے اپنے ذہن یا مسلک کے خلاف ہی کیوں نہ ہو وہ دِل میں تنگی محسوس نہیں کرتا۔ چنانچہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((لا یومن احدکم حتیٰ یکون هواه تبعاً لما جئت به))

(شرح السنہ، کتاب الایمان، حدیث نمبر:104، امام نووی نے اسے اربعین میں صحیح کہا)

ترجمہ: ''تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا حتیٰ کہ اسکی خواہش نفس میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ ہو جائے۔''

اگر خدانخواستہ معاملہ اس کے برعکس ہے تو پھر بہت بڑی خرابی ہے۔

ابلیس کے ہاتھ سوائے اس کے اور کیا ہے؟

محترم مسلمانو! ابلیس کے پاس انسان کو گمراہ کرنے کے لیے سوائے اس کے اور کوئی راستہ

نہیں کہ اللہ ﷻ اور رسول ﷺ کی تعلیمات سے دور کر دے اور لوگوں کی پیروی آنکھیں بند کر کے کرنے کا حکم دے۔ قرآن وسنت کے علاوہ اور کون سی چیز ہے جس کے ذریعے آپ کو غلط اور صحیح کی پہچان ہو سکے؟ اور یہ پہچان قرآن وسنت کا علم حاصل کیے بغیر کیسے ممکن ہے؟ محترم بھائیو دنیا فانی ہے جتنا وقت لگا کر ہم نے دنیا کو سیکھا ہے اس کا دسواں حصہ ہی کاش ہم دین سمجھنے میں صرف کر دیتے تا کہ ہمیں صحیح اور غلط کا ادراک ہو جاتا۔

جس خوش قسمت کو یہ بات سمجھ میں آ گئی!

کہ نجات کا دارومدار وحی کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے میں ہے اور جوان کے ساتھ چمٹ گیا جو حکم یہاں سے ملا وہ اس کے قلب وذہن سے ہم آہنگ تھا یا خلاف اُسے خوش دلی سے قبول کر لیا یقیناً وہ دنیا جہان کی سعادتیں اور خوشیاں سمیٹ گیا۔ ارشادِ ربانی ہے۔

﴿وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ (النساء۔ آیت: 13)

ترجمہ: ”اور جس نے اللہ ﷻ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کی اُسے ایسے باغوں میں داخل کیا جائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی جہاں وہ ہمیشہ رہے گا اور یہی بڑی کامیابی ہے۔“

دُنیا کی آسان ترین اور مشکل ترین بات

دُنیا کی آسان ترین بات یہ ہے کہ اللہ اور رسول کی پیروی کی جائے اور خدانخواستہ یہ بات سمجھ نہ آئے تو دُنیا کی مشکل ترین بات بھی یہی بن جاتی ہے۔ شیطان جب انسان کو قابو کرتا ہے تو اسکے نزدیک خدا اور رسول ﷺ کی بات کی وہ اہمیت نہیں رہتی جو اپنے اپنے پسندیدہ اکابرین کی باتوں کی اہمیت ہو جاتی ہے۔

خلاصہ : ۔ شرک فی الاطاعت

دنیا میں آتے ہی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور پیارے رسول ﷺ کی اتباع کی خبر اذان کی صورت میں ہمارے کان میں پکاری جاتی ہے...... پھر زندگی کے آخری لمحات میں بھی کلمہ شہادت کا اقرار کیا جاتا ہے..... اور قبر میں رکھتے وقت بھی [بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ] دو ہی شہادتیں پڑھی جاتی ہیں۔ ان یقینی حقائق کے باوجود انسان اپنی زندگی میں ان دو ہستیوں کو دلیل نہیں بناتا، زبان سے ان دو ہستیوں کو سب سے بڑا تسلیم کرنے کے باوجود عملاً دوسرے لوگوں کو خدا اور رسول ﷺ کے مقام پر فائز کرتے ہوئے دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔ اسلئے اللہ ﷻ ورسول ﷺ ہر بندے سے یہ تقاضا کرتے ہیں کہ بلا دلیل کسی کی بات تسلیم نہ کی جائے۔ حلال وحرام میں بغیر دلیل کسی کی بات تسلیم کی تو گویا اُسے معبود بنالیا جو کہ شرک اکبر کا ذریعہ ہے۔ اس سے کم تر چیزوں میں گرفت بھی اُسی قدر ہوگی۔ قرآن وسنت کو پڑھے بغیر کیسے پتہ چلے گا کہ جس چیز کی پیروی کی جارہی ہے وہ درست ہے یا نہیں اس لیے پرزور طریقے سے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا گیا۔

آپ ﷺ کی اطاعت کرنے والا ابلیس کی نظر میں تو غیر مقلد اور بد بخت ہوگا لیکن اللہ کی نظر میں غیر مقلد اور بد بخت نہ ہوگا بلکہ متبع رسول ﷺ کہلائے گا۔ ایسے خوش بخت انسان کی شان و عظمت بروزِ قیامت دیکھنے کے قابل ہوگی۔ انشاء اللہ اسے اللہ کے رسول کا قرب نصیب ہوگا اور جملہ مخلوقات اس پر رشک کریں گی۔ تمام صحابہ کرام، اہل بیت، آئمہ دین اور سلف صالحین سے محبت کریں ان کے لیے دُعا گو رہیں۔ ان کی تعلیمات سے رہنمائی لیں لیکن اس بات کے لیے تیار رہیں کہ جونہی حضور ﷺ کی بات امام کے قول کے خلاف ملے گی فوراً رجوع کرلیا جائے گا۔ ایسا کرنے سے انشاء اللہ ﷻ ابدی سعادتیں میسر آجائیں گی بصورت دیگر بہت بڑا خسارہ ہے۔ اللہ ﷻ سب مسلمان بھائیوں کی ہدایت کی طرف رہنمائی فرمائے (آمین)۔

باب نمبر ۱۷

متفرقات

دم اور تعویذات کا حکم

دم: وہ دم جو قرآنی آیات پر مشتمل ہو یا جس میں اللہ ﷻ سے دعا یا استغاثہ وغیرہ کیا گیا ہو جائز و مستحسن ہے چنانچہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

''رسول اللہ ﷺ نے نظر بد، زہریلے جانور کے کاٹنے اور ڈنگ مارنے، اور پہلو کی پھنسیوں کے علاج میں جھاڑ پھونک کرنے کی اجازت دی ہے۔'' (صحیح مسلم، کتاب السلام)

جبکہ شرکیہ دم زمانہ جاہلیت سے لوگ کرتے آرہے تھے اس کے لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اعرضوا علی رقاکم، لا بأس بالرقیٰ مالم یکن فیه شرك))

(صحیح مسلم، کتاب السلام)

ترجمہ: ''تم لوگ اپنے دم، منتر (پڑھ کر) مجھے سناؤ، اگر ان میں شرک (کا کوئی کلمہ) نہیں تو پھر کوئی مضائقہ نہیں ہے۔''

تعویذات

اس ضمن میں رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات سے استفادہ کرنے سے پہلے چند اہم الفاظ کا مطلب ذہن نشین کر لیجیے!

الرقی: منتر، جھاڑ پھونک یا وہ دم جس میں شرکیہ الفاظ ہوں۔

ودعة: سپی جو پانی سے نکلتی ہے۔

تولہ: ایسا منتر جو عورتیں یا مرد محبت پیدا کرنے کے لیے کرواتے ہیں۔

تانت، گنڈا: نظر بد سے محفوظ رہنے کے لیے ہار، پٹا، منکے یا ہڈیاں وغیرہ استعمال کرنا۔

تمیمہ: ابو منصور اور ابن الاثیر کے مطابق تمائم تمیمہ کی جمع ہے، تمیمہ ان دانوں یا موتیوں کو کہتے ہیں جنہیں اہل عرب اپنے بچوں پر لٹکاتے تھے ان کے ذریعہ وہ اپنے گمان میں بچوں کو نظر بد سے بچاتے تھے۔ اسلام نے اسے باطل قرار دیا۔

اب ہم اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کے سامنے پیش کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ آپ ﷺ نے کس طرح رہنمائی فرمائی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

نمبر ۱: **((من علّق شیئاً وکل الیه))** (مسند احمد، 311/41) وحاکم۔ 216/4)

ترجمہ: ''جس نے کوئی بھی چیز لٹکائی اسے اسی کے سپرد کر دیا جائے گا۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

نمبر ۲: **((من علق تمیمة فقد اشرك))**

(مسند احمد، 156/4، رقم 17422، مستدرک حاکم، 219/4، سندہ صحیح)

ترجمہ: ''جس شخص نے تعویذ لٹکایا اس نے شرک کیا۔''

نمبر ۳: **((من تعلق تمیمة فلا اتم الله له، و من تعلق و دعة، فلا ودع الله له))**
(مسند احمد، رقم 17404، مستدرک حاکم 41714)

ترجمہ: ''جس نے تمیمہ لٹکایا، اللہ تعالیٰ اس کا کوئی کام پورا نہ کرے، اور جس نے 'ودعۃ' سی لٹکائی، اللہ تعالیٰ اسے کبھی آرام نہ دے۔''

نمبر ٤: ''ابو بشیر انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ ابھی لوگ اپنی خواب گاہوں میں تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے قاصد بھیجا کہ اگر کسی اونٹ کی گردن میں کوئی تانت کا پٹا یا یوں فرمایا جو قلادہ (گنڈا) ہو اسے کاٹ دیا جائے''۔

(صحیح بخاری ''کتاب الجهاد'' حدیث نمبر 3005، (صحیح مسلم حدیث نمبر 2115)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور محدثین کے مطابق لوگ جانوروں کو نظر بد سے محفوظ رکھنے کے لیے ان

کے گلوں میں تانتے، قلاوے اور تمیمے وغیرہ باندھتے تھے اور یقین رکھتے تھے کہ ان سے مصائب و آلام دور ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں کاٹنے کا حکم دیا۔

نمبر ۵: حضرت رویفع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

''اے رویفع! شاید تم دیر تک زندہ رہو۔ تم لوگوں کو بتا دینا کہ جس شخص نے داڑھی کو گرہ لگائی یا (جانور کے) گلے میں تانت ڈالی یا جانور کے گوبر یا ہڈی کے ساتھ استنجا کیا تو بلاشبہ محمد (ﷺ) اس سے بری اور بے زار ہیں''۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، مسند احمد:108/4)

نمبر ۶: ((دخل عبدالله بن مسعود رضى الله عنه على امراة فراى عليها حرزاً من الحمرة فقطعه قطعا عنيفا ثم قال ان ال عبدالله عن الشرك اغنياء و قال كان مما حفظنا عن النبى صلى الله عليه وسلم ان الرقى اوالتمائم والتولية من الشرك))

(المستدرک للحاکم ''کتاب الطب'' حدیث نمبر 7505 امام ذھبی نے اس حدیث کو ''صحیح'' کہا)

ترجمہ: ''عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنی بیوی کے پاس آئے اور اس پر خسرہ سے بچاؤ کا تعویذ دیکھا تو اسے سختی سے کاٹ دیا، پھر فرمایا! '' یقیناً عبداللہ کا خاندان شرک سے مستغنی ہے۔ نبی اکرم ﷺ سے جو باتیں ہم نے یاد کی ہیں ان میں سے یہ بھی ہے کہ بے شک شرکیہ دم گھونگے اور منکے وغیرہ اور محبت کے تعویز شرک ہیں۔''

نمبر ۷: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے ایک آدمی کے ہاتھ میں تانبے کا چھلہ دیکھا تو فرمایا: یہ کیا ہے؟ آدمی نے جواب دیا ریاح (بیماری) کی وجہ سے پہن رکھا ہے آپ ﷺ نے فرمایا اسے نکال دو کیونکہ یہ بیماری کو زیادہ ہی کرے گا اور اگر تم اس حال میں مر گئے کہ یہ تمہارے جسم پر باقی رہا تو کبھی کامیاب نہ ہو گے۔ (مسند احمد 445/4: امام حاکم اور ذہبی دونوں نے صحیح کہا)

نمبر ۸: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((ان قوما یحسبون ابا جاد، و ینظرون فی النجوم ، ولا اری لمن فعل ذلک من خلاق)) (مصنف عبدالرزاق:26/11،رقم:19805،سندہ صحیح)

ترجمہ: ''یقیناً جولوگ حروف ابجد لکھ کر (لوگوں کی بیماریوں وغیرہ کا) حساب کرتے ہیں اور علم نجوم سیکھتے ہیں، میرے نزدیک ان کا (آخرت میں) کوئی حصہ اور اجر نہیں۔''

آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ اللہ ﷻ کے رسول ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تعویزات وغیرہ کے حوالے سے کس قدر محتاط رویہ تھا۔ چونکہ ایسے کام زمانہ جاہلیت سے چلے آرہے تھے اسلئے آپ ﷺ نے سختی سے ان امور سے منع فرمادیا۔

جواز: تعویذات لٹکانے کے جواز میں ابوداؤ۔ کتاب الطب اور جامع ترمذی میں ایک روایت موجود ہے جس کے مطابق عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سمجھدار لڑکوں کو دُعا **(اعوذ بکلمات اللہ التامۃ.....الخ)** سکھاتے اور جو سمجھ نہیں سکتے تھے ان کے گلے میں ڈال دیتے''۔

اس روایت کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے حسن قرار دیا ہے۔ اس کی سند میں موجود محمد بن اسحاق مدلس ہے۔

چند حقائق: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کی مذکورہ روایت کے ضمن میں چند حقائق ملاحظہ کریں:

(i) آنحضور ﷺ سے کسی بھی قسم کا تعویز لٹکانا ثابت نہیں۔ چونکہ تعویز وغیرہ لٹکانے پر شرک کی وعید ہے۔ اس لیے جب تک سند کے اعتبار سے صحیح درجہ کی حدیث متابعت میں نہ ملے تعویذات پہننے کا جواز پکڑنا درست نہیں۔

(ii) اس کی سند میں موجود محمد بن اسحاقؒ گو ثقہ وصدوق ہے لیکن تمام محدثین اس بات پر متفق ہیں کہ مدلس کی ''عن'' والی روایت اس وقت تک قابل قبول نہیں جب تک صحیح روایت سے اس کی تصدیق نہ ہو جائے۔

(iii) اس کے باوجود اگر کوئی اس روایت سے استدلال کرنا چاہے تو وہ بچے جو بول نہ سکتے ہوں ان کے لیے جواز نکلتا ہے جبکہ **جو سمجھدار ہیں وہ دعائیں خود پڑھیں۔**

اِس روایت کے علاوہ مصنف ابن شیبہ میں تابعین جیسے سید بن مصیب رحمہ اللہ اور عطار رحمہ اللہ کے اقوال ملتے ہیں جن سے تعویذ کا جواز ملتا ہے لیکن تابعی کی رائے اگر صحابہ کرام کی موافقت میں نہ آرہی ہو تو حجت نہیں ہوتی۔ اِس کے علاوہ کچھ بعد کے لوگوں سے بھی قرآنی تعویذات کا جواز ملتا ہے۔ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور آئمہ دین کا تعویزات پہننے کے حوالے سے بہت ہی محتاط رویہ ہے۔

چنانچہ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ (امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اُستاد) فرماتے ہیں:

((کانوا یکرھون التمائم کلھا من القرآن و غیر القرآن)) (تیسیر العزیز، الحمید، ص:174)

ترجمہ: ''صحابہ کرام رضی اللہ عنھم تمام قسم کے تعویذوں کو حرام قرار دیتے تھے، خواہ وہ قرآنی آیات سے ہوں یا قرآن پاک کے علاوہ کسی اور چیز سے ہوں۔''

محترم ساتھیو! جو حقیقت تھی آپ کے سامنے پیش کر دی گئی۔ رسول اللہ ﷺ کا جانوروں کی گردنوں سے پٹے وغیرہ کٹوانا اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اپنے اہل وعیال کو اس سے پاک کرنا اور آپ ﷺ کا حکم عام جاری فرمانا، اس کا تقاضا یہ ہے کہ محتاط رویہ اپنایا جائے۔ اس کے برعکس شفا کی غرض سے گھونگے، منکے، سیپیاں اور دھاگے وغیرہ پہننا شرک قرار دیا گیا ہے (واللہ اعلم)

شرعی دم وغیرہ اگرچہ جائز ہے اس کے باوجود آپ ﷺ نے بغیر حساب کتاب جنت میں جانے والوں کے متعلق ارشاد فرمایا: عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''میری اُمت سے ستر ہزار افراد بلا حساب جنت میں جائیں گے، یہ وہ لوگ ہیں جو نہ دم جھاڑ کرتے ہیں اور نہ بدشگونی لیتے تھے اور وہ اپنے رب پر توکل کرتے تھے۔''

(صحیح بخاری ''کتاب الرقاق'' حدیث نمبر 6541 ، صحیح مسلم ''کتاب الایمان'' حدیث نمبر 522)

خلاصہ: دم وتعویذات

قرآن مجید کا بنیادی مقصد اس سے ہدایت حاصل کرنا ہے۔ یہ بالخصوص روحانی امراض یعنی دل کے روگ اور غلط عقائد کے لیے شفاء ہے جیسے اللہ ﷻ نے فرمایا: ﴿ وشفاء لما فی الصدور ﴾۔ بہرکیف جسمانی امراض کی شفاء کے لیے مسنون طریقہ دم ہے اسی پر اکتفا کرنا چاہیے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عکیم رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب ہر قسم کے تعویز خواہ وہ قرآنی ہوں یا غیر قرآنی لوگوں کو ان سے منع کرتے تھے۔ یہی صحیح اور بہتر ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے تعویز لٹکانے کی عام ممانعت فرمائی ہے۔ قرآن اور غیر قرآن کی کوئی تخصیص وارد نہیں ہوئی۔ جس طرح آپ ﷺ نے جھاڑ پھونک میں تخصیص فرما کر غیر شرکیہ دم کو جائز قرار دیا ہے لیکن تعویذ کے سلسلہ میں ایسی تخصیص نہیں فرمائی۔ آپ ﷺ سے بڑھ کر انسانیت کا کوئی خیر خواہ اور مشفق نہیں۔ آپ ﷺ نے دُعا اور علاج کے نسخے بیان فرمائے ہیں جو طب نبوی پر مشتمل کتب میں موجود ہیں لیکن ذخیرہ احادیث میں کہیں بھی کوئی تعویذ کا نقشہ نہیں ملتا۔ افسوس کہ آج آپ ﷺ کی اُمت نے ذاتی اغراض و مقاصد کے لیے قرآن مجید کو تعویذی نقشے میں تبدیل کر ڈالا ہے اور ہر صورت کا الگ الگ تعویذ بنا دیا ہے۔ آج کل اکثر تعویذ شرکیہ کلمات، طلائم، الٹی سیدھی لکیریں، غیر مبہم کلمات وحروف، جن وشیاطین اور فرشتوں کی پکار پر مشتمل ہیں۔ یوں قرآنی تعویذات کی آڑ میں شرک کا چور دروازہ کھل چکا ہے۔ اسی لیے اسلام نے جب کسی چیز کو حرام قرار دیا ہے تو اس کے اسباب وذرائع کو بھی حرام قرار دیا ہے۔ ویسے بھی قرآنی تعویذ کو پاکی ناپاکی کی حالت میں لٹکائے رکھنا اور اس سمیت بیت الخلا میں داخل ہونا بے حرمتی کا سبب ہے۔ اس سے انسان کا بھروسہ اللہ ﷻ کی بجائے تعویذ پر رہتا ہے جو کہ فساد ایمان کا باعث ہے۔

محترم ساتھیو! شکوک وشبہات والے طریقے نہ اپنائیں۔ امراض کی شفاء جائز وناجائز ہر طریقہ سے

ممکن ہے۔ یہ زندگی چند روزہ ہے۔ صبر کریں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں اور ہمیشہ مسنون طریقوں سے استفادہ کریں۔ شرک کی سنگینی کے پیش نظر بہتر یہی ہے کہ تعویذات کی بجائے مسنون طریقہ آیاتِ قرآنی کی تلاوت یا دم وغیرہ سے استفادہ کیا جائے۔

تعویذ اور دم کو حق کی دلیل بنانا: بعض سادہ لوح بھائی قرآن وسنت کی بجائے اگر کسی کے دم یا تعویذ وغیرہ سے آرام آ جائے تو اتنی سی بات کو حق کی دلیل بنا لیتے ہیں۔ سب مکاتبِ فکر کو دیکھنے کے بعد جو بات مشاہدہ میں آئی ہے وہ یوں ہے کہ بریلوی، دیوبندی اور اہلِ تشیع مسلک کے اکثر لوگ دم اور تعویذ وغیرہ کرتے ہیں جن سے لوگ شفایاب ہوتے ہیں۔ سلفی حضرات میں بھی بعض لوگ دم وغیرہ کرتے ہیں، ہمارے اسلام آباد میں دو تین لوگ بہت مشہور ہیں جن سے بہت زیادہ لوگوں کو شفا ملتی ہے۔ اِس کے علاوہ غیر شرعی طریقوں سے بھی شفا ملتی ہے جس کی تفصیل باب: ۷ میں بیان کی گئی ہے۔ بعض بے نمازی حضرات کے بارے معلوم ہوا ہے کہ وہ گائے بھینس وغیرہ جو دودھ نہ دے سکے لئے آٹے پر دم کرتے ہیں جس سے فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اگر ان چیزوں کو دلیل بنایا جائے تو پھر سب فرقے بشمول نمازی و غیر نمازی حق پر ہوں گے۔ یہ چیزیں ہرگز حق پر ہونے کی دلیل نہیں ہیں۔ دیکھنا یہ ہوگا کہ کسی کے اعمال وعقائد قرآن وسنت پر ہیں یا نہیں۔

عبادت کو حق کی دلیل بنانا

بعض ہمارے بھائی لوگوں کی عبادت کو حق پر ہونے کی دلیل بناتے ہیں۔ اول تو ہم لوگوں کے لیے دُعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں شرک سے بچائے اور اُن کی عبادات قبول فرمائے لیکن اس چیز کو کسی مکتبہ فکر کے حق پر ہونے کی دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔ اس لیے کہ ہر مکتبہ فکر کے بعض لوگ بہت عبادت گزار ہوتے ہیں۔ اہل سنت کے علاوہ شیعہ مذہب میں کئی ایسے لوگ موجود ہیں بلکہ قادیانی معاملات، عبادات اور اعمال میں بہت بہتر ہوتے ہیں۔ اگر یہ دلیل ہے تو پھر یہ سب کے لیے ہونی چاہیے اس ضمن میں آنحضور ﷺ نے واضح رہنمائی فرمائی ہے۔ خوارجیوں کے متعلق آپ ﷺ نے

فرمایا:

((قوم تحرقون صلاتکم مع صلاتھم یقرؤن القرآن لا یجاوز حلوقھم او حناجرھم)) (صحیح بخاری، کتاب الخارجین)

ترجمہ: ''ایسی قوم ہوگی کہ تم اپنی نماز کو اُن کی نماز کے سامنے حقیر جانو گے اور قرآن کی تلاوت بھی کریں گے۔ مگر قرآن اُن کے حلق سے نیچے نہیں اُترے گا وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر جانور میں سے پار نکل جاتا ہے۔ (اس میں کچھ نہیں لگا رہتا)۔''

یہ بات واضح ہوگئی کہ جب تک عقائد درست نہ ہوں اعمال قابلِ قبول نہیں کیونکہ خوارج کلمہ گو بھی تھے، عبادت گزار اتنے تھے کہ صحابہ کرام اپنی نمازوں کو اُن کے سامنے حقیر خیال کرتے تھے۔ اس کے باوجود انہیں اسلام سے خارج قرار دیا گیا جس کی بنیادی وجہ قرآن مجید کی غلط تاویلات تھیں۔ اسی طرح شرک کے ارتکاب پر تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کے بارے میں فرما دیا:

﴿وَ لَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾

ترجمہ: ''اگر بالفرض محال یہ (میرے محبوب پیغمبر بھی) شرک کرتے تو میں ان کے اعمال بھی برباد کر دیتا۔''

اس لیے اعمال نہ تو دلیل ہیں حق پر ہونے کی اور نہ ہی فائدہ مند ہیں جب تک عقائد درست نہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دُعا گو ہیں کہ ہمارے بھائیوں کے افعال و عقائد قرآن و سنت کے مطابق کر دے (آمین)۔

خواہش نفس کو معبود بنانا

ارشاد ربانی ہے: **﴿اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ﴾** (جاثیہ، آیت:23)

ترجمہ: ''کیا تو نے دیکھا اس شخص کو جس نے اپنی خواہش نفس کو معبود بنا رکھا ہے۔''

نفس کی اس حدتک پیروی کہ اللہ تعالیٰ کے حکم ٹوٹنے شروع ہو جائیں۔ اگر ایسا ہونے پر ملامت ہو اور توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کے راستے پر آ جائے تو اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا ہے لیکن اگر یہ عادت بن جائے تو پھر یہ شرک ہوگا کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف خواہش نفس کو کھڑا کر لیا ہے۔ اس قسم کے شرک میں زیادہ تر دنیا دار ملوث ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری اصلاح فرمائے۔ (آمین)
اس شرک کا تعلق حلال وحرام اور فرائض واجبات کے ساتھ ہے یعنی کبائر اور منکرات وغیرہ۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے لیے مثال

بعض لوگ جہالت کی بنا پر اللہ تعالیٰ کے لیے مثالیں بیان کرتے ہیں کہ جس طرح گورنر تک پہنچنے کے لیے پہلے چپڑاسی، پھر کلرک......وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے ایسے ہی اللہ تعالیٰ تک جانے کے لیے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کے بندے اللہ تعالیٰ تک رسائی کا ذریعہ ہیں لیکن ایسی مثال کا مطلب اللہ تعالیٰ کو بندوں پر قیاس کرنا ہے جو کہ گستاخی ہے۔ دنیا میں اگر گورنر خود آپ سے ملنا چاہے تو کیا آپ چپڑاسی کی طرف جائیں گے؟ اس طرح کی باتیں ابلیس لعین نے ہی لوگوں کو سکھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے مثالوں سے منع فرمایا:

﴿ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾(نحل، آیت:74)

ترجمہ: ’’پس اللہ تعالیٰ کے لیے مثالیں نہ بناؤ بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔‘‘

دنیا میں کسی شخص کے خلاف چار گواہ عدالت میں پیش ہو کر گواہی دے دیں تو عدالت اس شخص کو مجرم قرار دے گی چاہے اس نے جرم کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ اللہ کی بارگاہ میں چار شخص یا ساری کائنات کے لوگ کسی کے متعلق جھوٹی گواہی دیں تو کیا اللہ بھی اس شخص کو سزا دے گا اگرچہ اس نے جرم نہ کیا ہو؟ یقیناً آپکا جواب نفی میں ہوگا۔ معلوم ہوا اللہ کے لئے ایسی مثالیں پیش نہیں کی جاسکتیں۔

ہدایت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں

انبیاء کرام علیھم السلام اور تعلیماتِ الٰہی یعنی قرآن مجید وغیرہ ہدایت کا ذریعہ ہیں انھیں کے ذریعے تاریکیاں دور ہوتی ہیں اور ہدایت کا راستہ ہموار ہوتا ہے، انہیں کے سبب انسانیت نے ظلم و بربریت کے گھٹاٹوپ اندھیروں سے نجات پائی۔ آپ ﷺ کے بارے میں پروردگار نے فرمایا:

﴿وَاِنَّكَ لَتَهْدِیْۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴾ (سورہ الشوریٰ آیت:52)

ترجمہ: ''اور بے شک آپ (ﷺ) سیدھے راستے کی طرف ہدایت و رہنمائی فرماتے ہیں''

لیکن کسی انسان کے دل نے اس ہدایت کو کب قبول کرنا ہے یہ اللہ ﷻ کے ہاتھ میں ہے۔ اس کے خلاف عقیدہ رکھنا غلط ہے۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ﴾
(القصص۔ آیت:56)

ترجمہ: ''(اے نبی ﷺ) آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے، مگر اللہ ﷻ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت قبول کرنے والوں کو۔''

صحیح بخاری کے مطابق یہ آیت کریمہ آپ ﷺ کو تسلی دینے کی خاطر اُس وقت نازل ہوئی جب آپ ﷺ کے چچا دنیا سے رخصت ہو گئے اور آپ ﷺ انکے ایمان کی بابت غم سے دوچار تھے۔
(صحیح بخاری ''کتاب التفسیر'' حدیث نمبر 4772 ، صحیح مسلم ''کتاب الایمان'' حدیث نمبر 132)

مذکورہ بات کو رسول اللہ ﷺ نے یوں بیان فرمایا:

((ان قلوب بنی آدم کلها بین اصبعین من اصابع الرحمن کقلب واحد یصرفه حیث یشاء ثم قال رسول اللہ ﷺ : "اللهم مصرف القلوب صرف قلوبنا علی طاعتك))(صحیح مسلم ''کتاب القدر'' حدیث نمبر 6750)

ترجمہ: ''آدم علیہ السلام کی ساری اولاد کے دل رحمٰن کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ایک دل کی طرح ہیں، وہ جس طرح چاہتا ہے (اور جب چاہتا ہے) دلوں کو پھیر دیتا ہے پھر رسول

اللہ ﷺ نے دُعا فرمائی ''اَے اللہ ﷻ! دلوں کو پھیرنے والے! ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے۔''

☆ یہ ہے رسول اللہ ﷺ کا عقیدہ۔

واجب الوجود اور مستقل بالذات وغیرہ کے حوالے سے اہم حقیقت

لوگوں میں شرک کے حوالے سے بہت سے اشکالات پیدا ہو چکے ہیں جیسے: اللہ ﷻ کو ذات اور صفات میں یکتا، واجب الوجود اور مستقل بالذات وغیرہ تسلیم کر لینے سے انسان کا دامن شرک سے پاک ہو جاتا ہے۔ اس لیے فکر کی ضرورت نہیں۔

محترم بھائیو! اگر آپ اس کتاب کو پڑھ چکے ہیں تو آپ پہ یہ حقیقت واضح ہو چکی ہو گی کہ جو عقائد و افعال شرک میں داخل ہیں ان کو اللہ ﷻ کے سوا کسی اور کی طرف مستقل بالذات یا غیر مستقل بالذات سمجھ کر منسوب کیا جائے تب بھی شرک کا خطرہ موجود رہتا ہے۔ چند دلائل ملاحظہ کریں:

نمبر ۱: ان الفاظ کی ادائیگی پر ''جو اللہ ﷻ چاہے اور رسول ﷺ چاہے'' آپ نے فرمایا! ﴿ جعلتنی لِلّٰه مدا ﴾ ''تو نے مجھے اللہ تعالیٰ کا شریک بنا دیا'' حالانکہ کہنے والے نے آپ کو واجب الوجود نہیں سمجھا تھا۔

نمبر ۲: سورہ توبہ آیت 31 کے مطابق بغیر دلیل کے حلال وحرام میں علماء ومشائخ کی پیروی کرنا انھیں رب کے درجے پر فائز کرنا قرار دیا گیا حالانکہ علماء مشائخ کو مستقل بالذات سمجھ کر ایسا نہیں کیا جاتا تھا۔

نمبر ۳: مشرکین مکہ اپنے معبودوں کو مستقل بالذات نہیں سمجھتے تھے۔ اس پر قرآن مجید کی کئی آیات گواہ ہیں اور دوران طواف جب تلبیہ پڑھتے تو صاف الفاظ میں اس بات کا اقرار کرتے کہ یہ مستقل بالذات نہیں ہیں اور نہ ہی ان کی صفات ذاتی ہیں بلکہ اللہ ﷻ کی طرف سے عطائی ہیں۔ دوران طواف یوں کہتے:

((قالو لبیك اللھم لبیك لبیك لا شریك لك إلا شریکا ھولك تملكه وما ملك)) (صحیح مسلم "کتاب الحج" حدیث نمبر 2815)

ترجمہ: "کہتے اے اللہ ﷻ ہم حاضر ہیں، حاضر ہیں تیرا کوئی شریک نہیں سوائے اس شریک کے جو تیری ملکیت میں ہے تو اس کا بھی مالک ہے اور اس کے اختیارات بھی تیرے قبضے میں ہیں"۔

نمبر ٤: سورۃ جاثیہ۔ آیت 23 کے مطابق خواہش نفس کی پیروی اس طرح کرنا کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات پس پشت ڈال دیئے جائیں ایسا کرنا نفس کو خدا بنانا قرار دیا گیا حالانکہ اپنے آپ کو کوئی بھی واجب الوجود نہیں سمجھتا۔

نمبر ٥: ابوداؤد ۔ کتاب الایمان، ترمذی کی ایک روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **((من حلف بغیر اللہ فقد اشرك))** "جس نے اللہ ﷻ کے علاوہ کسی کی قسم کھائی اس نے شرک کیا ﴿شرک خفی﴾' حالانکہ قسم کھانے والا غیر اللہ کو واجب الوجود سمجھ کر قسم نہیں کھاتا۔

نمبر ٦: آنحضور ﷺ جب حدیبیہ میں تشریف لے گئے تو ایک رات بارش ہوگئی صبح کو آپ نے نماز پڑھائی اور لوگوں کی طرف متوجہ ہوکر فرمانے لگے:

"کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: میرے بندوں میں کچھ نے ایمان لاتے ہوئے اور کچھ نے کفر اختیار کرتے ہوئے آج صبح کی ہے۔ جس نے یہ کہا کہ ہمیں اللہ کے فضل ورحمت سے یہ بارش دی گئی ہے تو وہ مجھ پر ایمان لے آیا اور ستاروں کے تصرف کا انکاری ہوگیا اور جس نے یوں کہا کہ ہمیں فلاں فلاں ستارے کے سبب سے بارش دی گئی ہے تو اس نے میرے ساتھ کفر کیا اور ستارے پر ایمان لے آیا۔"

(بخاری: کتاب الاستسقاء نمبر 1038، مسلم کتاب الایمان نمبر 67)

جن لوگوں نے بھی یہ کہا انھوں نے ستاروں کو بالذات تسلیم نہ کیا اور نہ ہی یوں کہا کہ ستارے نے ہم پر بارش برسائی بلکہ محض بارش برسانے کا سبب قرار دیا جس پر کفر کا اطلاق کیا گیا کیونکہ کفار ومشرکین بھی یہ بات تسلیم کرتے تھے کہ بارش برسانے والا صرف اللہ ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿ وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ﴾(العنکبوت:63)

ترجمہ: ''اور اگر آپ ان سے پوچھیں گے کہ آسمان سے پانی کس نے اتارا (بارش برسائی ہے) ہے، جس کے ذریعہ وہ مردہ زمین کو زندہ کرتا ہے تو وہ کہیں گے اللہ نے''۔

بات بالکل واضح ہوگئی کہ جو عقائد وافعال کفریہ یا شرکیہ ہیں محض مستقل بالذات، حادث وقدیم وغیرہ کا فرق کر لینے کے باوجود بھی شرکیہ / کفریہ ہی رہتے ہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ جن چیزوں میں اللہ تعالیٰ نے شفا رکھی ہے اللہ کے اذن سے انہیں ذریعہ یا سبب سمجھنے سے شرک نہیں ہوتا کیونکہ ان پر دلیل موجود ہے۔ مگر جن لوگوں کا یہ نظریہ ہے کہ فلاں مزار پر یا بزرگ کے نام دودھ نہ چڑھایا تو بھینسوں کا دودھ خشک یا کم ہو جاتا ہے یا ان سے خون آنا شروع ہو جاتا ہے۔ مذکورہ حدیث مبارکہ کی وعید کا ان پر 100 فیصد اطلاق ہوتا ہے۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ شرکیہ افعال شرکیہ ہی رہیں گے چاہے حقیقی معنی مراد لیے جائیں یا مجازی۔ ہاں جن چیزوں میں اشتراک معنی کی اجازت دی گئی ہے ان کے لیے یہ قاعدہ درست ہے لیکن اس کا جواز عمومی طور پر نہیں نکل سکتا۔ ویسے بھی شرک کے خطرہ کے پیش نظر شک والی چیزوں سے بھی دور رہنا چاہیے۔ (واللہ اعلم)

اندھا دھند پیروی کا نتیجہ

چند روز پہلے ایک نامور مذہبی سکالر کی تقریر سننے کا موقع ملا جو بہت بڑے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے اولیاء کرام کی شان کے بارے آنحضورﷺ کی حدیث سے یہ بات ثابت کر رہے تھے کہ بروز

قیامت 70 ہزار اولیائے کرام بلا حساب و کتاب جنت میں جائیں گے اور ہر ولی ستر ہزار کو جنت میں لے کر جائے گا۔ آگے اولیاء ہوں گے پیچھے مریدین ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے قطار در قطار جنت میں جائیں گے اور یوں پیر مریدوں کو بخشوائیں گے۔

مذکورہ بیان کے حوالے سے صحیح مسلم۔ کتاب الایمان میں **حدیث نمبر 520 سے 528** تک 9 روایات موجود ہیں جن میں صراحت کے ساتھ بلا حساب کتاب جنت میں جانے کی وجہ بیان کی گئی ہے۔ جس کے مطابق آنحضور ﷺ نے اپنی امت کے ستر ہزار افراد کے بغیر حساب کتاب جنت میں جانے کی خوشخبری دی تو صحابہ کرام کے درمیان ان لوگوں کے بارے میں گفتگو ہوئی چنانچہ:

''بعض نے کہا شاید وہ لوگ ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں رہے۔ بعض نے کہا نہیں شاید وہ لوگ ہیں جو اسلام کی حالت میں پیدا ہوئے ہیں اور انہوں نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا۔ بعض نے کہا کچھ اور اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور فرمایا: ﴿**هم الذين لا يرقون ولا يسترقون ولا يتطيرون و على ربهم يتوكلون**﴾۔ ''یہ وہ لوگ ہیں جو نہ منتر کرتے ہیں نہ منتر رکھتے ہیں، نہ منتر کراتے ہیں، نہ بدشگون لیتے ہیں اور (صرف) اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتے ہیں''۔

''یہ سن کر عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: آپ اللہ سے دُعا کیجیے کہ وہ مجھ کو ان لوگوں میں سے کر دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو ان لوگوں میں سے ہے۔ پھر ایک اور شخص کھڑا ہوا اور عرض کرنے لگا: دُعا کیجیے اللہ مجھے بھی ان لوگوں میں شامل کرے۔ آپ نے فرمایا: عکاشہ رضی اللہ عنہ تجھ پر سبقت لے گیا''۔

(مسلم، کتاب الایمان حدیث نمبر 527، بخاری۔ 3410)

محترم ساتھیو!: اُمید ہے آپ بات سمجھ چکے ہوں گے۔ جن لوگوں کو یہ اعزاز و اکرام ملنے والا ہے وہ تو جائز کام یعنی منتر (دم) نہ کرتے ہیں نہ کراتے ہیں بلکہ وہ تو صرف اپنے رب پر بھروسہ کرنے والے

ہیں۔ان 70 ہزار میں سے ہر ایک کی یہ خصوصیت ہوگی۔جس صحابی نے حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کے بعد دعا کرائی جب انھیں یہ مقام نہ مل سکا تو باقی مریدین کی گنجائش کہاں سے نکل آئی۔حقیقت یہ ہے کہ آنحضور ﷺ نے اپنی امت کے علماء کے بارے جو خدشہ ظاہر فرمایا تھا وہ بعینہ سچ ثابت ہو چکا ہے۔لوگ بھی دین سے لاتعلق ہو چکے ہیں، دنیا میں اپنے حصے کا کام خود سیکھتے ہیں اور خود کرتے ہیں جبکہ دین علماء کے حوالے کر کے آنکھیں بند کر کے انکی اندھا دھند پیروی کرتے ہیں۔

ایک اور حدیث جس کے آخری الفاظ ہم بچپن سے مختلف واعظین سے سنتے رہے اور جو رزلٹ اس سے نکالا جاتا ہے اس پر غور فرمائیں۔یہ بھی ذہن میں رکھیے گا کہ شرک کے حوالے سے تو آپ ﷺ معمولی چیزیں بھی برداشت نہ کرتے تھے جیسے **"ماشاء الله و شئت"** جو اللہ چاہے اور جو آپ چاہیں" صرف اتنی بات کو آپ ﷺ نے شرک سے تعبیر فرما دیا تو بڑی چیزیں کیسے برداشت کریں گے۔پوری حدیث ملاحظہ کریں:

> سیدنا معاویہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((**من یرد الله به خیراً یفقهه فی الدین، وانما انا قاسم والله یعطی**))۔"اللہ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے دین کی سمجھ بوجھ عطا فرما دیتا ہے، میں تو صرف (علم) تقسیم کرنے والا جبکہ اللہ عطا کرتا ہے" (بخاری، کتاب العلم، حدیث نمبر 71، مسلم، حدیث نمبر-2389)

محترم ساتھیو! ہم کون کون سی بات آپ کے سامنے بیان کریں۔اگر آپ اپنے ساتھ مخلص ہیں تو وہ زندگی جہاں آپ نے ہمیشہ رہنا ہے اس کے لیے کچھ تو کریں۔قرآن مجید اور بخاری و مسلم خریدیں اور خود پڑھیں تاکہ آپ گمراہی سے بچ سکیں۔اللہ تعالیٰ ہم سب پہ اپنا فضل و کرم فرمائے (آمین)۔

فتنوں کے مقام کی نشاندہی

اگر آپ اس کتاب کا مطالعہ فرما چکے ہیں تو یہ بات آپ پر آشکار ہو چکی ہوگی کہ اکثر چیزوں کی حقیقت عام طور پر لوگوں کے افعال وعقائد کے برعکس ہوتی ہے۔مذکورہ حوالے سے بھی صورت حال

کچھ ایسی ہی ہے۔

آنحضور کی احادیث کی بنیاد پر بعض بھائی علماء عرب کو نجدی کہتے ہیں۔ چونکہ یہ بات آپ ﷺ پر جھوٹ افترا ہے اسلئے حقیقت حال آپ پر واضح کی جارہی کہ آنحضور ﷺ نے کن لوگوں کے لئے نجدی ہونے کے حوالے سے بددعا کی تھی۔ دوسری بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ غلط فہمیوں کی بنا پر ہم ایک دوسرے کو کافر نہ کہیں اور نفرت نہ کریں بلکہ سب کے ساتھ پیار سے پیش آئیں اور سب کو اپنا بھائی سمجھیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنوں کے مقام کی نشاندہی کس طرح فرمائی ہے چند احادیث ملاحظہ کریں:

نمبر ۱: آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شام اور یمن میں برکت کے لیے دُعا فرمائی، صحابہ نے عرض کیا ہمارے نجد کے لیے دُعا فرمایئے تو آپ نے فرمایا:

﴿ هناك الزلازل والفتن وبها يطلع قرن الشيطان ﴾ (صحیح بخاری: کتاب الفتن، حدیث نمبر: 7094)

ترجمہ: "وہیں تو زلزلے آئیں گے فتنے پیدا ہوں گے وہیں سے شیطان کی چوٹی نمودار ہوگی"۔

نمبر ۲: **((عن ابن عمر رضى الله عنهما انه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو مستقبل المشرق يقول: ((الا ان الفتنة ههنا من حيث يطلع قرن الشيطان))**

(بخاری: کتاب الفتن، نمبر: 7093)

ترجمہ: "ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا (جس وقت) آپ مشرق کی طرف چہرہ (مبارک) کیے ہوئے تھے فرمایا فتنہ اِدھر سے نمودار ہوگا ادھر (یعنی مشرق) سے جہاں سے شیطان کی چوٹی نکلے گی"۔

نمبر ۳: ﴿ حدثنا يسير بن عمرو قال: قلت لسهل بن حنيف هل سمعت النبی صلی الله عليه وسلم يقول فی الخوارج شيئا؟ قال: سمعته يقول و اهوی بيده قبل العراق: ((يخرج منه قوم يقرؤون القرآن لا يجاوز تراقيهم يمرقون من الاسلام مروق السهم من الرميه)) ﴾

(صحیح بخاری، کتاب استتابۃ المرتدین، حدیث نمبر:6934)

ترجمہ: ''یسیر ابن عمرو نے کہا میں نے سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ (بدری صحابی) سے پوچھا تم نے آنحضرت ﷺ سے خارجیوں کے باب میں کچھ سنا ہے۔ انہوں نے کہا میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے۔ آپ ﷺ نے ہاتھ سے عراق کی طرف اشارہ کیا فرماتے تھے اس ملک سے کچھ ایسے لوگ نکلیں گے جو قرآن تو پڑھیں گے لیکن ان کی ہنسلیوں کے نیچے نہیں اُترے گا یہ لوگ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار کے جانور کے پار نکل جاتا ہے''۔

نمبر ٤: عن سالم بن عبد الله بن عمر يقول يا اهل العراق ما اسا لكم عن الصغيرة واركبكم للكبيرة سمعت ابی عبد الله بن عمر يقول سمعت رسول الله ﷺ يقول ((ان لفتنة تجیء من ها هنا وا وما بيده نحو المشرق من حيث يطلع قرنا الشيطان)).

ترجمہ: ((سالم بن عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے وہ کہتے تھے اے عراق والو! میں تم سے چھوٹے گناہ نہیں پوچھتا نہ اس کو پوچھتا ہوں کہ کبیرہ گناہ کرتے ہو ۔میں نے سنا اپنے باپ عبداللہ بن عمرؓ سے وہ کہتے تھے میں نے سنا رسول اللہ ﷺ سے آپ فرماتے تھے فتنہ ادھر سے آوے گا اور اشارہ کیا آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے پورب کی طرف جہاں شیطان کے دونوں قرن نکلتے ہیں))

(صحیح مسلم، کتاب الفتن: حدیث نمبر: 7297)

یوں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے بھی اس بات کی تصدیق ہوگئی کہ قرن الشیطان

جہاں سے نمودار ہوگا وہ نجد عراق ہے"۔

نمبر ۵: ایک موقعہ پر نبی کریم ﷺ مالِ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے:

((فغضبت قریش فقالوا یعطی صنادید نجد و یدعنا))

ترجمہ: "تو قریش ناراض ہوکر کہنے لگے آپ ﷺ نجد کے سرداروں کو دیتے ہیں اور ہمیں نہیں دیا"۔

آپ ﷺ نے فرمایا: اُن کو اس لیے دیتا ہوں کہ ان کے دلوں میں اسلام کی محبت پیدا ہو جائے۔ پھر ایک شخص آیا جس کی داڑھی گھنی، گال اُبھرے ہوئے، آنکھیں اندر دھنسی ہوئیں، ماتھا اُونچا اور سر مونڈھا ہوا تھا۔ وہ کہنے لگا: ﴿ **اتق الله یا محمد** ﴾ اے محمد ﷺ اللہ سے ڈرو ﴿نعوذ اللہ﴾۔

آپ ﷺ نے فرمایا: اگر میں بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کروں گا تو پھر کون اُس کی اطاعت کرے گا؟ اُس نے مجھے امین بنایا ہے اور تُو مجھے امین نہیں مانتا۔ پھر وہ شخص پیٹھ پھیر کر چلا گیا۔ قوم میں سے ایک شخص نے اس کے قتل کی اجازت چاہی۔ لوگوں کا خیال ہے وہ خالد رضی اللہ عنہ بن ولید تھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس کی نسل میں سے ایک قوم ہوگی جو قرآن کریم پڑھے گی مگر قرآن اُن کے حلق سے نیچے نہیں اُترے گا۔ مسلمانوں سے قتال کریں گے اور بُت پرستوں کو چھوڑ دیں گے۔ اسلام سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔ اگر میں ان کو پالیتا تو قومِ عاد کی طرح قتل کر دیتا۔ (صحیح بخاری، کتاب استتابۃ المرتدین، نمبر: 6933)

احادیثِ مبارکہ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ آنحضور ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں بے ادبی کرنے والے شخص کی خصوصیات یہ تھیں:

1۔ آنحضور ﷺ کے طریقہ تقسیم پر اعتراض کیا۔

2۔ اُس شخص کی اولاد قرآن پڑھے گی مگر حلق سے نیچے نہ اُترے گا یعنی قرآن کو سمجھنے اور اس پر

عمل پیرا ہونے سے محرومی۔

3۔ اِس کی نسل مسلمانوں کو قتل کرے گی لیکن بت پرستوں کو چھوڑ دے گی یعنی شرک کرنے والوں کا ساتھ دے گی۔

اِس کے پیروکاروں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا یعنی یہ خوارج تھے۔

''جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کے قتل کا علم ہوا تو آپ نے نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا'' (مسلم،ابوداؤد)

اُمید ہے کہ آپ پر حقیقت بالکل واضح ہو چکی ہوگی کہ آنحضور ﷺ کے فرامین کے مطابق فتنے مشرق سے نکلیں گے اور سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں عراق کے الفاظ بھی آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ تمام جمہور علماء ومحدثین کی رائے کے مطابق فتنوں کا مقام مشرق میں بالخصوص عراق ہے۔ جغرافیہ کی قدیم و مستند کتاب معجم البلدان اور لغت عرب کی مشہور کتاب تاج العروس میں نجد کی کل بارہ اقسام بیان کی گئی ہیں یعنی: نجد خال، نجد الشری، نجد برق، نجد عضر، نجد الحجاز، نجد الیمن ..... نجد العراق وغیرہ۔ یوں یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ ''قرن الشیطان جہاں سے نمودار ہوگا وہ نجد عراق ہے''۔

نجد عراق میں رونما ہونے والے فتنوں کی لمبی تفصیل ہے۔ اِن میں سے چند ایک یہ ہیں:

کوفہ میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت 61 ہجری، خوارج کے فتنوں کا ظہور 38 ہجری، بصرہ سے قدریہ اور معتزلہ کا ظہور، کوفہ سے سبائی فتنہ پیدا ہوا 35 ہجری، جنگ جمل اور جنگ صفین اِسی سرزمین پر ہوئی، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کوفہ میں شہید کیا گیا۔ تاتاریوں کے ہاتھوں دُنیا کی عظیم اسلامی سلطنت کی تباہی عراق میں ہوئی۔ ایران اور عراق کے مابین لمبے عرصے تک جنگ ہوتی رہی وغیرہ۔

محترم مسلمانو! افسوس کی بات ہے کہ ابلیس نے مسلمانوں میں منافرت پھیلانے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین کی اس غلط انداز میں تاویلیں کرائیں اور مسلمان بے سوچے سمجھے اس کے پیچھے لگ گئے۔ حالت یہ ہو چکی ہے کہ مسلمان ایک دوسرے کے دشمن ہو چکے ہیں اور وہ دین جس کے ذریعے نبی رحمت ﷺ نے لوگوں کو جوڑا بھائی بھائی بنایا اُسی کی غلط تاویلوں سے ہم ایک دوسرے کے خلاف ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری نفرتیں ختم کر کے قرآن وسنت کی بنیاد پر ایک ہونے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)۔

اہل تشیع حضرات کے متعلق ضروری وضاحت

اہل تشیع اور اہل سنت کے مابین بنیادی اختلافات درج ذیل باتوں میں ہے۔

(۱) مسئلہ امامت (اہل تشیع کے نزدیک بارہ اماموں کا معصوم ہونا)

(۲) دائمی نکاح کے ساتھ ساتھ متعہ کو جائز تسلیم کرنا

(۳) اہل تشیع کا موقف ہے کہ آنحضور ﷺ کے بعد خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق تھا جسکا خود جناب رسالت مآب نے اپنی حیات مبارک میں اعلان فرمایا لیکن وہ انہیں نہ مل سکا۔

(۴) رسوم عبادات میں فروعی اختلافات اور ماتم وغیرہ۔

(۵) بعض صحابہ کرام کے بارے میں غصہ وناراضگی کا اظہار

جہاں تک شیعہ کتب کا تعلق ہے ان میں ''شیعت کا مقدمہ'' تو بہت مہذب انداز میں لکھی گئی ہے جبکہ دیگر کتب میں بہت سختی پائی جاتی ہے۔ جہاں تک ہماری تحریر کا تعلق ہے یہ ہر شیعہ وسنی سب کے لیے ہے کیونکہ اسکا بنیادی موضوع عقیدہ توحید، شرک اور رسالت ہے۔ الحمد اللہ شیعہ حضرات بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ شرک سب سے بڑا گناہ ہے اور توحید ورسالت سب سے بڑی دولت ہے۔ جس طرح اہلسنت میں بعض لوگ اپنی اصل تعلیمات سے واقفیت نہ ہونے کی بنا پر شرکیہ افعال وعقائد میں ملوث نظر آتے ہیں اسی طرح شیعہ حضرات میں بھی ایسی چیزیں نظر آتی ہیں جیسے اللہ کے علاوہ کسی کو پکارنا،

غیر اللہ کی نذر و نیاز، اندھی تقلید، حد سے تجاوز وغیرہ۔ ان بنیادی مسائل کو "شیعت کے مقدمے" میں بھی زیر تحریر نہیں لایا گیا۔ ہم نے بنیادی شرکیہ غلاظتوں کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے (۱) قرآن مجید کی بنیاد پر (۲) سنت رسول ﷺ اور سلف صالحین اہل علم حضرات کی بنیاد پر۔ الحمد اللہ شیعہ حضرات بھی اسی قرآن کو حرف آخر تسلیم کرتے ہیں جسے اہل سنت حضرات سوائے چند شیعہ علماء کے جو قرآن مجید میں تحریف کے کسی حد تک قائل ہیں۔ اس لیے وہ تمام حضرات جو قرآن مجید کو اللہ کی آخری سچی کتاب تسلیم کرتے ہیں وہ ہماری کتاب سے استفادہ کرتے ہوئے جو چیزیں قرآن مجید کی بنیاد پر پیش کی گئی ہیں ان سے رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔ اس حوالے سے اگر ہمیں کسی معاملے میں غلطی پر پائیں تو ضرور ہماری رہنمائی کریں۔

اہل تشیع حضرات سے ہماری اہم گزارش!

اہل تشیع حضرات کا اختلاف ایک ہی بنیادی نقطے کی طرف مرکوز نظر آتا ہے کہ آنحضور ﷺ کے بعد اہل بیت سے ناانصافی ہوئی جیسے: خلافت کے معاملے میں، اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین لڑائی جھگڑے اور دیگر معاملات میں۔

اس حوالے سے قرآن مجید ہماری بڑے حکیمانہ انداز میں رہنمائی فرماتا ہے۔ چنانچہ جب لوگوں میں اللہ کے برگزیدہ پیغمبروں حضرت ابراہیم، اسماعیل، اسحٰق اور یعقوب علیہم السلام کی بابت بعد میں آنے والے لوگوں میں اختلاف ہوا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں شیطان کی اس چال سے یوں نکالا:

﴿ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴾

(سورۃ البقرہ، آیت: 141)

ترجمہ: "یہ ایک امت تھی جو گزر چکی، جو انہوں نے کیا وہ ان کے لیے ہے اور جو تم نے کیا وہ تمہارے لیے ہے اور تم سے ان کے اعمال کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا"

اللہ تعالیٰ نے ظالم شیطان کی مذکورہ خطرناک چال کا نہایت مدلل طریقے سے سد باب کیا ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اپنے اولوالعزم پیغمبروں کے متعلق دوٹوک الفاظ میں تنبیہ فرمادی ہے کہ وہ گزر چکے جو اعمال انہوں نے کیے ہیں وہ ان کے لیے ہیں اور جو تم کرو گے وہ تمھارے نامہ اعمال میں لکھے جائیں گے اور یہ فرما کر کہ ''جو انہوں نے کیا اسکے متعلق بعد والے لوگوں سے نہیں پوچھا جائے گا'' شیطان کے سارے چور دروازے بند کر دیئے ہیں۔ پس جو کام کرنے والا ہے وہ یہ ہے کہ ہم یہ دیکھیں کہ ہم نے اپنی آخرت کے لیے کیا کرنا ہے، قرآن وسنت کو سمجھ کر اس پر عمل کرنا اور دوسروں تک پہنچانا ہے۔

اس حوالے سے سمجھنے والی بات یہ ہے کہ ان اختلافات کے وقت ہم وہاں موجود نہیں تھے کہ ہمیں انکا سو فیصد صحیح ادراک ہو سکے۔ اگر ایسا ہوا بھی ہے تو ہم کسی لحاظ سے بھی اس میں ملوث نہیں اور اگر ہم زندگی کا قیمتی وقت صرف کر کے صحابہ کرام کے متعلق بدگمانیاں پیدا کرلیں تو یہ ہمارے فائدے میں نہیں۔ جو کچھ بھی ہوا ہو گا اسکا فیصلہ بروز قیامت ہمارا رب فرما دے گا۔ سابقہ واقعات کے کھوج میں زندگی کا بیشتر وقت لگا دینا نقصان ہے۔ اگر ہم اپنے خالق کی بات پر غور کریں اور انصاف کا دامن تھامتے ہوئے اسے تسلیم کرلیں تو مذکورہ حوالے سے پائی جانے والی رنجش کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ لیکن اگر ہم ایسا نہ کرنا چاہیں تو اس زندگی میں ہم آزاد ہیں لیکن نتیجہ بروز قیامت سامنے آجائے گا۔ باقی رہا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا معاملہ تو وہ لوگ یقیناً ظالم ہیں جنہوں نے ایسا کیا کیونکہ آپکا مقصد دین کی سربلندی کے سوا کچھ نہ تھا۔ اللہ تعالی ہماری صحیح سمت میں رہنمائی فرمائے۔ (آمین)

قبر سے جسم کا سلامت نکلنا

یہ دیکھنے کے لئے ہم حق پر عمل پیرا ہیں یا نہیں ہمیں اسی چیز کو معیار بنانا چاہیئے تھا جسے بنیاد بنانے کا حکم دیا گیا ہے یعنی تعلیمات وحی۔ لیکن دیکھا گیا ہے کہ بعض ہمارے بھائی قرآن وسنت کو پیمانہ بنانے کی

بجائے فوت شدہ لوگوں کے اجسام قبر میں سلامت ہونے کو دلیل بناتے ہیں۔ اس ضمن میں چند اہم باتیں پیش خدمت ہیں۔

چونکہ ہمیں تمام مکاتب فکر کے ساتھ وقت گزارنے کا موقعہ ملا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ اس قسم کے واقعات سب میں موجود ہیں لیکن بعض انھیں عوام میں زیادہ بیان کرتے ہیں بعض کم۔ دعوتِ اسلامی میں بھی ایسے بہت سے واقعات بیان ہوتے ہیں اور کتابیں بھی لکھی گئی ہیں۔ اسی طرح تبلیغی جماعت میں بھی ایسے غیر معمولی واقعات سننے کو ملتے ہیں۔ مکتب فکر اہل حدیث میں بھی یہ چیزیں موجود ہیں۔ چونکہ لوگوں کا خیال ہے کہ اہل حدیث میں ایسے واقعات ظاہر نہیں ہوتے اسلئے اہلِ حدیث کے دو واقعات جن کی ہمیں باوثوق ذرائع سے تصدیق ہو سکی پیشِ خدمت ہیں۔

1۔ ابو عمر وٹو شہید جو بہاولنگر لاری اڈہ کے قریب قبرستان میں 2001ء میں دفن کر دیئے گئے۔ 2006ء کی بارشوں میں ان کی قبر بیٹھ گئی جس کی بنا پر ان کی قبر کھودی گئی ان کا کفن بالکل سفید تھا، چہرہ اور جسم بالکل تر و تازہ تھا، جیسے ابھی دفنایا گیا ہو۔

2۔ بوسنیا اور سربیہ کی حالیہ جنگ کے دوران عرب مجاہد فہد القحطانی رحمہ اللہ سربوں کے خلاف لڑتے ہوئے شہید ہوئے اور لاش سربوں کے قبضہ میں آ گئی۔ ریڈ کراس کی مدد سے لاشوں کا تبادلہ ہوا۔ سربوں کی لاشیں جن کو قتل ہوئے ایک یا دو دن ہو گئے تھے ان کی حالت یہ تھی کہ انتہائی مکروہ قسم کی بدبو اُٹھ رہی تھی جبکہ فہد القحطانی رحمہ اللہ کی لاش اڑھائی ماہ گزرنے کے باوجود بغیر سرد خانے میں رکھے بالکل صحیح سلامت تھی جونہی تابوت کو کھولا گیا: چہرہ چاند کی طرح چمک رہا تھا اور سیاہ داڑھی باوقار لگ رہی تھی اور جسم میں مہک بھی تھی۔ (بوسنیا کے عرب شہداء: مولانا امیر حمزہ)

چند قابلِ غور باتیں

عوام چونکہ دین کے ساتھ مخلص ہوتے ہیں اور وہ لوگ جو دین کے ساتھ مخلص ہوں اور شرک اور گستاخانہ عقائد سے بچ کر دنیا سے رخصت ہوئے ہوں تو اللہ تعالیٰ نے

بطور انعام ان کا جسم سلامت کر دیا ہو۔

- یہ استدراج بھی ہوسکتا ہے کیونکہ ابلیس اگر انسانی صورت میں محفلوں / اجتماعات میں آ کر جھوٹی احادیث سنا سکتا ہے تو کچھ بھی ہوسکتا ہے۔
- ہوسکتا ہے فوت ہونے سے پہلے توبہ نصیب ہو گئی ہو۔
- اکثر واقعات بے بنیاد ہوتے ہیں۔ صرف سنی سنائی باتیں بیان کی جا رہی ہوتی ہیں۔

یاد رکھیں: پس اگر حق پر ہونے کی یہی دلیل ہے تو پھر سب حق پر ہیں۔ قرآن وسنت میں کہیں بھی ان چیزوں کو دلیل بنانے کا حکم نہیں دیا گیا۔ صرف اور صرف قرآن وسنت کا پابند کیا گیا ہے۔ سوائے قرآن وسنت کے بروز قیامت کسی اور چیز کو بطور دلیل کوئی اللہ کے سامنے پیش نہ کر سکے گا۔ اللہ کے نبی ﷺ نے خود بھی قرآن وسنت پر عمل کیا، آپ کے جانثار ساتھیوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد تابعین، تبع تابعین، آئمہ ومجتہدین سمیت کسی نے بھی اپنے آپ کو حق پر ثابت کرنے کے لیے ایسی چیزوں کو بطور سند پیش نہیں کیا۔ اس لیے ان شبہات پر ہرگز دین کی بنیاد نہ رکھیں کیونکہ یہ زندگی بڑی قیمتی ہے۔ اسے قرآن وسنت کے تابع رہ کر گزاریں جو قطعی علم ہے جس میں کوئی شک نہیں۔

نہ جنت کی ضرورت نہ دوزخ کا ڈر

یہ بات اب اکثر لوگوں سے سننے کو ملتی ہے کہ ہمیں جنت سے کیا غرض اور دوزخ کا کیا ڈر۔ اگر اللہ کی رضا دوزخ میں پھینکنے میں ہے تو وہ دوزخ میں پھینک دے۔ یہ بات بڑھتے بڑھتے بہت خطرناک حد تک پہنچ چکی ہے۔ محترم ساتھیو! اللہ کی رضا کا پیش نظر ہونا بہت بڑی سعادت اور اصل کامیابی ہے لیکن افراط وتفریط سے بچنا چاہیے۔ اس حوالے سے ہمارا طرزِ عمل کیا ہونا چاہیے یقیناً وہی جو اللہ و رسول کی طرف سے رہنمائی ملے۔ ہمیں اپنی مرضی کرنے سے پہلے ان کی بات پر ضرور غور کرنا چاہیے جن کا ہم نے کلمہ پڑھا ہے۔ قرآن وسنت سے چند دلائل ملاحظہ کریں۔

نمبر ۱: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفرقان میں اپنے خاص بندوں یعنی جو محسنین ہیں، جنھیں رب

نے ''عبادالرحمٰن'' کے لقب سے نوازا ہے: ان کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ○ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ○ ﴾ (الفرقان: آیت 65-64)

ترجمہ: ''اور وہ جن کی راتیں گزرتی ہیں اپنے رب کے سامنے سجدے اور قیام کی حالت میں اور وہ جو یہ دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم سے دوزخ کا عذاب دور ہی رکھیو، کیونکہ اس کا عذاب چمٹ جانے والا ہے۔''

ان کا دوزخ کے عذاب سے بچنے کی دعا کرتے رہنا اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ دوزخ کا خوف رکھتے ہیں۔ یاد رہے یہ مقام اللہ کے خاص بندوں کی صفات کے بیان کا نقطہ عروج ہے۔ کیا اب بھی شک کی گنجائش باقی ہے؟

نمبر۲: ﴿ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ○﴾ (سورہ السجدہ، آیت: 16)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے اپنے مقربین کی صفت یوں بیان کی: ''ان کی کروٹیں اپنے بستروں سے الگ رہتی ہیں، اپنے رب کو خوف اور طمع کے ساتھ پکارتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے وہ خرچ کرتے ہیں۔''

مفسرین کے نزدیک اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے عتاب وغضب، مواخذہ وعذاب سے ڈرنا اور نعمتوں کے حصول کی امید کے ساتھ اللہ سے دُعا کرنا ہے۔ یہ صفت بھی اللہ کے خاص بندوں کی ہے۔

نمبر۳: ﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّه﴾ (التوبہ۔آیت: 111)

ترجمہ: ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مومنین سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو جنت کے عوض خرید لیا ہے۔''

نمبر٤: اللہ ﷻ نے اہل ایمان کو حکم دیا: ﴿ سَابِقُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ﴾ (الحدید۔آیت:21)

ترجمه: ''(اے اہل ایمان!) دوڑو اپنے رب کی بخشش اور جنت کی طرف جس کی وسعت آسمانوں اور زمین کی چوڑائی کے برابر ہے، تیار کی گئی ہے ان کے لئے جو اللہ اور اسکے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں۔''

آنحضور ﷺ سے رہنمائی

نمبر ۱: رسول اللہ ﷺ نے خود اپنے بارے میں فرمایا: **((اسأل الله الجنة واعوذ به من النار))**

ترجمہ: ''میں اللہ سے جنت مانگتا ہوں اور جہنم سے اسکی پناہ چاہتا ہوں'' **(ابوداؤد)**

اگر ہم بات تسلیم کرنا چاہیں تو آپ ﷺ کے مذکورہ فرمان مبارک کے بعد ہمارے خود ساختہ نظریات کی کوئی گنجائش نہیں رہ گئی۔

نمبر ۲: مقام بدر پہنچنے پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' اس جنت کی طرف پیش قدمی کرو جس کا عرض آسمانوں اور زمین کی مانند ہے۔عمیر بن حمام رضی اللہ عنہ نے کہا: بہت خوب، بہت خوب! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہیں یہ بات بہت خوب، بہت خوب، کہنے پر کس چیز نے آمادہ کیا؟ انہوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول ﷺ! اللہ ﷻ کی قسم! صرف اس امید نے کہ میں بھی جنتیوں میں سے ہو جاؤں، آپ نے فرمایا: تم جنتیوں میں سے ہو۔'' **(مسلم کتاب الامارہ حدیث نمبر:4915)**

نمبر ۳: ایک آدمی (صحابی رسول رضی اللہ عنہ) کو آپ ﷺ نے یوں دُعا کرتے ہوئے سُنا: ''اے اللہ میں تجھ سے اتمام نعمت کا سوال کرتا ہوں تو آپ ﷺ نے پوچھا! کونسی چیز اتمام نعمت ہے؟ اس نے عرض کیا دُعا جس کے ذریعے میں خیر کی اُمید کرتا ہوں آپ ﷺ نے فرمایا: اتمام نعمت تو جنت میں داخلہ اور جہنم سے خلاصی ہے (یعنی ان الفاظ کے ساتھ دعا کرنے کی تلقین فرمائی) اسی طرح نبی کریم ﷺ نے ایک آدمی کو دُعا کرتے ہوئے سنا: ''اے اللہ میں تجھ سے صبر کا سوال کرتا ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے اللہ سے مصیبت مانگی ہے اس سے عافیت کا سوال کرو''۔ **(جامع ترمذی: کتاب الدعوات، رقم:3527)**

نمبر ٤: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ حالت سفر میں سحری کے وقت دُعا کرتے: ''ہم جہنم سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں''۔ **(مسلم، کتاب الذکر و دعا، نمبر: 6900)**

نمبر ٥: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں ''نبی ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھا، صبح کے وقت میں آپ کے قریب ہی چل رہا تھا میں نے عرض کیا اے اللہ کے پیغمبر ﷺ مجھے کوئی ایسا عمل بتلایئے جو مجھے جنت میں پہنچا دے اور جہنم سے الگ کر دے......''۔

(ترمذی: کتاب الایمان نمبر 2616، ابن ماجہ: نمبر 3973، مسند احمد 231/5)

نمبر ٦: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جنت کے عوض کنواں خرید کر مسلمانوں کو دیا۔

ہم ان چند دلائل پر اکتفا کرتے ہیں کیونکہ یہ چیزیں اس کثرت سے ہیں کہ ان پر الگ سے ایک کتاب درکار ہے۔

پیارے مسلمان بھائیو! آپ پر یہ حقیقت بالکل واضح ہو چکی ہوگی کہ اللہ جل جلالہ نے اپنے خاص بندوں کی صفت یہ بتلائی ہے کہ وہ اللہ کا خوف رکھتے ہیں اور جنت کے خواہاں ہوتے ہیں۔ یہ چیز اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ اس لیے اسی کا حکم دیا۔ خود سرورِ کائنات ﷺ اور آپ کے جانثار ساتھیوں کا یہی طریق رہا اور آپ سے پوچھ پوچھ کر اعمال اور دُعائیں کرتے رہے جن کی بنا پر دوزخ سے نجات اور جنت کا حصول ہو۔ یقیناً صحابہ کرام بعد میں آنے والے سب لوگوں سے افضل بھی ہیں۔ اب ایک ہی صورت رہ جاتی ہے کہ اپنے نظریات کے تحفظ کے لیے ضعیف روایات اور واقعات کی بنا پر غلط تاویلیں کی جائیں لیکن یاد رکھیں ایک دن سب نے اللہ جل جلالہ کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے۔ یہ تو سوچیں کہ محشر کے بعد وہ کون سی جگہ ہے جہاں اللہ کا دیدار ہوا کرے گا؟ جہاں انبیائے کرام کا پڑوس ملے گا؟ ظاہر بات ہے وہ جنت ہی ہے تو پھر ایسی جگہ کی خواہش کیوں نہ ہوگی۔ اپنے اعمال اللہ کی رضا کے لیے کریں ساتھ اللہ سے عافیت، آگ سے نجات اور ابدی راحتوں یعنی جنت میں داخلے کی دعا بھی کریں کیونکہ یہی طریقہ ہے رسول اللہ ﷺ کا۔ اللہ جل جلالہ ہماری کوتاہیوں کو معاف فرمائے اور ہماری راہِ ہدایت کی طرف رہنمائی فرمائے۔ (آمین)

محترم بھائیو کاش ہم سوچیں!

اللہ ﷻ اور اس کے پیارے رسول ﷺ نے ہماری خیر خواہی میں کوئی کسر نہ چھوڑی:

(1)۔ اللہ ﷻ نے بار بار تاکید کے ساتھ فرمایا کہ قرآن سمجھنے کے حوالے سے بہت آسان ہے۔ لوگوں نے کہا بہت مشکل ہے۔ ہم بھی لوگوں کے پیچھے لگ گئے اور ان کی بات پر یقین کر لیا۔

(2)۔ رسول اللہ ﷺ نے ہدایت پر رہنے کے لیے امت کو قرآن وسنت کے حوالے کیا ہم نے اس کے الٹ پر عمل کیا۔

(3)۔ اللہ ﷻ نے سختی کے ساتھ متشابہات کی تاویلوں سے منع فرمایا اس کے باوجود ہم نے دین کی بنیاد متشابہات پر رکھی۔

(4)۔ رسول اللہ ﷺ نے سختی کے ساتھ موضوع احادیث سے اجتناب کرنے کا حکم دیا اسکے باوجود ہم نے لاپرواہی کا مظاہرہ کیا۔

(5)۔ غائب سے پکارنے کو عبادت قرار دیا لیکن پھر بھی ہم اللہ ﷻ کے علاوہ دوسرے لوگوں کو پکارتے رہے۔

(6)۔ قبروں کو پکا کرنا، ایک بالشت سے اونچا کرنا، ان پر عمارت بنانا، ان پر چراغ جلانا وغیرہ سے سختی سے منع فرمایا اس کے باوجود یہ سارے کام ہم نے جائز قرار دے دیے۔

(7)۔ اللہ ﷻ نے اپنی اور رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا، آئمہ ومجتہدین نے بغیر دلیل اپنی پیروی سے سختی سے منع فرمایا اس کے باوجود ہم نے اس پر عمل نہ کیا۔

(8)۔ جن جن شرکیہ افعال سے اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ نے سختی سے منع فرمایا ان سب چیزوں کو لوگوں نے مختلف تاویلوں سے جائز قرار دے دیا اور ہمیں بھی لوگوں کی بات پر یقین آ گیا۔

تو پھر قصور وار تو ہم ہی ہوئے۔ اللہ ﷻ ہمیں معاف فرمائے۔ (آمین)

گھبرایئے نہیں! اگر آپ کو حقیقت کا ادراک ہو گیا ہے اور ندامت و شرمندگی کا احساس پیدا ہو گیا ہے تو پھر پریشان نہ ہوں آپ کا ربّ فرماتا ہے:

﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝﴾ (الزمر۔ آیت:53)

ترجمہ: ''اے نبی ﷺ! فرمادیجیے اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جان پر زیادتی کی ہے، تم اللہ ﷻ کی رحمت سے نا اُمید نہ ہونا، بے شک اللہ ﷻ تو معاف فرمادیتا ہے تمام گناہوں کو، بیشک وہ بخشنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ ﷻ اپنے بندے کی توبہ سے اُس شخص سے کہیں زیادہ خوش ہوتا ہے جو کسی جنگل یا بیابان میں اپنا اونٹ جس پر اُس کا ساز وسامان بھی لدا ہو گم ہونے کے بعد اپنی موت کا انتظار شروع کر دے کہ اچانک اُس گمشدہ اونٹ کو ساز وسامان سمیت دوبارہ پالے۔'' (صحیح مسلم '' کتاب التوبۃ'' حدیث نمبر 6955)

اگر احساس ہو گیا ہے تو دیر نہ کیجیے، زندگی کا کچھ بھروسہ نہیں، اللہ ﷻ کی بارگاہ میں سچے دِل سے توبہ کرلیں۔ وہ تو ایسا کریم ہے جو فرماتا ہے! ﴿يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ﴾ یعنی وہ بدل دیتا ہے گناہوں کو نیکیوں سے۔ بخشش کا یہ دروازہ موت تک کھلا ہے۔ مرنے سے پہلے پہلے اللہ ﷻ کی طرف رجوع کرلیں۔ اللہ ﷻ سب مسلمانوں کو معاف فرمائے۔ (آمین)

شرک کی آلودگیوں سے بچنے والا خوش نصیب

یہ بات مشاہدہ میں آئی ہے کہ:

جونہی انسان جملہ اقسامِ شرک سے اپنا دامن صاف کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اس پر سایہ فگن ہو جاتی ہیں، خوشیاں اور بہاریں اس پر ٹوٹ پڑتی ہیں، ذہنی سکون نصیب ہو جاتا ہے،

فضائیں بھی معطر محسوس ہوتی ہیں، مال و دولت پاس نہ ہونے کے باوجود بھی خوش و خرم رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توحید کی لذت سے آشنا فرمائے جو مومن کا اصل خزانہ ہے، جس پر نجات موقوف ہے، جو بنیادی حق ہے بندوں پر اللہ کا، جس کی محنت تمام انبیائے کرام نے کی اور نبی آخر الزمان ﷺ کے طریقے پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

باب ۱۸

شرک کے ارتکاب کی وجوہات اور اسکی حقیقت

شرک کے ارتکاب کی وجوہات

انسان کے من میں ایک منعم حقیقی کی محبت اور اس کی حمد و شکر کا جذبہ سب سے زیادہ ہے۔ خدا تعالیٰ نے انسان کے اندر راہ حق کی پہچان رکھ کر نیکی اور بدی کی تمیز کا شعور دے کر خوف و طمع اور نفسانی خواہشات کے بہت سے عقبات (گھاٹیاں، رکاوٹیں) ڈال کر دنیا میں بھیج دیا ہے تا کہ اس کے اختیار و آزادی کا امتحان کیا جائے اور ہر انسان اپنی صلاحیتوں اور ہمت کے اعتبار سے اللہ کے ہاں مقام عزت حاصل کر سکے۔ یہی عقبات طالب صادق اور طالب خواہش کے مابین امتیاز کی کسوٹی ہیں۔ جو اہل ہمت اور مخلص ہوتے ہیں وہ ثابت قدم رہتے ہیں، وہ نہ خطرات کی پرواہ کرتے ہیں اور نہ نفسانی خواہشات اور لالچ کی طرف ملتفت ہوتے ہیں۔ اسکے برعکس جو پست ہمت اور ادنی الفطرت ہوتے ہیں وہ دوران آزمائش کسی نہ کسی عقبہ کے سامنے ہمت ہار جاتے ہیں اور دنیاوی اغراض و مقاصد اور نفسانی خواہشات راہ ہدایت میں حائل ہو جاتی ہیں۔ یہی پست ہمتی اور ادنی الفطرت شرک کے ارتکاب کا بنیادی سبب بنتی ہیں۔ یہ مرض جن مختلف اشکال میں ظاہر ہوا ہے اور جس جس طرح اس نے انسان کو غیر اللہ کی پرستش میں مبتلا کیا ہے نہایت اختصار سے اسکا تھوڑا سا تذکرہ پیش خدمت ہے تا کہ ہم بیماری کو پہچان کر اپنی اصلاح کر سکیں۔

(۱) طمع و رغبت کے عقبات:

طمع و رغبت نے انسان کو خواہشات کے جال میں اس طرح پھنسایا کہ خواہشات انسان کو

سب سے زیادہ عزیز ہو گئیں۔ اسے نعمتوں اور صلاحیتوں سے نوازا گیا تا کہ ان سے مستفید ہوتے ہوئے اصل مقصد تک پہنچ جائے لیکن انسان نے انہی وسائل کو اصل مقصد بنالیا، بیوی بچوں کی محبت میں ایسا گرفتار ہوا کہ اللہ کے حکموں کو بھول گیا، کنبہ وقبیلہ کے طور طریقوں میں ایسا پھنسا کہ خدا و رسول ﷺ کے طور طریقوں کو پس پشت ڈال دیا۔ جس چیز کو نافع پایا اسے نعمت سمجھنے کی بجائے منعم کا درجہ دے دیا۔ چنانچہ بیل گائے، سورج، چاند کو خدا بنالیا۔ اگر حکومت ملی تو زمین پر خدا کا قانون نافذ کرنے کی بجائے اپنا قانون چلانا شروع کر دیا۔ اسے اپنی قابلیت کا ثمرہ قرار دیتے ہوئے تکبر کیا اور جن لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے اپنی روحانی برکتیں نازل فرماتے ہوئے اپنا پیغمبر بنایا، انہوں نے لوگوں کو خدا کی بندگی کی دعوت دی لیکن لوگوں نے ان کے دنیا سے جانے کے بعد انکی بندگی شروع کر دی۔ انکی محبت میں حد سے تجاوز کرتے ہوئے انہیں خدا کی صف میں کھڑا کر دیا۔ چھوٹے چھوٹے مفادات کی خاطر خدا اور رسول ﷺ کے مقابے میں طاغوت کی پیروی کر لی۔

(۲) عقبات (رکاوٹیں) خوف:

دوسری چیز جو شرک کا سبب بنی وہ عقبات خوف ہیں۔ جس طرح کنبے قبیلے اور معاشرے کے بڑے لوگ عقبات طمع ورغبت میں شرک کے ارتکاب کا سبب بنے اسی طرح ان کے رسم رواج اور طریقوں کو ترک کر کے خدا اور رسول ﷺ کے طریقے کو اپنانے کا خوف بھی شرک کا بہت بڑا سبب بنا۔ مخلوقات میں جو چیزیں ہولناک اور خوفناک نظر آئیں انہیں بھی انسان نے خدا کی خدائی میں شریک کر لیا۔ مصائب و آلام اور بیماریوں سے انسان کی آزمائش کی گئی، انسان ثابت قدم رہتے ہوئے صبر کا دامن تھامتے ہوئے جائز اسباب اور خدا کی طرف رجوع کرنے کی بجائے دیگر مخلوقات کی دہائی دے کر پکار کرنے لگا۔ اگر کسی پتھر سے ٹھوکر لگی بجائے اس پتھر کو رستے سے ہٹانے کے بعض نے اسی جگہ مندر بنا کر پوجا شروع کر دی۔ عقبات خوف میں کم ہمت لوگوں نے فرعون، ہامان اور قارون کو خدا بنالیا جبکہ باہمت لوگوں نے حضرات انبیاء کرام کے رستے کو اپنایا۔ خوف و دہشت میں اللہ پر توکل کرنے کی بجائے جنات، روحوں اور دیوتاؤں سے فریادرسی شروع کر دی۔

(۳) تعلیمات وحی کی جگہ تقلید:

اللہ تعالیٰ نے دنیا میں انسانیت کے نام اپنا پیغام وحی کی صورت میں اپنے خاص نمائندے انبیاء ورسل کو دے کر بھیجا کہ لوگ اسے معیار بنا کر زندگی گزاریں۔ ہمیں یہ کام بڑا مشکل معلوم ہوا۔ چنانچہ ان تعلیمات پر غور کرنے کی بجائے ہم نے اپنے آباؤ واجداد کو جس ڈگر پر پایا آنکھیں بند کر کے اسی کو عین حق قرار دیتے ہوئے خدا اور رسول کی پیروی کی بجائے تقلید کے رستے کو اپنا لیا۔

(۴) تعلیمات وحی کی غلط تاویلات:

لوگوں نے جب قرآن وسنت کی تعلیمات کو اپنے خود ساختہ نظریات سے متصادم پایا تو اپنے اپنے مسالک اور فرقوں کے تحفظ کے لئے اپنا نقطہ نظر قرآن مجید پر مسلط کرتے ہوئے اپنے آپ کو تبدیل کرنے کی بجائے غلط تاویلات سے خدا اور رسول کی تعلیمات کو اپنے موافق کر لیا۔ یوں انسان اللہ کا شریک بن گیا۔ ایسا کرنے کے بارے میں سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا لیکن یہ حقیقت ہے کہ ایسا ہوا ہے۔

(۵) تعلیمات الٰہی کا غلط استعمال:

تعلیمات الٰہی کو رہنما بنانے کی بجائے الفاظ کے جوڑ توڑ، آیات کے آخری حرف یا شروع کے حرف حذف کر کے پریشانیوں اور مصیبتوں سے نجات کے نسخے بنا لیے۔

کلمہ گو کے شرک کے ارتکاب کی بنیادی وجہ!

ایک کافر جو قرآن وسنت کو سرے سے مانتا ہی نہیں وہ شرک کرے تو بات سمجھ بھی آتی ہے لیکن ایک مسلمان اس سب سے بڑے خطرے سے بچنے کے حوالے سے غافل کیوں رہے؟ اسکی بنیادی وجہ شیطان کے وہ مختلف حجابات ہیں ان میں ایک کا ذکر یہاں خصوصیت سے کیا جا رہا ہے جو رکاوٹ کی بنیادی وجہ نظر آئے ہیں۔

انسان کا تعلق ایک طرف خدا سے ہے تو دوسری طرف مخلوقات سے۔ شرک سے اجتناب کا

تعلق خالق کی عائد کردہ حدود وقیود کے دائرہ میں رہ کر مخلوقات سے تعلق استوار کرنے میں ہے۔ چنانچہ جب انسان حدود وقیود میں آنے پر آمادہ ہوتا ہے تو ابلیس وسوسہ اندازی کرتا ہے کہ مخلوقات میں سے بلند مرتبہ مقربین حق کی شان وعظمت اور قدرت وتصرف پر حرف آئے گا۔ یوں لوگ شرک کو سمجھنے سے ہی غافل ہو جاتے ہیں۔ دوسری طرف ابلیس کی یہ کوشش بھی ہوگی کہ تفریط کی جائے اور جو چیزیں حدود وقیود کے اندر آتی ہیں شرک کی آڑ میں انکا بھی انکار کردیا جائے جسکا براہ راست اثر اللہ کی عطا اور مخلوقات کی شان وعظمت پر آتا ہے۔

حل کیا ہے!

اسکا بہترین حل یہی ہے کہ قرآن وسنت کو رہنما بنایا جائے، حد سے تجاوز نہ کیا جائے۔ جن حدود وقیود کے تحت چیزیں بیان ہوئی ہیں انہیں کے اندر رہا جائے نہ اپنی طرف سے کمی کی جائے اور نہ بیشی۔ خوش دلی کے ساتھ شرک کی ہر نوع کو سمجھ کر اسکی تمام آلائشوں سے اپنا دامن پاک کیا جائے۔ اللہ کو سب سے بڑا تسلیم کیا جائے اور اس سے سب سے بڑھ کر محبت کی جائے اسکے بعد انبیاء ورسل پھر دیگر لوگوں سے محبت خدا کی محبت کے تحت کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی یہی فرمایا ہے کہ:

﴿وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ (البقرہ۔ آیت:165)

ترجمہ: "اور لوگوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ ﷻ کے علاوہ اور ہستیوں کو اللہ ﷻ کے مد مقابل ٹھہرا کر اُن سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی محبت اللہ ﷻ سے کرنی چاہیے اور (اُنکے برعکس) جو ایمان والے ہیں وہ اللہ ﷻ سے شدید ترین محبت رکھتے ہیں۔"

یاد رکھیں! شرک کی معصیت اور ظلمت کی شدت کا یہ فطری نتیجہ تو نکل سکتا تھا کہ کوئی شخص مخلوقات کے ضمن میں: تصرف واختیار، صفات وکمالات کے بارے میں بہت محتاط رویہ اپنا لیتا لیکن یہ نہیں ہو،

سکتا تھا کہ قرآن وسنت کو تسلیم کرنے والا شخص حد سے تجاوز کر جاتا یا غافل رہتا۔ اگر کسی نے ایسا کیا ہے تو اس نے اپنے جسم کے ساتھ ظلم کیا ہے۔ یہ وقت تو گزر ہی جانا ہے لیکن اگلا وقت بہت مشکل ہے۔ آپ کے ہاتھ میں موجود اس تحریر میں افراط وتفریط سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی ہے۔ اگر آپ شرک کی نجاست سے بچنا چاہتے ہیں تو اسے ضرور پڑھیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو راہ ہدایت پر گامزن رکھے۔ (آمین)

شرک کے مرض میں مبتلا لوگوں کی اقسام

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے شرک میں مبتلا لوگوں کی بنیادی طور پر دو اقسام بیان کی ہیں تا کہ جو بچنا چاہتے ہیں وہ مرض کو پہچان کر اس سے چھٹکارے کی فکر کر سکیں۔

نمبر۔۱: کچھ تو ایسے ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور کبریائی کو یکسر فراموش کر دیا ہوا ہے، وہ دن رات شرکاء ہی کی پرستش اور ان کو راضی رکھنے میں مشغول رہتے ہیں۔ انہی سے مرادیں مانگتے ہیں اور باری تعالیٰ کی طرف کبھی متوجہ نہیں ہوتے گو عقلی طور پر یہ جانتے ہیں کہ ممکنات کا سلسلہ وجود آخر کار ذات اقدس پر ختم ہوتا ہے اور وہ سب کائنات کی ایجاد اور تخلیق کا علت العلل (The first cause) ہے"

نمبر۔۲: بعض کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ حقیقی مولا اور مدبر عالم اللہ تعالیٰ ہے لیکن اس نے اپنے بندوں کو تصرف عنایت فرمایا ہے اور دوسروں کے حق میں ان کی شفاعت کو رد نہیں فرماتا۔ بالفاظ دیگر اسکے معنی یہ ہیں کہ اس نے ان کو خلعت الوہیت سے سرفراز فرمایا ہے۔ اسکی مثال وہ یہ بتاتے ہیں کہ جس طرح ایک شہنشاہ کے ماتحت متعدد بادشاہ ہوتے ہیں اور ہر ایک صوبہ میں اسکی طرف سے ایک حاکم مقرر ہوتا ہے جس کو اندرون ملک میں ہر قسم کے تصرف کرنے کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔ شہنشاہ اعظم بذات خود فقط بعض اہم معاملات میں تصرف کرتا ہے۔ ان بزرگوں کو یہ لوگ عبد کہتے ہوئے ان کی کسر شان سمجھتے ہیں۔۔۔۔۔۔ چنانچہ اپنے بچوں کا نام عبدالمسیح، عبدلعزیٰ؛ عبدالرسول اور

عبدالحسین وغیرہ رکھتے ہیں۔ اکثر یہود اور نصاریٰ اور عامہ مشرکین اور اس امت مرحومہ کے بعض غالی (حد سے تجاوز کرنے والے) منافقین اسی لاعلاج مرض میں مبتلا ہیں"

(حجۃ اللہ البالغہ: حصہ اول، ص 242-241، مترجم، مطبوعہ الفیصل ناشران، اگست، 2006)

شاہ صاحب رحمہ اللہ نے انکی جس خرابی کہ "وہ بزرگوں کو عبد کہتے ہوئے ان کی کسر شان سمجھتے ہیں"

اسے ہمارے رب نے ہماری اصلاح کے لئے اپنی کتاب میں یوں ذکر فرمایا:

﴿لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَ لَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ وَ مَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَ يَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا﴾ (سورۃ النساء آیت: 172)

ترجمہ: "مسیح (علیہ السلام) کو اللہ کا بندہ ہونے میں ہرگز کوئی عار نہ ہوگا اور نہ مقرب فرشتے (اس میں کوئی عار محسوس کرتے ہیں) اور جسے عار ہو اسکی بندگی سے اور جو تکبر کرے تو اللہ تعالیٰ ان سب کو اکٹھا اپنی طرف جمع کرے گا"

افراط و تفریط سے بچتے ہوئے شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے ہر ایک کی اسکے مقام کے حساب سے عزت و توقیر ضروری چیز ہے لیکن جس بات کا اوپر ذکر کیا گیا ہے یہی چیز رفتہ رفتہ انسان کو اس حد تک لے جاتی ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کو انسانیت سے بھی بالاتر سمجھنا شروع کر دیتا ہے۔ یہی چیز شرک کے ارتکاب کا سبب بن جاتی ہے۔

نوٹ: اوپر ذکر کردہ عبارت میں شاہ صاحب رحمہ اللہ نے مذکورہ اوصاف کے عقیدہ شفاعت میں شرک، خدا کی بادشاہی میں شرک جس سے اس کی ملکیت کی تقسیم لازم آتی ہے ... تفصیل مشرکین کے شرک (دیوتاؤں کی پوجا) کے تحت بیان کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ انکی اس بیماری کو کہ وہ اپنے آپ کو خدا کا عبد کہلانے کی بجائے مخلوقات کا عبد کہلانے میں فخر محسوس کرتے تھے۔ حالانکہ اس بات کا حقدار اللہ تھا جس نے انھیں حقیر شے سے تخلیق کیا۔

قرآن مجید کا اسلوب

قرآن مجید کو جہاں سے بھی کھولیں یہی سبق ملتا ہے کہ معاملات کو اللہ کے ساتھ منسوب کیا جائے۔ انبیاء کرام علیہم السلام سمیت دیگر اللہ کے بندوں کا طرزِ عمل یہی رہا کہ وہ معاملات کو اللہ ہی کی طرف منسوب کرتے تھے۔ جیسا کہ حضرت مریم علیہا السلام کے پاس جب حضرت ذکریا علیہ السلام نے بے موسمے پھل دیکھے تو پوچھا کہ یہ کہاں سے آئے؟ تو انھوں نے بالکل سیدھا جواب دیا کہ اللہ نے دیئے، اسے قرآن مجید نے یوں بیان فرمایا:

﴿فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّ اَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَّ كَفَّلَهَا زَكَرِيَّا كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ (سورہ آل عمران، آیت: 37)

ترجمہ: "پس قبول فرمالیا اس بچی کو اسکے رب نے احسن طریقے سے اور پروان چڑھایا اسے بہترین انداز سے اور سرپرست بنا دیا اسکا ذکریا (علیہ السلام) کو۔ جب بھی جاتے اسکے پاس ذکریا (علیہ السلام) محراب میں تو پاتے اسکے پاس رزق، پوچھا اے مریم (علیہا السلام) کہاں سے آیا ہے تیرے پاس یہ رزق، انھوں نے جواب دیا یہ اللہ کے پاس سے آیا ہے۔ بے شک اللہ رزق دیتا ہے جسے چاہے بے حساب"

حالانکہ حضرت مریم علیہا السلام انکی پرورش میں تھیں اور حضرت ذکریا علیہ السلام اس وقت کے سب سے بڑے مذہبی پیشوا بھی (Chief Priest) تھے، حضرت مریم علیہا السلام نے یہ نہ فرمایا کہ حضور آپکی نظر کرم سے ملے۔۔۔ اور اس جواب پر نہ ہی حضرت ذکریا علیہ السلام نے برا منایا۔ لیکن اس وقت حالات اسکے برعکس ہیں۔ ایسا طرزِ عمل اپنانے سے اولیاء کی شان میں کمی اور انکے تصرفات کے انکار کا الزام ملتا ہے۔ حالانکہ توحید اور اللہ سے محبت کا تقاضا ہے کہ چیزوں کو انکے خالق کی طرف منسوب کرنے میں خوشی محسوس کرنی چاہیے۔

باب نمبر۱۹

خلاصہ گفتگو

1۔ شرک سب سے بڑا گناہ ہے جو اللہ ﷻ کے لیے نا قابلِ برداشت ہے۔ اِس جرم کا مرتکب خدانخواستہ بغیر توبہ فوت ہو گیا تو نہ تو اللہ ﷻ اسے معاف کرے گا اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ اُس کے لیے اللہ ﷻ کی بارگاہ میں شفاعت کریں گے۔

2۔ تعلیماتِ الٰہی میں جو احکام بیان ہوئے ہیں انھیں تسلیم کرنے سے دل میں ناگواری ہونا کفر کی علامت ہے اور ان احکامات کو بخوشی تسلیم کرنے کی بجائے اپنا نقطہ نظر مسلط کرتے ہوئے انکی غلط تاویل کرنا اللہ تعالیٰ کے مدِ مقابل آنے کے مترادف ہے جو کہ بہت بڑا شرک ہے۔ مزید یہ کہ یہ تکبر کا سب سے بڑا درجہ ہے۔ اِس ظلم میں ملوث ہوتے ہی اللہ ﷻ انسان کی ہدایت سلب فرما لیتے ہیں اور دِل کو ٹیڑھا کر دیتے ہیں۔

3۔ کلمہ گو بھی شرک کا ارتکاب کر سکتا ہے۔ قرآن مجید کی رُو سے اکثر لوگ ایمان لانے کے باوجود بھی شرک کرتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے اُمتِ مسلمہ (سوائے ایک گروہ) کے شرک میں ملوث ہونے کی پیشگی خبر دی ہے۔

4۔ شرکیہ افعال وعقائد انسانی طبع کو بہت محبوب ہوتے ہیں اور شیطان کا اصل ہدف انسان کو شرک میں ملوث کر کے ہمیشہ کے لئے ہر قسم کی بھلائیوں سے محروم کروانا اور ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں پہنچانا ہے اِسی لیے انسان شرکیہ افعال کو ترک کرنے میں بہت تکلیف محسوس کرتا ہے۔

5۔ قرآن کی محکم آیات کی بجائے متشابہات آیات کے پیچھے پڑنا اور صحیح کی بجائے موضوع

اور ضعیف احادیث کو پکڑنا گمراہی کی بنیادی وجہ ہے اور ایسا کرنے والے کو اللہ ﷻ نے فتنہ انگیز قرار دیا ہے۔

6۔ اللہ ﷻ کی ذات وصفات کے سوا مخلوقات میں سے کسی بھی چیز کو اللہ ﷻ کی ذات کا حصہ سمجھنا شرک فی الذات ہے۔

7۔ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے اللہ کی محبت اور اسکے قرب کے اعتبار سے اسکے ساتھ ہیں اور حزب اللہ ہیں لیکن اسکے ساتھ شراکت کے اعتبار سے من دون اللہ میں شامل ہیں۔ اس اعتبار سے اللہ ﷻ کی ذات وصفات کے سوا ہر چیز من دون اللہ یا من دونہ میں شامل ہے۔

8۔ ہر وقت کائنات کی ہر چیز کا علم ہونا اللہ ﷻ کی صفت ہے اور یہ تفصیلی اور محیط کلی ہے۔ مخلوقات کے بارے میں ایسا عقیدہ رکھنا خدا کی صفت علم میں شراکت شمار ہوگا۔

9۔ معجزہ یا کرامت وغیرہ اللہ ﷻ کے مشیت وارادہ سے ظہور میں آتے ہیں جن کا ذریعہ مخلوقات بنتی ہیں۔

10۔ یہ عقیدہ کہ جسے اللہ ﷻ نہ بخشنا چاہے اُسے شفاعت سے چھڑا لیا جائے گا عین شرک ہے۔

11 شرکیہ افعال وعقائد کو کسی بھی عقیدہ سے بجالانا جیسے ذاتی وعطائی، مستقل بالذات وغیرہ کی تفریق کرنے کے باوجود وہ شرکیہ ہی رہیں گے جیسے غیر اللہ کے نام کی نذر ومنت، اللہ کے سوا کسی کو پکارنا وغیرہ۔

12۔ بغیر ظاہری اسباب کے جو ہستی آپ کے سامنے موجود نہ ہو اُسے مشکل ومصیبت کے رفع کے لیے پکارنا عبادت میں داخل ہے جو کہ صرف اللہ ﷻ کا حق ہے۔ یہ بنیادی شرک تھا جس میں سابقہ مشرکین ملوث تھے جو کثرت سے قرآن مجید میں بیان ہوا۔

13۔ مشرکین مکہ اپنے معبودوں کے اختیارات اللہ ﷻ کی طرف سے عطائی تسلیم کرتے

تھے، اُنھیں مستقل بالذات نہیں سمجھتے تھے اور جب بھی کسی بڑی مصیبت میں پھنستے تو وہ کافر ہوتے ہوئے بھی خالص اعتقاد کے ساتھ صرف ایک اللہ ﷻ کو پکارتے تھے۔

14۔ جن صالحین کو اللہ ﷻ کے سوا پکارا جاتا ہے وہ بروز قیامت پکارنے والوں کے دشمن ہو جائیں گے۔

15۔ قبروں کو پکا کرنے، ایک بالشت سے اونچا بنانے، اُن پر کسی بھی قسم کی عمارت بنانے، چراغ جلانے، اُنھیں عبادت گاہ بنانے کی ہمارے پیارے رسول ﷺ نے سخت ممانعت کی ہے۔ نیز اہلِ قبور سے حاجت روائی کرنا، یا اُن سے مدد طلب کرنا، یا اُن کو اپنا مشکل کشا ماننا شرک ہے۔

16۔ جو لوگ شرکیہ افعال کا ارتکاب کرتے ہیں اُن پر شیاطین نازل ہوتے ہیں اور اُن کا گھیراؤ کر لیتے ہیں۔

17۔ قرآن وسنت کے احکامات کے خلاف کسی کی پیروی کرنا شرک فی الاطاعت ہے، اگر حلال وحرام میں ایسا کیا تو گویا اُسے رب بنالیا۔ بغیر دلیل کسی کی بات تسلیم کرنا شرک فی الاطاعت کے ارتکاب کی بنیادی وجہ ہے۔

18۔ آئمہ دین اور سلف صالحین نے بغیر دلیل انکی بات تسلیم کرنے کی سختی سے ممانعت کی ہے۔ وہ بری الذمہ ہیں اُس اندھی تقلید سے جو لوگوں نے اُن کی طرف منسوب کر رکھی ہے۔

19۔ خواہشِ نفس، یا کوئی بھی ایسی چیز جو اللہ ﷻ کے بڑے بڑے احکامات کے رستے میں رکاوٹ بن جائے اُسے مستقل طور پر اپنا لینا شرک ہوگا۔

20۔ شرعی دم وغیرہ جائز ومستحسن ہے، تعویذات کے استعمال سے گریز کرنا بہتر ہے، منکے، دھاگے اور گھونگے وغیرہ پہننا سخت ممنوع ہے کیونکہ یہ بالآخر شرک کا سبب بنتے ہیں۔

21۔ بروز قیامت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں محاسبہ قرآن وسنت کی بنیاد پر ہوگا کسی اور چیز کو دلیل نہ بنایا جا سکے گا۔

22۔ جولوگ اللہ ﷻ ورسول ﷺ کے رستے کو نہ اپنائیں، تعلیمات الٰہی کو بنیاد بنانے کی بجائے عقل کو عاجز کردینے والے امور کی طلب کریں اور انہیں بنیاد بنائیں یا حق واضح ہو جانے پر بھی اُسے قبول نہ کریں تو اللہ ﷻ بطور تدبیر ان کی عقل سلب فرمالیتا ہے اور اُنھیں شیاطین کے سپرد کردیتا ہے۔

23۔ شہداء اور انبیاء کرام برزخی زندگی کے ساتھ زندہ ہیں، لیکن وہ ایسی زندگی نہیں جیسی موت سے قبل تھی اور نہ قیامت کے دن کی زندگی ہے بلکہ قبر کی زندگی ایسی ہے جس کی حقیقت و کیفیت اللہ ﷻ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور ہمیں اُن کو پکارنے کی اجازت قطعاً نہیں دی گئی اور ایسا کرنا خسارے کا باعث ہوگا۔

آخری وسوسہ: کیا بزرگانِ دین غلط تھے؟

ابلیس آخری وسوسہ یہ دلائے گا کہ اگر اس کتاب کو صحیح تسلیم کرلیا جائے تو بہت سارے بزرگان دین غلط ثابت ہو جائیں گے۔

ازالہ: پہلی بات تو یہ ہے کہ تسلیم کرانا ہمارا مقصد نہیں۔ ہمارا مقصد فقط یہ ہے کہ حق و باطل کی آمیزش کے اس دور میں حق اور باطل کو خدا اور رسول ﷺ کی تعلیمات کی بنیاد پر واضح کردیا جائے تا کہ جو سچائی کی پیروی کے متلاشی ہیں انکے لئے حق کی راہ واضح ہو جائے۔ باقی آپ نے تسلیم کرنا ہے تو بھی اپنے لئے اور نہیں کرنا تو بھی اپنے اعمال کے ذمہ دار آپ خود ہوں گے۔

اگلی بات یہ کہ اگر آپ اس کتاب کا مطالعہ کر چکے ہیں تو یقیناً ابلیس کے پاس اس کے سوا اور کچھ بھی نہیں رہ گیا ہوگا کہ آپ کو یوں ورغلائے کہ اس طرح تو بہت سارے بزرگان دین غلط ثابت ہو جائیں گے۔ یہ محض شیطانی وسوسہ ہے۔ چھٹکارہ کے لیے چند حقائق پیش خدمت ہیں:

اگر آپ غور وفکر کریں اس کتاب میں بیان کی گئی تفصیلات پر تو یہ حقیقت آشکار ہو جائے گی کہ:

(i) یہ عقائد قرآن مجید کے مطابق درست ثابت ہوں گے۔ **(ii)** صحیح السند احادیث کے عین مطابق

ہوں گے۔ (iii) صحابہ کرامؓ کے طریقے کے مطابق ہیں۔ (iv) تابعین، تبع تابعین، آئمہ و مجتہدین یعنی پہلے 300 سال کے مسلمانوں کے نظریات سے مطابقت پائیں گے۔ (v) بہت سارے بعد والے بزرگانِ دین کی رائے بھی یہی ہوگی۔

اگر یہاں تک بات درست نکل آئے تو ضرور سوچیے گا کہ کیا اللہ ﷻ کے رسول ﷺ نے ہمیں:
(i) صرف اور صرف قرآن و سنت کا پابند نہیں کیا؟ (ii) ناجی فرقہ کے متعلق ﴿ما انا علیہ و اصحابی﴾، یعنی جو میرے طریقے اور صحابہ کے طریقے پر ہوگا نہیں فرمایا؟ (iii) پہلے 300 سال کے مسلمانوں میں سے اکثریت کے ہدایت پر ہونے کے متعلق قرآن و سنت میں خبر نہیں آئی؟ (iv) کیا آنحضور ﷺ نے تین سو سال کے بعد دین کی بربادی، دین میں جھوٹ اور فریب کے داخل ہونے کی خبر نہیں دی؟ (v) کیا بعد والے کئی بزرگانِ دین کے عقائد و نظریات مذکورہ کتاب کے مطابق نہیں؟
(vi) کیا قرآن و سنت کے علاوہ کسی اور شے کے محفوظ رہنے کی گارنٹی دی گئی ہے؟

اگر یہ حقیقت ہے تو پھر آپ ابلیس کی باتوں پر کیوں دھیان دے رہے ہیں۔ ان چیزوں کے پیچھے لگ رہے ہیں جن کے بارے کوئی سند نازل نہیں ہوئی، جن کے بارے میں ہم سے سوال بھی نہیں کیا جانا۔ بلکہ بروز قیامت لوگ چیخیں گے اور اس بات کا اقرار کریں گے کہ ہماری تباہی کی بنیادی وجہ قرآن و سنت کی بجائے لوگوں کی پیروی ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

﴿یَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِی النَّارِ یَقُوْلُوْنَ یٰلَیْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَ اَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ٥ وَ قَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَ کُبَرَآءَ نَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِیْلَا ٥﴾ (احزاب۔ آیت:66)

ترجمہ: ”جس دن لوگوں کے چہرے آگ میں الٹ پلٹ کیے جائیں گے وہ کہیں گے اے کاش! ہم اطاعت کرتے اللہ ﷻ کی اور اس کے رسول (ﷺ) کی اور کہیں گے بے شک ہم نے اطاعت کی اپنے سرداروں کی اور بزرگوں کی پس اس وجہ سے ہم گمراہ ہوئے سیدھے رستہ سے۔“

اب مرضی آپ نے اپنی کرنی ہے۔ چاہے تو قرآن و سنت کے ان حقائق اور سلف صالحین کو بنیاد

بنالیں یا وہ بزرگانِ دین جن کی تعلیمات مذکورہ دلائل کے مطابق نہیں ان کے پیچھے لگ جائیں۔ جب انبیاء کرام کے بعد سب سے افضل ہستیاں صحابہ کرام علم نہ پہنچنے کی بنا پر بعض معاملات میں صحیح رائے قائم نہ کر سکے اور آنحضور ﷺ کی بات کی تصدیق ہوتے ہی رجوع کر لیتے تو بعد والے لوگوں کی ہر بات کو قرآن وسنت کا درجہ کیوں دے دیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ڈاکٹر علامہ اقبال رحمہ اللہ کی ابتدائی زندگی کے اشعار اور آخری زندگی جب آپ رحمہ اللہ نے قرآن کو مرکز بنایا اس دور کے اشعار میں بڑا فرق ہے۔ یہ حقیقت بھی آپ پر واضح ہو چکی ہوگی کہ انبیاء کرام کے علاوہ جتنے بھی لوگ ہیں وہ وقت کے ساتھ ساتھ اپنی رائے تبدیل کرتے رہتے ہیں علم آ جانے کی بنا پر۔ اسی لیے بہت بڑی علمی شخصیت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے آخری وقت میں قرآن وسنت کے خلاف اپنی ہر بات سے برأت کا اظہار کر لیا تھا۔ اسی طرح امام محمد غزالی رحمہ اللہ آخری عمر میں بخاری مسلم کے مطالعہ میں مصروف ہو گئے تھے اور طلب حدیث کے لئے محدثین کے پاس وقت گزارنے لگے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے:

(امام ذہبی کی کتاب: سیر اعلام النبلا، جلد:19، ص: 326-325 اور البدایہ والنہایہ، جلد:14، ص: 15، مصنف: حافظ ابن کثیر)

ہم نے تو اللہ کے فضل وکرم سے اپنا فرض ادا کرنے کی کوشش کی ہے جو انشاء اللہ ہر سلیم الفطرت شخص کے لیے بالکل واضح راہِ ہدایت متعین کر دے گا۔ اللہ ہمارا حامی وناصر ہو۔ (آمین)

ابلیس کا نیا انداز

قرآن وسنت کے دلائل جب لوگوں پر واضح ہو جاتے ہیں اور ان کو یقین ہو جاتا ہے کہ ہمارے پاس اب کوئی جواب نہیں رہا تو یہ کہہ کر کہ: "باتیں تو ٹھیک ہیں لیکن یہ فلاں فرقہ سے ملتی جلتی باتیں ہیں" قرآن وسنت سے اعراض کر جاتے ہیں اور اُسی ڈگر پر زندگی بسر کرنا شروع کر دیتے ہیں جس پر پہلے سے موجود تھے۔

محترم بھائیو!

شیطان کے اس وسوسے کا شکار ہونے سے پہلے ذرا گہری بصیرت سے یہ بات ضرور سوچیے گا کہ جو کچھ بھی اس کتاب میں پیش کیا گیا ہے وہ اللہ جل جلالہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے ہے یا کسی اور فرقہ کی طرف سے ہے۔ یہی صورت حال آنحضور ﷺ کو پیش آئی تھی لوگ آپ ﷺ کی دعوت پر بغیر غور وفکر کیے آپ ﷺ کو معاذ اللہ جادوگر کہہ کر تعلیمات وحی سے اعراض کر جاتے تھے۔

ایک اور اشکال کہ: جس سے اللہ تعالیٰ محبت کریں اُس کے بارے اعلان کرا دیا جاتا ہے۔ چنانچہ لوگ بھی اُس سے محبت کرتے ہیں۔ یہ بات درست ہے لیکن یہ کسی شخص کے حق پر ہونے کی دلیل نہیں، ہم نے سب فرقوں کو دیکھا ہے اور یہ بات مشاہدہ میں آئی ہے کہ ہر مکتبہ فکر کے لوگ اپنے اپنے اکابرین کی بہت عزت واحترام کرتے ہیں اور اُن سے محبت کرتے ہیں اگر اس بات کو دلیل بنایا جائے تو یہ سب کے لیے ہونی چاہیے۔

عقائد واعمال کے معاملے میں عقل و بصیرت سے کام لیتے ہوئے ذمہ داری کا مظاہرہ کرنا چاہیے کیونکہ امت مسلمہ کی خرابی کی پیشگی خبر آنحضور ﷺ نے دے چکے ہیں:

> ”(میری اُمت میں سے) بہتر (فرقے) جہنم میں جائیں گے اور ایک جنت میں جائے گا اور عنقریب میری اُمت میں ایسے لوگ ظاہر ہوں گے جن میں یہ بدعات اس طرح سرایت کر جائیں گی جس طرح باؤلے کتے کا اثر کٹے ہوئے شخص کے رگ وریشے میں سرایت کر جاتا ہے“۔

(ابوداؤد: حدیث نمبر 4597، مسند احمد: 102/3، حدیث نمبر: 17061)

رسول اللہ ﷺ نے ایک دن خطبے میں فرمایا

> ”بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تمام اہلِ زمین کی طرف دیکھا اور سبھی عرب وعجم والوں سے بیزاری اور سخت ناراضگی کا اعلان کیا ہے ماسوائے چند اہل کتاب

کے......الخ"۔(صحیح مسلم: الجنۃ وصفتہ)

ان حالات میں بچت کی واحد صورت وہی ہے جو خود آنحضور ﷺ نے بتلائی کہ قرآن وسنت کو مضبوطی سے تھام لیا جائے۔ انشاء اللہ وہی لوگ جنت کی ابدی راحتیں حاصل کریں گے جو قرآن وسنت کے خلاف کسی بڑے سے بڑے بزرگ کی بات بھی تسلیم نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

مسلمانوں کا اتحاد

اگر مسلمانوں کے موجودہ اختلافات کو دیکھا جائے تو اس وقت اتحاد کی واحد صورت صرف اور صرف یہی ہے کہ سب لوگ قرآن وسنت کو بنیاد بنالیں اور دیگر شخصیات کی بجائے آنحضور ﷺ کی ذات گرامی پر اکٹھے ہو کر دل وجان سے آپ ﷺ کی لائی ہوئی تعلیمات کے سامنے اپنی خواہش نفس کو قربان کر دیں۔ آنحضور ﷺ کے علاوہ کوئی بھی ایسی شخصیت نہیں جس پر سب لوگ اکٹھے ہو سکیں۔ یہاں تک کہ اگر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بات بھی کی جائے گی تو ان پر بھی کچھ لوگ اختلاف کر جائیں گے۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ ہم سب اپنے اپنے مسالک اور فرقوں کی بجائے اگر اللہ جل جلالہ کے دین کا فروغ چاہتے ہیں تو آنحضور ﷺ کی ذات پر اکٹھے ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو قرآن وسنت کی بنیاد پر ایک ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

امت محمدیہ ﷺ کا "ایک گروہ" ہمیشہ حق پر رہے گا

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"میری اُمت کا ﴿ایک گروہ﴾ ہمیشہ حق پر رہے گا، وہ غالب ہی رہیں گے، اور کوئی بھی مخالفت کرنے والا اُن کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا حتیٰ کہ اللہ کا حکم (قیامت) آجائے گا۔"

[صحیح بخاری "کتاب الاعتصام" حدیث نمبر 7312، صحیح مسلم "کتاب الامارۃ" حدیث نمبر 4955]

یقیناً اہل حق وہی ہوگا جس نے قرآن وسنت کو مضبوطی سے تھام لیا ہو، یہی بات خدا ورسول ﷺ نے فرمائی جسکا تذکرہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے یوں کیا:

”میں کہتا ہوں فرقہ ناجیہ ﴿آخرت میں نجات پانے والا فرقہ﴾ وہ ہے جو عقیدہ اور عمل میں ظاہر کتاب اور سنت پر کاربند ہے۔ جملہ صحابہ اور تابعین اسی راستہ پر چلتے ہیں۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ بعض ایسے مسائل ہیں جن کے متعلق نہ تو قرآن اور حدیث میں کوئی تصریح پائی جاتی ہے اور نہ ہی صحابہ کرام میں اتفاق رائے پایا جاتا ہے۔ اس قسم کے مسائل میں اختلاف کی گنجائش ہے۔ ان مسائل کا انحصار استنباط اور تفسیر مجمل اور ہیچو دیگر امور پر ہے، برخلاف اسکے غیر ناجی فرقے وہ ہیں جنہوں نے سلف صالحین کے عقیدہ کو چھوڑ کر کوئی دوسرا عقیدہ تراش لیا ہے، یا ان کا عمل ان کے عمل کے مخالف ہے، ایک حدیث میں ہے کہ: میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی۔“

(حجۃ اللہ البالغہ ص:26، حصہ اول، مترجم: الفیصل ناشران)

محترم ساتھیو!

اگر بات سمجھ آ گئی ہے تو اللہ ﷻ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کریں، ہمارے حق میں بھی دعا کریں، اور اپنے دوسرے مسلمان بھائی جو غفلت کی تاریکیوں میں ڈوبے ہوئے ہیں اُن تک یہ پیغام پوری کوشش سے پہنچائیں۔ اللہ ﷻ ہم سب کا حامی وناصر ہو۔ (آمین)

اللہ ﷻ کا کروڑ ہا شکر ہے جس نے ہم پر اپنا فضل وکرم فرمایا، شرک سے نفرت پیدا فرما کر توحید و سنت کے رستے پر گامزن کیا، ہدایت میں اضافہ فرمایا اور تسلیم کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ کروڑوں

رحمتیں ہوں اللہ ﷻ کے حبیب اور ہم پر ماں باپ سے بھی بڑھ کر شفیق آقا ، امامِ اعظم ، امام کائنات ، سید الاولین والاخرین، سید الانبیاء و المرسلین ، شفیع المذنبین، رحمۃ للعالمین ، **سیدنا مُحمد رسولُ اللہ** ﷺ پر جنہوں نے ہر نوع کے شرک سے آگاہی فرما کر اپنی اُمت کو اس دلدل سے نکلنے کا راستہ بتلایا۔

اللہ ﷻ کے بے پناہ فضل و احسان سے یہ کتاب پایۂ تکمیل کو پہنچی ، اللہ ﷻ اس کوشش کو قبول فرمائے اور لوگوں کے لیے ذریعہ نجات بنائے، اِس میں اگر کوئی کمی بیشی ہوئی ہو تو اُسے کمال فضل سے معاف فرمائے اور جن بھائیوں نے تعاون فرمایا اُن کے علم وعمل اور درجات میں اضافہ فرمائے۔ (آمین)

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَ مَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْ لَاۤ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ﴾

اللہ ﷻ کی حمد ہے جس نے ہمیں اِس کی ہدایت دی اگر اللہ ﷻ ہم کو ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے بیشک ہمارے رب کے رسول ﷺ حق کے ساتھ آئے ہیں۔"

﴿فیصلہ آپ کے ہاتھ میں!﴾

الحمد للہ ! جو حقیقت تھی قرآن وسنت سے کھول کر بیان کردی گئی ہے، چاہے تو قرآن وسنت کی بنیاد پر اللہ ﷻ ورسول ﷺ کی بات تسلیم کرلیں یا واقعات کی بنا پر لوگوں کی بات تسلیم کرلیں؟ فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔

((وما علینا الا البلاغ المبین، وان ارید الاّ ا لا صلاح ما استطعت وما توفیقی الاّ باالله))

﴿وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین﴾

✿✿✿✿✿

دُعاؤں کی درخواست

اگر آپ نے یہ تحریر پڑھ لی ہے اور آپ سمجھتے ہیں کہ آپ پر راہِ نجات واضح ہو گئی ہے تو وہ لوگ جن کا ہمیں اس کتاب کی تیاری میں تعاون حاصل رہا ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے انکی دنیا و آخرت میں کامیابی کے لئے دُعاؤں کی درخواست ہے۔

اپنے والدِ محترم محمد انور صاحب اور والدہ محترمہ کے لیے جنہوں نے رزقِ حلال سے ہماری کفالت کی، اساتذہ اور بزرگانِ دین بالخصوص محترم پروفیسر منشا دعلی شاہ صاحب کے لیے۔ اپنے بہن بھائیوں اور اہل وعیال کے لیے، انجینئر اعجاز ریاض، انجینئر محمد علی مرزا، انجینئر رضوان حیدر، جناب افضل ضیاء، بھائی یسٰین، نجم صاحب، اور محترم مختار احمد سمیت دیگر سب کے لیے جنھوں نے اس کتاب میں تعاون کیا۔ تمام اُمتِ مسلمہ کے اصلاح واتحاد اور دونوں جہانوں میں سرخروئی کے لیے۔ (آمین یارب العالمین)

دوسرے ایڈیشن کے لئے بالخصوص ہم قاری محمد عارف صاحب اور بھائی محمد آصف صاحب کے شکر گزار ہیں اور انکے لئے دعا گو ہیں جنہوں اس کی بہتری کے لئے گہری دلچسپی لی۔ قاری محمد عارف صاحب نے اس تحریر کو پڑھنے کے بعد اپنے خیالات کا اظہار یوں فرمایا:

الحمدللہ اس کتاب "سراطِ مستقیم کی حقیقت اور جنت کا راستہ" کو اس طرح ترتیب دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ انسان کی کم از کم تین چیزیں (1) عقیدہ کی درستگی (2) عمل کی درستگی اور (3) نیت کی درستگی میں سے کسی ایک میں بھی کمی یا نقص نہ رہے۔ بلکہ اس کو پڑھنے والا شخص اس مقام پر فائز ہو جائے کہ اس میں خدا و رسول ﷺ کی اطاعت واتباع کا حقیقی جذبہ پیدا ہو جائے۔ اس کتاب کی ایک بڑی خوبی جو مجھے نظر آئی وہ یہ ہے کہ حافظ صاحب نے اس کتاب کو ترتیب دینے میں آیات مبارکہ اور صحیح احادیث سے مدد لی ہے اور محض اللہ کی توفیق سے تقریباً شیطان کے وہ تمام وار جن کے ذریعے وہ انسان کو شکار کر کے اسکا ایمان برباد کرنے کی کوشش کرتا ہے ان کو نہ صرف عیاں کیا ہے بلکہ انکا علاج بھی تجویز کر دیا ہے۔ شرکیہ عقائد، شرکیہ افعال و اعمال سے تمام تر حجابات اٹھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کتاب کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور اسے پڑھ کر ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

خدا نخواستہ موقع ضائع ہو گیا تو.....!

خوش نصیب ہے وہ شخص جسے زندگی میں حق (قرآن وسنت) کے دلائل دیکھنے کا موقع مل جائے۔ایسا موقع پروردگار کی طرف سے بہت بڑا انعام ہے۔انسان کی خوش بختی یہ ہے کہ خدا اور رسول ﷺ کی طرف سے بات واضح ہو جانے پر فوراً قبول کر لے چاہے اسکے ذہن یا مسلک کے موافق ہو یا نہ ہو۔خدانخواستہ اگر ایسا نہ ہو سکا تو پھر بہت بڑی بدبختی ہوگی، یہ بات پروردگار کو سخت ناپسند ہے کہ اسکا بندہ اسکی بات پر اپنی گردن خم نہ کرے۔اللہ تعالیٰ تعلیمات وحی کو تسلیم نہ کرنے والوں کی ہدایت سلب فرما لیتے ہیں، جیسا کہ پیشگی خبر دی:

﴿وَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (الاعراف، آیت:182)

ترجمہ: ''اور جو لوگ ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں انھیں ہم بتدریج لے جائیں گے (تباہی کی طرف) ایسے طریقے سے کہ انھیں خبر تک نہ ہوگی''

عام طور پر انسان درج ذیل بنیادی وجوہات کی بنا پر خدا اور رسول ﷺ کی تعلیمات کو تسلیم نہیں کرتا:

- جو عقائد و نظریات اسکے ذہن میں پہلے سے موجود ہوں انہیں کو عین حق سمجھتا ہے اور انکے خلاف کسی بات کو قبول نہیں کرتا۔
- ہر مکتب فکر کے اپنے اپنے اکابرین اور بزرگان دین ہوتے ہیں، انکی بات کو انسان حرف آخر سمجھتا ہے اسلئے انکے خلاف کسی بات کو قبول نہیں کرتا چاہے بات خدا اور رسول ﷺ کی ہی کیوں نہ ہو۔

حالانکہ ایمان یہی ہے کہ معیار خدا اور رسول ﷺ کو بنایا جائے، انکی بات کو حرف آخر سمجھا جائے، اسی بات کا ہم سب کلمے میں اقرار کرتے ہیں۔اگر ہم یہ بات تسلیم کر لیں تو فرقہ واریت کا وجود ختم ہو جائے، ہم ہدایت یافتہ ہو جائیں۔یہ بات کہنے کے اعتبار سے تو بہت آسان ہے لیکن تسلیم کرنے اور عمل کرنے کے اعتبار سے بہت مشکل ہے۔اسی بات کو تسلیم نہ کرنے سے انسان خدا کا شریک بنا ہے۔ہم نے آپکی بہتری کے لئے فرقوں سے بالاتر ہو کر خدا اور رسول ﷺ کو سب سے بڑا تسلیم کرتے ہوئے حق بات واضح کرنے کی کوشش کی ہے، اگر کوئی بات غلط ہو تو ہم اپنی اصلاح کے لئے تیار ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حق بات تسلیم کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

ابھی وقت ھے!

﴿ وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ o اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ o اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِيْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ o بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ o ﴾

(الزمر، آیت: 59 - 55)

ترجمه: ”اور (اے لوگو !) پیروی کرو اُس بہترین شے (قرآنِ حکیم) کی جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے اُتاری گئی ہے اس سے پہلے کہ تم پر اچانک عذاب آجائے اور تمہیں اطلاع بھی نہ ہو۔ (ایسا نہ ہو کہ) پھر تم کہنے لگو کہ ہائے افسوس! اُس غفلت پر جو میں نے اللہ ﷻ کے حق میں کوتاہی کی بلکہ میں تو مذاق اُڑانے والوں میں ہی رہا۔ یا کہنے لگے کہ اگر اللہ ﷻ مجھے ہدایت کرتا تو میں بھی پرہیزگاروں میں شامل ہو جاتا۔ یا (قیامت کے دن) عذاب کو دیکھ کر کہنے لگے اے کاش ! کسی طرح مجھے (دنیا میں) دوبارہ بھیج دیا جائے تو میں بھی نیک لوگوں میں شامل ہو سکوں۔ (اللہ ﷻ فرمائے گا:) ہاں ہاں ! بے شک تیرے پاس میری آیات (قرآن) پہنچ چکی تھیں جنھیں تو نے جھٹلایا اور غرور و تکبر کیا اور تو اِنکار والوں میں ہی رہا۔“

علماء حضرات سے اہم سوال!

علماء حضرات اور مذہبی رہنماؤں سے بالخصوص اور عوام سے بالعموم ہم یہ سوال کرتے ہیں کہ جب یہ حقیقت ہے کہ:

۔ خدا اور رسول ﷺ کو سب سے زیادہ نفرت شرک سے ہے اور اسے سب سے بڑا ظلم قرار دیا گیا۔

۔ تمام انبیاء کرام علیھم السلام کی دعوت کی بنیاد شجر توحید کی آبیاری اور شرک کی بیخ کنی پر رہی۔

۔ بروز قیامت ہر گناہ معاف ہو سکتا ہے لیکن شرک کی معافی نہیں۔

۔ آنحضور ﷺ بھی شرک پر فوت ہونے والے کی شفاعت نہیں کریں گے۔

۔ امت کے شرک میں بری طرح ملوث ہونے کی خبر خدا اور رسول ﷺ نے خود دی۔

۔ شرک خالق کے ساتھ سب سے بڑی بددیانتی ہے۔

۔ قرآن مجید میں کثرت کے ساتھ شرک کی نجاست کو واضح کیا گیا۔

اتنے واضح حقائق کی موجودگی میں علماء حضرات اور مذہبی رہنماؤں نے اپنی تحریروں اور تقاریر میں اولین ترجیح توحید کی آبیاری اور عام لوگوں کو شرک کے عظیم خطرے سے بچانے پر کیوں نہ دی؟ عام لوگوں نے آنکھیں بند کیوں کیں؟؟؟

جو کچھ بیان کیا گیا ہے کیا یہ حقیقت نہیں؟ اگر حقیقت ہے تو پھر ہر صاحب شعور کو اسکے متعلق بہت زیادہ سنجیدہ ہونے کی ضرورت ہے۔ اسی ضمن میں ہم نے جو کچھ ہو سکا اللہ پاک کی توفیق سے آپکی رہنمائی کے لئے کوشش کی ہے۔ آپ کا بھی فرض بنتا ہے سچائی کو تلاش کرنے اور دوسروں تک پہنچانے کے لئے معاونت کرنے کا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

آپکے لئے ہماری چند اہم کتب

- ''صراط مستقیم کی حقیقت اور جنت کا راستہ'' [شرکیہ افعال بسمیت دیگر عقائد کے اختلافات کا اعتدال پر مبنی حل]
- ''عظمت و محبت مصطفیٰ ﷺ اور اس کے تقاضے'' [ایک مسلمان کا آنحضور ﷺ سے تعلق کیسا ہونا چاہیے؟]
- ''رمضان المبارک ایک عظیم تحفہ'' [رمضان المبارک کیسے گزارا جائے کہ اسکی سعادتوں سے مستفید ہوا جا سکے]
- ''کائنات سے خالق کائنات تک'' [وجود خالق کے حیرت انگیز دلائل، تمام نسل انسانی کے لئے]
- ''کیا قرآن مجید سمجھ کر پڑھنا ضروری ہے؟'' [مذکورہ موضوع پر ضروری دلائل کے واضح بیان پر مشتمل اہم تحریر]

﴿آئیں اس پیغام کو دوسروں تک پہنچانے میں تعاون کریں تا کہ ہم دنیا و آخرت میں کامیاب ہو سکیں﴾

ہماری دعوت!

وہ مسلمان جنھیں اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا، موجودہ دور میں انکی حالت تشویشناک ہے۔ مسلمان جدا جدا گروہوں میں منقسم ہو چکے ہیں، علیحدہ علیحدہ مساجد اور مکاتب بن چکے ہیں، جو جس گھرانے میں پیدا ہوا یا جس ماحول میں پرورش ہوئی وہی اسکا دین و مذہب بن گیا۔ لوگ اپنے پسندیدہ مسلک اور فرقے کو صحیح جبکہ باقیوں کو غلط سمجھتے ہیں۔ باہمی نفرت میں کمی کی بجائے اضافہ ہی ہوتا نظر آ رہا ہے۔ ان حالات میں ہم نے یہ عہد کیا ہے کہ فرقوں سے بالاتر ہو کر سچائی کی بنیاد پر غلط اور صحیح کو واضح کیا جائے اس عزم کے ساتھ کہ:

★ اللہ کے دین کو مسالک اور فرقوں پر ترجیح دی جائے۔

★ لوگوں کو انکے پسندیدہ گروہوں سے نکالنے کی بجائے انکے اندر رہتے ہوئے اصلاح کی دعوت دی جائے۔

★ جس مکتب فکر کی جتنی بات درست ہے اسے تسلیم کیا جائے اور غلط سے بچا جائے۔ صحیح بات جہاں سے بھی ملے اسے بلا چون و چراں تسلیم کیا جائے چاہے وہ ہماری اپنی فکر کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

★ باہمی غلط فہمیوں کو دور کر کے مسلمانوں کے مابین اتحاد و یکجہتی پیدا کی جائے۔

★ شخصیات کا احترام کیا جائے لیکن اللہ اور اسکے رسول ﷺ کو کائنات کے تمام لوگوں پر ترجیح دی جائے۔

رب کریم نے ہدایت کے لیے فرمایا: ﴿ وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا ﴾ (آل عمران: 103)

ترجمہ: ''تم سب مل کر اللہ کی رسی (قرآن مجید) کو مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو''

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴾ (سورۃ الانعام، آیت:159)

ترجمہ: ''بیشک جنھوں نے دین میں فرقے بنائے اور گروہوں میں بٹ گئے آپ (ﷺ) کا ان سے کوئی تعلق نہیں، ان کا معاملہ اللہ کے سپرد، پھر وہ انکو بتلائے گا جو وہ کیا کرتے تھے''۔